یونانی ڈراما

عتیق احمد صدیقی

ایجوکیشنل بک ھاؤس علی گ

یونانی ڈراما

یونانی ڈراما

(تعارف اور چار یونانی شاہ کار ڈرامے)

عتیق احمد صدیقی

شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

علی گڑھ

ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

بار اوّل ------- ۱۹۷۷
تعداد --------- ۱۰۰۰
قیمت -- Price Rs. 20/-

کتابت : ریاض احمد، الہ آباد
مطبع : اسرار کریمی پریس، الہ آباد

ناشر

ایجوکیشنل بک ہاؤس
مسلم یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

مشتملات

پیش لفظ

اپنی کم مائگی کے باوجود اردو کا دامن غیر ملکی ادب پاروں سے خالی نہیں رہا۔ اہل اردو حسب توفیق اس کے دامن میں کچھ نہ کچھ ڈالتے رہے۔ یونانی ادب' خاص طور پر ڈراما جس نے دنیا بھر کے ادب کو متاثر کیا اور اپنی عظمت تسلیم کرائی، اردو کے لئے اجنبی حیثیت نہیں رکھتا۔ گزشتہ پچاس سال میں کئی ڈراموں کے ترجمے ہوئے اور خود یونانی ڈرامے کے بارے میں بھی لکھا گیا۔ یہ حقیر سی کوشش اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ ہماری مجبوری رہی ہے کہ اب تک جتنے بھی تراجم ہوئے ان میں انگریزی وسیلہ بنی۔ یونانی سے ہم براہ راست واقف نہیں اور انگریزی میں ہر ڈرامے کے متعدد تراجم موجود ہیں۔ اردو مترجمین نے انھیں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ راقم الحروف بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

ایسکلس، سوفوکلیز، یوریپڈیز اور ایرسٹوفینز یونانی ڈرامے کے عناصر اربعہ ہیں، اوّل الذکر تین المیہ نگار ہیں اور چوتھا طربیہ نگار —— ان کا زمانہ کم و بیش پانچویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ یہی یونانی ڈرامے کے آغاز، ارتقاء، عروج اور پھر زوال کا بھی زمانہ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ڈراما ایسکلس سے شروع ہوا اور ایرسٹوفینز پر ختم ہوگیا۔ کچھ اور بھی ڈراما نگار رہے ہیں اور شاید ان کی بڑی تعداد رہی ہو لیکن یا تو تاریخ نے ان کو بالکل محو کر دیا یا زیادہ اہمیت نہیں دی —— تاریخ سے زیادہ بے رحم ناقد ہے بھی کون!

یونانی ڈرامے میں دانش یونانی کی جلوہ گری ہر طرف نظر آتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ المیہ نگاروں نے اپنی تمام تر توجہ مذہبی عقائد پر رکھی —— ڈراما ابتداءً تھا بھی جزو عبادت —— یہاں تاریخی شخصیات نظر نہیں آتیں —— بادشاہ ہیں، دیومالائی دیوتا ہیں، دیویاں ہیں، غیر انسانی مخلوق

ہے، ان کی آپس کی رقابتیں ہیں، دشمنیاں ہیں، انتقامی جذبے ہیں ___ اور انسان؟___ وہ تو ایک بے بضاعت سی مخلوق ہے جو دیوتاؤں کی کشمکش میں گھن کی طرح پستی رہتی ہے یا ان کی آتش غضب کا ایندھن بنتی رہتی ہے۔ لیکن اس بے بسی کے باوجود مستقبل کی بشارت سنی جا سکتی ہے۔ یہ بے بضاعت مخلوق اپنا تشخص قائم کرنے کے لئے برابر کوشاں ہے۔ کہیں کہیں باغی دیوتا بھی اس کی مدد کرتے نظر آتے ہیں کہ اس "احسن تقویم" کی بربادی منشائے تخلیق نہیں ہے۔ یہ ڈرامے یونانی عقائد کا آئینہ ہیں۔ لیکن ارسٹوفینز نے اس فضا کو بدل دیا۔ اس نے زندگی، سماج اور فرد کو اپنا موضوع بنایا۔ ان سے متعلق مسائل اس کے پیش نظر رہے۔ وہ ڈراموں کو آسمانوں سے زمین پر اتار لایا۔

تاریخ نے کتنے ورق الٹ دیئے، زمانہ کا مزاج بدل گیا، آج ان دیومالائی تصورات کی کہیں پذیرائی نہیں ہوتی، گویا عقیدہ کا تعلق ان سے منقطع ہو گیا۔ لیکن پھر بھی یونانی ڈراما دنیا بھر میں دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ آج بھی اس کی شگفتگی اور تازگی ختم نہیں ہوئی، آج بھی فن کی عظمت کا جلوہ ان میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر یہ تراجم شایع کئے جا رہے ہیں۔

علی گڑھ، ۲۱؍جون ۱۹۷۷ء

عتیق احمد صدیقی

دیباچہ

دانش یونانی کی جلوہ گری جہاں علوم وفنون اور صناعی میں نظر آتی ہے، وہیں صنم تراشی میں بھی اس کے کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ غور وفکر ذہن یونانی کی بنیادی خصوصیت تھی۔ انھوں نے زندگی اور اس کے گرد وپیش مسائل پر تفکر کی نظر ڈالی اور ان کے حل اور توجیہات کی تلاش برابر جاری رکھی۔ منطق وفلسفہ کی بنیاد اسی سرزمین پر پڑی۔ ارضی زندگی کے بارے میں باریک بینی، دور اندیشی اور مسائل فہمی اس عقل کی خصوصیات ٹھیریں لیکن اسی عقل نے قضا وقدر کے سامنے خود کو مجبور پایا۔ اکثر مظاہر قدرت کی توجیہہ نہ ہوسکی تو اسی عقل نے اپنی بے بسی کے اعتراف میں صنمیات کا ایک پورا نظام قائم کردیا۔ لیکن اس تہذیب میں انسان اور دیوتاؤں کے باہمی تعلقات کی تصویر بڑی بھیانک ہے۔ وہ ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہیں اور ان میں ایک مستقل ٹکراؤ اور کشمکش نظر آتی ہے۔ انسان بے بسی کے عالم میں دیوتاؤں کا پجاری ہے لیکن استقرار قوت کے لئے برابر کوشاں ہے۔ انسان اپنی پیہم جستجو سے قدرت کے سربستہ رازوں کو معلوم کرکے ان دیوتاؤں کو عاجز کرتا رہتا ہے۔ نتیجہ میں دیوتاؤں کا حسد اور شدید ہوجاتا ہے۔ وہ انسان پر تحقیق واکتشاف کے سارے دروازے بند کردینا چاہتے ہیں کہ اس راستے سے انسان قوت حاصل کرکے دیوتاؤں کا مدمقابل نہ بن بیٹھے۔ دیوتاؤں نے انسان کی سرکشی کو کچلنے کے لئے اپنی قوتوں کے مظاہرے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تاکہ ان کا نظام قائم رہے۔

اس صنمیاتی نظام میں انسان نے حسب توفیق اور حسب موقع چھوٹے بڑے بہت سے دیوتا تسلیم کرلئے اور ان کے ساتھ مختلف صفات واعمال وابستہ کردیئے گئے۔ زیوس (سورج دیوتا) آسمانوں پر متصرف ہے، موسم اس کے قبضے میں ہیں۔ برق ورعد کا مالک وہی ہے۔ انسان کی آزادی واملاک کا محافظ بھی وہی ہے۔ زیوس کا بیٹا ڈایونُسس ہے جو متنازعہ فیہ رہا، لیکن بالآخر دیوتا تسلیم کرلیا گیا۔ وہ نباتات اور خمریات کا دیوتا ہے۔ رقص وسرود اور مستی وسرشاری اس کے پسندیدہ افعال

ہیں اور اسی لئے اس کی پرستش کا جز ہیں۔ بکری اور بیل کے ساتھ اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں اس کی مقبولیت بہت محدود تھی۔ ہومر کے عہد یعنی ساتویں صدی ق م تک اس کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ رب النباتات کی حیثیت سے دھیرے دھیرے اسے اہمیت حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچویں اور پھر چوتھی ق م میں اس کی مقبولیت عروج کو پہنچ گئی۔ وہ ہر سال مر کر نئے سرے سے زندہ ہوتا تھا۔ یہ تصور شاید خزاں اور بہار کے تصور سے ابھرا۔ اس کی نشاۃ ثانیہ پر خوشی کی تقریبات منائی جاتی تھیں (یعنی بہار کی آمد کا استقبال کیا جاتا تھا)۔ مے نوشی اور رقص و سرود کے اجتماعات ان تقریبات کا خاص جز تھے، یہی آگے چل کر ڈرامے کی بنیاد ثابت ہوئے۔

روایت ہے کہ ڈایونُسس کا نزول ہوا تو اس نے انسان کو شراب کی خوبیوں سے آگاہ کرنا چاہا۔ ایک دیہاتی اِکاریئس کو منتخب کیا کہ وہ لوگوں کو شراب پلائے اور اس کی کیفیات سے آشنا کرائے۔ وہ اپنے رتھ میں بیٹھ کر یہ تحفہ تقسیم کرتا پھرتا تھا۔ بعض لوگوں پر نشہ طاری ہوا تو یہ خیال کیا گیا کہ اس نے ان کو زہر دے دیا ہے اور اس پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیٹی نے اپنے کتے کی مدد سے باپ کی تلاش شروع کی۔ اسے ایک درخت کے نیچے مدفون پایا اور انتہائے غم میں درخت سے لٹک کر خودکشی کر لی۔ باپ، بیٹی اور کتے پر تو ڈایونسس کی عنایات نازل ہوئیں۔ ان کو آسمانوں پر اعلیٰ درجے عطا کئے گئے اور اہل ایتھنا پر یہ عذاب مسلط کر دیا گیا کہ یہاں کی دوشیزاؤں پر ہر سال بے خودی طاری ہوتی اور سیکڑوں لڑکیاں خودکشی کر لیتیں۔ اپنے اس گناہ کے کفارہ کے طور پر اور دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ڈایونسس کی سالانہ تقریبات کا سلسلہ شروع ہوا۔

ایتھنا میں ہر سال مارچ کے مہینہ میں ڈایونسس کا تیوہار منایا جاتا تھا۔ اس میں نہ صرف پورے یونان سے لوگ آتے تھے بلکہ پڑوسی ممالک سے بھی خلق خدا اس میں شرکت کرتی تھی۔ دیوتا کے مجسمہ کے ساتھ جلوس نکالا جاتا اور پرستش کے وقت دیوتا کی شان میں اجتماعی طور پر نغمہ سرائی کی جاتی تھی۔ لوگ طواف کرتے جاتے تھے اور نغمے گاتے جاتے تھے۔ اس میں دیوتا کی تعریف بھی ہوتی تھی اور روایات کا بیان بھی ہوتا تھا کسی وقت اس میں افراد کا تعین ہوا اور نغمہ سرائی کا یہ فریضہ ۵۰ افراد کی ٹولی کے سپرد ہوا۔ پھر طواف ختم کر دیا گیا اور ایک شخص کو سردار طائفہ مقرر کیا گیا۔ اب یہ نغمے طائفہ اور سردار طائفہ کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں ادا کئے جانے لگے۔

چھٹی صدی ق م میں تھیسپیس نے ایک مجیب کا اضافہ کیا جو سردار طائفہ کے ساتھ مکالمہ میں شریک ہونے لگا۔ روایات کا بیان اس مجیب اور سردار طائفہ کے مکالمہ کے ذریعہ ہونے لگا۔ اسی

تھیسپس سے یہ بات بھی منسوب کی جاتی ہے کہ اس نے روایت کو صیغۂ غائب میں پیش کرنے کے بجائے صیغۂ حاضر و متکلم میں پیش کرنے کی طرح ڈالی۔ بہروپ کی بنیاد ڈالی تاکہ مجیب اور سردار طائفہ مختلف اوقات میں مختلف افراد کا کردار پیش کر سکیں۔ ان دونوں افراد کے مکالموں کے بیچ بیچ میں پورا طائفہ نغمہ سرا ہوتا رہتا تھا۔ بعد کے یونانی ڈراموں میں کورس انھیں طائفاتی نغموں کی یادگار ہے۔ چھٹی صدی قم میں اگرچہ بعض اور لوگوں کے نام لئے جاتے ہیں، لیکن ڈرامے کی پیش کش میں کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ البتہ اس دوران میں یہ ضرور ہوا کہ نسوانی کردار بھی اس میں شامل کر دیئے گئے۔

پانچویں صدی قم میں وہ لوگ نمودار ہوئے جن سے ڈرامے کی حقیقی روایت کی بنیاد پڑی اور جنھوں نے مذہبی تقریبات کی روایت گوئی کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ جس کا تعلق ان تقریبات سے یہ تو ضرور رہا کہ یہ ڈرامے انھیں مواقع پر پیش کئے جاتے، ان کی فنی اور ادبی قدر و قیمت متعین کی جاتی اور مصنف کو جو خود بھی ایک ایکٹر ہوتا تھا، انعام و اکرام سے نوازا جاتا، لیکن یہ پرستش و عبادت کا حصہ نہ رہ گئے تھے۔ البتہ ان ڈراموں میں استعمال کئے جانے والے تمام تر قصے اساطیری روایتوں سے ہی ماخوذ ہوتے رہے اور کسی نہ کسی مذہبی عقیدے کی نمائندگی کرتے رہے۔ اسی لئے ان ڈراموں میں بیشتر قصوں کی تکرار نظر آتی ہے۔ ایک ہی قصہ پر مختلف شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔ یوں ڈرامے کا فن مذہبی بنیادوں پر ہی استوار ہوتا رہا۔

ایسکلس وہ پہلا ڈراما نگار ہے جس نے فنی حیثیت سے ڈرامے کو عروج پر پہنچا دیا۔ اس نے مزید دوسرے ایکٹر کا اضافہ کیا۔ سوفوکلیز نے تیسرے کا۔

ڈایونسس کے میلہ کی یہ تقریبات چار دن چلتی تھیں۔ جو شاعر اس میں اپنی تخلیقات پیش کرنا چاہتے تھے ان کو پہلے سے اعلان کرنا ہوتا تھا۔ امیدواروں میں سے تین کا انتخاب ہوتا تھا اور انھیں کا ایک دوسرے سے مقابلہ ہوتا تھا۔ حکومت کی طرف سے ڈرامے کے تمام تر اخراجات کی ذمہ داری کسی امیر کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ مقابلہ کے تین دنوں میں ایک ایک دن ہر شاعر کے لئے مقرر ہوتا۔ ہر شاعر کا ڈراما چار اجزا پر مشتمل ہوتا۔ تین حصے المیہ کے اور آخر میں ایک حصہ طربیہ کا جو محض تفنن طبع کے لئے ہوتا تھا کہ المیہ کے سنجیدہ موضوعات سے تھکے ہوئے بوجھل اور غم زدہ ذہن کو سستانے کا موقع مل جائے۔ ججوں کی ایک طویل فہرست ہوتی تھی۔ پہلے ان میں سے دس منتخب کئے جاتے تھے اور پھر ان میں سے پانچ کی رائے پر انعام کا فیصلہ ہوتا تھا۔

چھٹی صدی قم سے چوتھی صدی قم تک کا دور یونانی ڈرامے کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں چار شاعروں کا طوطی بولتا نظر آتا ہے :

ایسکلس	۵۲۵ - ۴۵۶ ق م
سوفوکلیز	۴۹۶ - ۴۰۶ ق م
یوریپڈیز	۴۸۰ - ۴۰۶ ق م
ایرسٹوفینز	۴۴۸ - ۳۸۰ ق م

ان میں سے اول الذکر تین اپنی المیہ نگاری کے لئے مشہور ہیں اور چوتھے نے طربیہ نگاری میں نام پیدا کیا۔ ہجو و طنز اس کے طربیوں کے خاص موضوع رہے ہیں۔

ارسطو (۳۸۴ - ۳۲۲ ق م) نے شاعری کا جائزہ لیا تو اس میں المیہ (ٹریجڈی) کو بڑی اہمیت دی کہ اس کے نزدیک یہ نہ صرف شاعری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا تھا بلکہ اصلاح نفس کا وسیلہ بھی تھا۔ ارسطو سے قبل ہی یونانی ڈراما اپنے عروج کو پہنچ کر ٹھیراؤ کی منزل میں آگیا تھا۔ اس کی خوبیاں اور خامیاں، اس کی توانائیاں اور کمزوریاں سب سامنے آچکی تھیں۔ اپنے جائزہ میں جہاں ارسطو نے اپنے تخیل و تفکر سے کام لیا وہیں اس کے سامنے یونانی فن کاروں کے کارنامے بھی تھے۔ انھیں کو پیش نظر رکھ کر اس نے شاعری، ڈراما اور بالخصوص المیہ پر تنقید و تنقیح قائم کی اور ان کے لئے معیار و میزان مقرر کئے۔ بوطیقا میں ارسطو نے المیہ کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے :

"ٹریجڈی نقل ہے کسی ایسے عمل کی جو اہم اور مکمل ہو اور ایک مناسب عظمت (طوالت) رکھتا ہو؛ جو مزین زبان میں لکھی گئی ہو جس سے حظ حاصل ہوتا ہو۔ لیکن مختلف حصوں میں مختلف ذریعوں سے جو دردمندی اور دہشت کے ذریعہ اثر کر کے ایسے ہیجانات کی صحت اور اصلاح کرے۔"[1]

گویا عمل یا قصہ کی سنجیدگی، تکمیل اور طوالت، زبان کا شستہ و مرصع ہونا اور اس لئے خوشگوار اثر کا حامل ہونا، قصہ نقل اور زبان تینوں کے مجموعی اثر سے انسانی جذبات و تصورات کی صحت و اصلاح ہونا ایسے معیار تھے جو ارسطو کے زمانے تک یونانی ڈراما حاصل کر چکا تھا اور یہی اس کی بنیادی خصوصیات قرار پاچکی تھیں۔ ان خصوصیات میں قصے سے بھی زیادہ اہمیت زبان اور اظہار بیان کو حاصل تھی کہ قصے بالعموم وہی روایتی اور اساطیری تھے جن سے بالعموم لوگ پہلے ہی واقف ہوتے تھے۔ شاعر (ڈراما نگار) ان میں جزوی ترمیم ضرور کر لیتا تھا تاکہ اس کی اثر پذیری کو اور زیادہ مستحکم کر سکے۔

قصوں کے انتخاب کا انحصار بڑی حد تک شاعر کے نظریات و عقائد پر تھا۔ بندہ اور خدا،

---

[1] بوطیقا (فن شاعری) ترجمہ عزیز احمد ص ۴۵

انسان اور فطرت کا تعلق ہمیشہ انسان کے زیر غور رہا ہے۔ فطرت کی عظیم اور مہیب قوتوں سے سہم کر انسان نے طرح طرح کے معبود تراشے ہیں۔ اس نے اکثر و بیشتر فطرت کے ان مظاہر میں سے ہر ایک کو ایک ایک دیوتا تصور کیا اور پھر اپنے مشاہدہ اور احساس کے مطابق اس سے انسان کا تعلق قائم کیا۔ یونانی ڈرامے میں مجموعی طور پر یہ تعلق کچھ اس طرح نظر آتا ہے۔ دیوتاؤں کو بے پناہ قوت حاصل اور زمین پر ان کی حکمرانی قائم ہے۔ انسان ان کے مقابلے میں بے بس اور بے حقیقت ہے۔ وہ جب تک غیر مشروط طور پر دیوتاؤں کی فرمانبرداری کرتا، ان پر نذر و نیاز چڑھاتا اور ان کا حق ادا کرتا رہتا ہے، دیوتا اس سے خوش رہتے ہیں لیکن جب کبھی دیوتاؤں کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، انسان اپنا اختیار استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے، نافرمانی اور بدکرداری بڑھتی ہے تو دیوتاؤں کا غضب جوش میں آجاتا ہے اور نافرمانوں کو عبرت ناک سزا ملتی ہے۔ ان سزاؤں اور ان سے پیدا ہونے والی تباہی کا وسیلہ خود انسان ہی بنتا ہے۔ اس تصادم میں کام آنے والے، قسمت کا شکار ہونے والے اور دیوتاؤں کے عتاب کا نشانہ بننے والے کوئی عام آدمی نہیں ہوتے تھے۔ عام آدمی کی یوں بھی کہیں نمائندگی نہیں ہوتی تھی ـــــ بلکہ معاشرے کے اہم ترین افراد ـــــ بادشاہ، امراء وغیرہ ہی انسانوں کی نمائندگی کرتے تھے اور وہی اس تصادم میں فریق بنتے تھے۔ اپنی تباہی کی ذمہ داری میں یہ خود بھی شریک ہوتے تھے، یعنی بقول ارسطو، ان کے کردار میں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی نقص یا خامی ہوتی تھی یا کہیں فیصلہ کی ایسی غلطی ہوتی تھی جس کا تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔ اور یوں یہ عظیم شخصیت اپنی تمام تر سطوت و جبروت کے باوجود تقدیر کی جبریت کا شکار ہو جاتی تھی۔ اس المناک انجام سے دیکھنے والوں پر وہ کیفیت پیدا ہوتی تھی جسے ارسطو نے اصلاح نفس یا تطہیر (CATHARSIS) سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اس مجموعی صورت حال کے ذیل میں شاعروں کے یہاں کچھ نہ کچھ انفرادیت بھی نظر آتی ہے مثلاً ایسکلس نے اس نظریہ کا اظہار کیا کہ تمام حالات دیوتاؤں کی مرضی کے تابع ہیں۔ سوفوکلیز نے دیوتاؤں کی قدرت کے ساتھ ساتھ انسان کے اختیار کو بھی شامل کیا۔ یہ قدرت و اختیار دیوتاؤں سے کم تر درجہ کا تھا۔ کبھی ان اختیارات میں ہم آہنگی ہوتی تھی اور کبھی یہ ایک دوسرے سے ٹکرا بھی جاتے تھے۔ اسی سے المیہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی تھی جس کو بالآخر سلجھا لیا جاتا تھا۔ یوریپڈیز کے یہاں یہ پیچیدگی اور زیادہ ہو گئی یعنی اختیارات کا ٹکراؤ اور زیادہ ہو گیا۔ گویا عقیدۂ محض سے عقل پرستی کی طرف ایک سفر تھا جو برابر جاری رہا۔

ایک اور چیز جس کا یونانی ڈرامے میں خاص طور پر خیال رکھا گیا وحدت ثلاثہ تھی یعنی وحدت

زماں، وحدت مکاں اور وحدت عمل۔ ان وحدتوں کا بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ ڈراما پھیل کر قابو سے باہر نہ ہو جائے یا اس کے واقعات خارج از امکان نہ معلوم ہونے لگیں۔ المیہ کے لئے وقت زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے اور کم از کم وہ حقیقی وقت جو واقعہ کے گذرنے میں لگ سکتا تھا مناسب تصور کیا گیا۔ عمل کو ایسے مقامات تک پھیلانے سے احتراز کیا گیا جن کی مسافت اس وقت میں طے نہ کی جاسکتی ہو۔ اور صرف ایسے واقعات کو لیا گیا جو موثر طور پر عمل کو آگے بڑھائیں۔ پہلی دو وحدتوں کو قائم رکھنے کے لئے طائفاتی نغموں اور قاصد سے کام لیا گیا۔ قاصد کسی دور دراز مقام پر ہونے والے واقعہ کی خبر دیتا ہے اور کبھی قاصد اور کبھی طائفہ ماضی کے واقعات کا بیان کرتا ہے۔ اس طرح زمان و مکان کی وسعتیں ایک خاص حد کے اندر سمٹ آتی ہیں۔

چوتھی صدی میں المیہ سے ہٹ کر طربیہ کی طرف توجہ ہوئی تو موضوعات میں بھی تبدیلی ہوئی۔ ایرسٹوفینز نے ہمعصر معاشرے کی خرابیوں کو طنز و تمسخر کا ہدف بنایا اور اس طرح روایتی اور اساطیری قصوں کے بجائے معاشرتی مسائل اس کے ڈراموں کا موضوع بنے۔ موضوعات میں وسعت، تنوع اور رنگارنگی پیدا ہوئی لیکن اس وسعت نے ہی ڈرامے پر مہر اختتام ثبت کر دی۔

یونانی ڈرامے کے عروج و زوال کا دور کم و بیش دو سو سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں تقریباً چار سو ڈرامے لکھے گئے۔ جن میں سے اب سینتالیس باقی ہیں۔ ان میں المیوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قصے کا نیا پن مفقود ہے۔ ہر ڈراما نگار نے اساطیر کو استعمال کیا ہے اور مختلف مصنفوں نے انھیں قصوں کو دہرایا ہے۔ نیا پن کہاں ہے؟ دلکشی کی وجہ کیا ہے؟ ان کی عظمت کی بنیاد کیا ہے؟ ان سوالوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ڈراموں کا نیا پن ان کے انداز بیان میں ہے۔ قاری یا سامع کو قصہ پہلے سے معلوم ہے۔ وہ واقعات سے زیادہ ان کی پیش کش پر متوجہ رہتا ہے اور اس طرح ایک ایک مصرع اور ایک ایک لفظ اس کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ یونانی ڈراما نگار نے صرف واقعات کے بیان اور اس بیان کے مرصع انداز پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو فلسفیانہ رنگ بھی دیا۔ ان واقعات کو واقعات کے بجائے مسائل کے روپ میں پیش کیا۔ ان مسائل کا حل بھی تلاش کرنے کی کوشش کی اور ان کی فلسفیانہ توجیہات بھی کیں۔ ان سے نتائج اخذ کئے۔ ان واقعات، توجیہات اور نتائج کو ایسی عمومیت بخشی کہ ان میں ابدی اور سرمدی کیفیات پیدا ہو گئیں اور زمان و مکان کی حد بندیاں ان کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ یہ فلسفیانہ بنیاد ہی یونانی المیہ کی وہ اساس ہے جس پر اس کی اثر انگیزی، عظمت اور ابدیت کا دار و مدار ہے۔

ایسکلس

ایسکلس کی پیدائش تقریباً ۵۲۵ ق م میں لیوسس میں ہوئی۔ عالم شباب میں اس نے ایک سپاہی کی حیثیت سے جنگوں میں حصہ لیا اور شجاعانہ کارنامے انجام دیتے۔ وہ مختلف درباروں سے بھی وابستہ رہا اور بالآخر ۴۵۶ ق م میں سسلی میں انتقال کیا۔

ایسکلس کو بجا طور پر یونانی ڈرامے کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے ڈراما محض ایک مذہبی تقریب تھا، جس کی کوئی فنی حیثیت نہیں تھی۔ ایسکلس نے اسے المیہ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا۔ اس نے کم و بیش ۹۰ ڈرامے لکھے جس میں سے اس وقت صرف سات موجود ہیں: فریادی، پارسی (۴۷۲ ق م)، تھیبس کے سات دشمن (۴۶۷ ق م)، تن بجولاں (جو اس انتخاب میں شامل ہے) اور اوریستیا سہ تمثیلیہ (۴۵۸ ق م) یہ سبھی اس کی پختہ عمری کی کاوشیں ہیں۔ آخر الذکر دو کارناموں نے یونانی ڈرامے کو اس کے عروج تک پہنچایا اور خود ایسکلس کی شہرت میں بھی چار چاند لگا دیئے۔ اس طرح کی روایتیں مشہور ہیں کہ وہ نشہ ئے میں سرشار ہو کر ڈرامے لکھتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ڈایونسس اس کی ذات میں حلول کر جاتا تھا، گویا کوئی فوق بشری قوت اس سے یہ کارنامے انجام دلاتی تھی۔ ڈایونیسیا کی سالانہ تقریبات میں ڈرامائی مقابلوں کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ ۲۳ مقابلوں میں اس نے حصہ لیا اور ۱۳ مرتبہ اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

یونانی المیہ میں بیشتر اساطیری قصوں کو ہی پیش کیا گیا۔ گناہ اور سزا کا چکر اس کا خاص موضوع رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی دیوتا انسانوں کے اعمال پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ اور کسی ایک شخص کا گناہ صرف اس کی ذات کو ہی سزا کا مستحق نہیں گردانتا، بلکہ آنے والی نسلیں بھی اس کی عقوبت سے نہیں بچ سکتیں۔ عقوبت کی شدت دوسری لغزش کا سبب بن جاتی ہے اور یوں جرم و سزا کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ اشخاص اپنے اجداد کی غلطیوں یا اپنی

نادانستہ لغزشوں کا خمیازہ بھگتتے رہیں۔ ایسکلس اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔ انصاف کا تقاضا بھی یہ نہیں۔ وہ اس بات کو بھی نہیں مانتا کہ انسان کی خوشحالی اور پرمسرت زندگی دیوتاؤں کے حسد وغضب کا سبب بن سکتی ہے اور انسان صرف اسی بنا پر معتوب قرار دیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی وہ خود کو روایت سے آزاد نہ کر سکا۔ انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھ سکا۔ زیر نظر ڈرامے میں تصورات کی یہی کشمکش جلوہ گر ہے۔

پرومیتھیس جس کا تعلق دیوتاؤں کے سلسلے سے ہے، انسان کا ہمدرد ہے۔ ابتدا میں وہ زیوس کی ملکوتی شہنشاہیت کے قیام میں اس کی مدد کرتا ہے لیکن پھر زیوس کے زعم انسانوں پر اس کے ظلم اور بے رحمی کی وجہ سے اس سے بغاوت کر دیتا ہے۔ وہ قربانی کے گوشت سے انسان کو بہتر حصہ دلانا چاہتا تھا اور پھر زیوس کے علی الرغم انسان کو آگ اور دیگر فنون عطا کرتا ہے کہ انسانیت کو ارتقار کی بنیادیں فراہم ہو جائیں اور وہ دیوتاؤں کی جبریت سے آزاد ہو جائے۔ زیوس نے انتقاماً دو کام کئے: (۱) عورت کی تخلیق کی، اس کو جملہ رعنائیوں سے آراستہ کیا اور اسے پرومے تھیس کے بھائی اے پی مے تھیس کو عطا کر دیا جس نے اسے قبول کر لیا۔ اپنے حسن وجمال کے ساتھ ہی یہ عورت اپنے ساتھ ایک مرتبان بھی لائی تھی جس میں تمام انسانی آلام ومصائب بند تھے۔ اپنی خود پسندی اور بیوقوفی میں اس مرتبان کا ڈھکن کھول ڈالا اور تمام مصائب ابدالآباد تک کے لئے دنیا میں منتشر ہو گئے۔ ساتھ ہی امید بھی پھیل گئی جو تمام آلام کے باوجود انسان کی ڈھارس بندھاتی رہتی ہے۔ انسان کو سنہرے خواب دکھاتی رہتی ہے، اس کو حوصلہ عطا کر کے کڑی آزمائشوں میں بھی مضمحل نہیں ہونے دیتی۔[۱] (۲) پرومے تھیس کو کوہ کاکیشیا کی ایک چٹان سے جکڑ بند کرا دیا جہاں ہر روز ایک مر بھکا عقاب اس کا جگر نوچ نوچ کر کھاتا تھا۔ ہر رات یہ جگر پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا تھا اور یوں ایک عذاب مسلسل اس پر مسلط تھا۔ یہی واقعہ اس ڈرامے کا موضوع ہے۔ زیوس کے ظلم کی ایک اور شکار آیو بھی اس ڈرامے میں نظر آتی ہے۔ پرومے تھیس کو آیو کا مستقبل معلوم ہے کہ اس کے بطن سے جو اولاد ہو گی اسی کی نسل کا ایک سورما اس کو نجات دلائے گا۔ روایات بتاتی ہیں کہ پرومے تھیس نے تیس ہزار سال تک اس عذاب میں مبتلا رہ کر نجات پائی۔

زیوس اگرچہ حکمراں دیوتا ہے، لیکن نہ وہ قادر مطلق ہے نہ عقل کل۔ اس کو خود اپنے زوال کا راز معلوم نہیں۔ پرومے تھیس کو معلوم ہے یعنی ایسکلس کے تصور میں خود دیوتا بھی اصلاح

---

[۱] دیکھئے عبدالعزیز خالد کا منظوم ڈراما "حریر رگ گل" جس میں اسی موضوع کو پیش کیا گیا ہے۔ مشمولہ: دکان شیشہ گر۔

اور تکمیل کے محتاج ہیں۔

اس ڈرامے کا صحیح زمانہ معلوم نہیں۔ اس سہ تمثیلہ کے باقی اجزا ابھی معدوم ہیں۔ لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مصنف کی بالکل آخری عمر کا کارنامہ ہے اور یہاں اس کا فن اپنے عروج پر دیکھا جا سکتا ہے۔

تن بجولاں

کردار

پرومے تھیس
قوت
طاقت
رود بار
ہیفاسطس (فرشتہ نار)
جل پریوں کا طائفہ
آیو (شاہ آرگس کی بیٹی)
ہرمیس (قاصد ربانی)

منظر: سیتھیا کا ایک کوہستانی ویران ساحلی علاقہ۔

[قوت اور طاقت پرومے تھیس کو لئے آتی دکھائی دیتی ہیں۔ پیچھے پیچھے زنجیریں لئے ہوئے ہیفاسطس آرہا ہے۔]

طاقت: بالآخر ہم سرزمین سیتھیا یعنی سرحد ارضی پر پہنچ ہی گئے۔ یہ جگہ ابھی تک انسانی قدموں سے آلودہ نہیں ہوئی۔ ہیفاسطس! اب جوپیٹر کے احکامات تمھاری توجہ چاہتے ہیں کہ اس ملحد بے دین سرکش کو ان چٹانوں کے ساتھ جکڑ بند کر دیا جائے اور ایسی مضبوط اور پائدار زنجیروں سے باندھا جائے کہ یہ ہل بھی نہ سکے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے تیرے ہنر کے راز یعنی دہکتی ہوئی آگ کو چرا کر فانی انسان کو بخش دیا۔ اب وہ اپنی معصیت کے ادبار میں گرفتار ہے۔ اب وہ اپنے غرور کا مزا چکھے گا۔ شاید وہ دیوتاؤں کی عزت کرنا سیکھ لے اور انسانوں کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے باز آجائے۔

ہیفاسطس: آہ اے قوت! اور آہ اے طاقت! تم نے تو اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس کو بخوبی بجالائیں۔ لیکن میرا دل اس تصور سے لرزاں ہے کہ اپنے ہی قبیلہ کے ایک دیوتا کو زنجیروں کے ساتھ ان زمہریری چٹانوں سے باندھ دوں جن پر ہمیشہ طوفانوں کی یلغار رہتی ہے۔ لیکن سرتابی کی مجال بھی نہیں ہے۔ جوپیٹر کی حکم عدولی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے غضب سے روح کانپتی ہے۔ عقل کل تھیمس کے بیٹے! میں بھی تیری ہی طرح مجبور ہوں کہ اپنی مرضی کے خلاف تجھے اس ویرانے میں ناقابل شکست آہنی زنجیروں سے جکڑوں، جہاں نہ انسان کا گذر ہے نہ اس کی آواز ہی تجھ تک پہنچ سکتی ہے کہ تیرا غم غلط کر سکے۔ یہاں سورج کی شعلہ بار کرنیں تیرے رنگ وروپ کو جھلس کر رکھ دیں گی۔ جب تاریک رات اپنی تاروں بھری چادر تان دے گی تو ایک لمحۂ مختصر کے لئے تجھے سکون حاصل ہو سکے گا لیکن جلد ہی آفتاب صبح گاہی آسمان کے ستاروں اور شبنم کے موتیوں کو نگل جائے گا اور اپنی آتشیں

شعاعوں سے کچو کے لگانے شروع کر دے گا۔ شب و روز کا یہ چکر باری باری سے آواز دہی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا اور کوئی تجھے اس لازوال عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا۔ نوع انسانی سے تیری محبت کا یہ انعام ہے۔ ان کی سرفرازی کے لئے تو حدود سے تجاوز کر گیا۔ تو نے دیوتا ہوتے ہوئے بھی انسانوں کی خاطر ممنوعہ کاموں کو انجام دیا اور دیوتاؤں کو ناراض کر کے ان کے غیظ و غضب کو بھڑکا دیا۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ تجھے اس سنسان چٹان سے جکڑ دیا جائے کہ تیری آنکھیں نیند سے ہمکنار نہ ہو سکیں اور تیرے گھٹنے سیدھے کھڑے کھڑے شل ہو کر رہ جائیں۔ اب تیری آہ و زاری کا بھی کوئی نتیجہ نہیں ہوگا۔ تیرے نالہ و فریاد کا کوئی اثر جوپیٹر کے دل پر نہیں ہوگا۔

طاقت : اب یہ سخن سازی اور ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ یہ آنسو کیوں بہائے جا رہے ہیں؟ کیا یہ ذات جس سے سارے دیوتا متنفر ہیں قابل نفرت نہیں ہے؟ اس نے دیوتاؤں کے ساتھ دغا کی اور آتش مقدس کا شعلہ انسانوں کے حوالے کر دیا۔

ہیفاسطس : لیکن وہ میرا دوست ہے۔ میرا قرابت دار ہے۔ اس سے مجھے گہرا تعلق خاطر ہے۔

طاقت : یہ درست ہے! لیکن کیا اس قادر مطلق کے الفاظ تمھارے گوش گذار نہیں ہوئے؟ اور کیا ان کا تمھیں کوئی خوف نہیں ہے؟

ہیفاسطس : تم بڑی ہی سنگ دل ہو۔ شقاوت و بے رحمی کے علاوہ کوئی جذبہ تمھارے دل میں جاگزیں ہی نہیں ہوتا۔

طاقت : اس شخص کے لئے آنسو بہانا بے کار ہیں اور غمگساری بے سود!

ہیفاسطس : میرے ہاتھوں کے اس ہنر پر بھی لعنت!

طاقت : اس پر لعنت کیوں بھیجتے ہو؟ تمھارے ہنر کا اس میں کیا قصور؟ وہ اس حالت کو تمھارے ہنر کی وجہ سے تو نہیں پہنچا۔ اس نے تو خود یہ ادبار اپنے اوپر مسلط کیا ہے۔

ہیفاسطس : لیکن کاش میرا یہ علم کسی اور کے پاس ہوتا اور اس کام کے لئے کوئی اور ہاتھ استعمال ہوئے ہوتے۔

طاقت : ممکن تو ہر ایک بات ہے سوائے اس کے کہ دیوتاؤں پر حکم چلایا جائے اور جوپیٹر کے علاوہ مختار و آزاد کوئی بھی نہیں ہے۔

ہیفاسطس: یہ تو میں بھی خوب جانتا ہوں اور اس کا میرے پاس کوئی جواب بھی نہیں۔ زبان کو یارا ئے گویائی نہیں۔

طاقت: پھر تامل کیا ہے؟ اپنا کام شروع کرو۔ مجرم کو زنجیروں سے جکڑ دو۔ ایسا نہ ہو تمھاری یہ پس و پیش جو پیٹر پر آشکار ہو جائے اور تم بھی مطعون ہو اور اس کے غضب کا نشانہ بنو۔

ہیفاسطس: آہنی زنجیریں تیار ہیں۔

طاقت: ہاں تو لاؤ! اپنی پوری قوت کے ساتھ ہتھوڑا چلاؤ اور اسے چٹان کے ساتھ پیوست کر دو۔

ہیفاسطس: میں اپنا کام کرتا ہوں۔ اس میں ذرا بھی کاہلی نہیں ہوگی۔

طاقت: ہاں ذرا اور زور سے! ذرا اور کس کر! کوئی بھی کڑی ڈھیلی نہ رہ جائے۔ دھیان سے ہر طرف سے اچھی طرح باندھ دو۔ یہ بہت ہی چالاک ہے۔ کہیں ذرا سی بھی کسر رہ گئی تو نکل بھاگے گا۔

ہیفاسطس: یہ بازو تو خوب جکڑ دیا گیا کہ ہل بھی نہیں سکتا۔

طاقت: اب دوسرا بھی جکڑ دو۔ اس عیار کو معلوم ہو جائے کہ عقل مطلق کے سامنے اس کی چالاکی کیسی حقیر ہے۔

ہیفاسطس: میری کاوش کا صحیح اندازہ بندی کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

طاقت: اب یہ سلاخ لو اور اس کے سینے سے پار کر کے چٹان میں ٹھونک دو۔

ہیفاسطس: آہ پرومے تھیس! تیرے لئے دل کڑھتا ہے۔

طاقت: پھر ہچر مچر شروع کر دی۔ جو پیٹر کے دشمن کے لئے پھر آنسو بہانے لگے۔ خبردار! کہیں تمھیں خود اپنے ہی اوپر نہ رونا پڑے!

ہیفاسطس: تم دیکھتی ہو کہ یہ ایسا منظر ہے جس کی تاب آنکھیں نہیں لا سکتیں۔

طاقت: میں تو صرف یہ دیکھ رہی ہوں کہ وہ اپنی بوئی ہوئی کھیتی کاٹ رہا ہے۔ اس بدنصیب کو اس کے کئے کی سزا مل رہی ہے۔ چلو اب اس زنجیر سے اس کے دھڑ کو جکڑ ڈالو۔

ہیفاسطس: یہ تو میں کر ہی رہا ہوں۔ اب تمھارے چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

طاقت: چیخنا! چیخنا کیسا! میں تو چلا چلا کر تمھارے کان بہرے کر دوں گی۔ اب کام کرو۔

اس کی ٹانگیں اور تختے ان آہنی کڑوں سے باندھ دو۔

ہیفاسطس: بس یہ تو ابھی ہوا۔

طاقت: ذرا زور سے چوٹ لگاؤ اور یہ میخیں اس کے پیروں میں گاڑ دو۔ ہم جس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں اس کا فیصلہ بہت سخت ہے۔

ہیفاسطس: لیکن خود تمھاری زبان بھی کتنی درشت ہے! اور تمھاری فطرت کی طرح سخت۔

طاقت: تم نازک اور کمزور دل ہو گے لیکن مجھے اس سختی اور سنگ دلی کا الزام نہیں دے سکتے کہ میرے کام کا عین تقاضا یہی ہے۔

ہیفاسطس: چلو اب چلیں! یہ تو سرتا پا جکڑا گیا۔

طاقت: (پروے تھیس سے) اب تم یہاں رہو اور اپنے فخر و غرور کو اس بے آب و گیاہ چٹان پر تخت نشین کرو اور گنج خدایگان سے چوری کر کے فانی انسان کو بخش دینے کا مزا چکھو۔ اب دیکھیں کون انسان تمھیں اس عذاب سے نجات دلاتا ہے۔ یہ فانی انسان تمھیں 'پروے تھیس' یعنی عاقبت بیں کہہ کہہ کر پکارتے تھے۔ جھوٹ! بالکل غلط! اگر تمھاری روح میں تمھارے نام کی صفت موجود ہوتی تو تم نے واقعی عاقبت اندیشی سے کام لیا ہوتا اور ان کے اس فریب کے جال میں نہ پھنسے ہوتے۔

[سب چلے جاتے ہیں]

پروے تھیس: اے نیلگوں شفاف آسمان! اے تند و تیز ہواؤ! اے دریاؤ اور رودبارو! اور سمندروں کی طوفانی لہرو! اے زمین! اے مادر گیتی! اور اے روشن و تابناک آفتاب! میں تم سب کی دہائی دیتا ہوں۔ ذرا اس ظلم کو دیکھو، میں کہ خود دیوتا ہوں، کس طرح دیوتاؤں کے ہاتھوں سے ہی مصیبت میں مبتلا ہو رہا ہوں۔

ذرا دیکھو تو سہی، میں ابدالآباد کے لئے کیسی خوف ناک تکلیف میں پھنسا دیا گیا ہوں اور دیوتاؤں کے اس نئے امام نے میرے لیے کیسی زنجیریں بنوائی ہیں۔ اور کس بری طرح مجھے ان زنجیروں سے جکڑوا دیا ہے۔ اف یہ تکلیف! آج بھی اور کل بھی! مصائب کی یہ تاریک شب کب ختم ہوگی؟ اور نجات کی صبح کب طلوع ہوگی؟

لیکن یہ آہ و زاری بھی کیا۔ مجھے معلوم ہے کہ مستقبل کے پردے میں ابھی اور کیا کچھ مستور ہے۔ ایسا کوئی عذاب میری جان پر مسلط نہیں ہو سکتا جو میرے علم میں نہیں

ہے۔ نوشتہ تقدیر کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینا چاہئے کیوں کہ تقدیر کے جبر کے ساتھ کوئی نہیں لڑ سکتا۔ اف یہ قسمت! میں اس کے بارے میں حرف زنی بھی نہیں کر سکتا۔ مگر خاموش بھی نہیں رہ سکتا۔ ہواؤں کے ساتھ لب کشائی کرنا مشکل ہے، مگر لب بستہ رہنا دشوار تر۔ کرب و بلا کی یہ یورش اسی قصور پر ہے ناکہ میں نے فانی انسان کو قوت کے سرچشمے سے روشناس کر دیا۔ میں نے سرچشمۂ آتش کو ڈھونڈ نکالا اور ایک مشعل روشن کر اسے سوئے کے ڈنٹھل میں چھپا لیا اور حضرت انسان کے حوالے کر دی۔ اسی سے اس کے فن کے سوتے پھوٹے اور اسی سے زندگی کی آسائشیں اسے حاصل ہوئیں۔ اسی جرم کی پاداش میں مجھے یہاں اس پہاڑ کے ساتھ ننگے بدن جکڑ دیا گیا کہ طوفانوں کے تھپیڑے کھاتا رہوں۔

ہائے! ہائے!

مگر یہ کیسی آواز ہے؟ کون آرہا ہے؟ ہوا میں یہ کیسی مہک ہے؟ فرستادہ آسمانی ہے یا فرستادہ انسانی؟ یا دونوں کی طرف سے؟ یا کوئی مسافر ادھر راستہ بھٹک کر آگیا ہے کرۂ ارضی کے اس سنسان علاقے اور میری اس بدحالی کا نظارہ کرے۔ اس دیوتا کو زنجیر بستہ دیکھے جس سے سورج دیوتا ناراض ہے اور اسی لئے اسے آسمانی دیوتا نفرت و حقارت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ وہ بنی آدم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ یہ آواز تو میرے قریب ہی سنائی دے رہی ہے۔ پرندوں کے پھڑپھڑانے کی سی آواز ـــــ جن کے پروں سے آسمانوں کا سکوت ٹوٹ رہا ہے۔ یہ آوازیں جیسے جیسے قریب آرہی ہیں میری وحشت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

[ہوائی رتھ پر جل پریوں کا طائفہ نمودار ہوتا ہے]

طائفہ: ڈرو مت! اب تمہارے قریب تمہارے دوست ہیں! اگرچہ ہمارے والد کی بالکل رضا نہیں تھی، لیکن بادِ صبا کے جھونکوں پر سوار ہو کر ہم ان بلندیوں تک پہنچ گئی ہیں۔ سمندر کی عمیق گہرائیوں کے غاروں میں آرام کرتے ہوئے ہم نے ہتھوڑوں اور آہن کی آوازیں سنیں اور اپنی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اس رتھ میں سوار ہو ہم یہاں آگئیں۔

پرومے تھیس : آہ ! اے تھیس کی بیٹیو ! اور اے دختران بحر ! ذرا میری حالت کو دیکھو ! کیسی مضبوط زنجیروں سے مجھے یہاں چٹانوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے کہ مستقل آزار میں مبتلا ہوں۔

سردار طائفہ : میں سب دیکھ رہی ہوں، پرومے تھیس ! میری آنکھیں اشک بار ہیں۔ چٹان میں میخ زدہ تمھارے ان بازوؤں کو بھی میں دیکھ رہی ہوں۔ اب آسمانوں کا کاروبار نئے دیوتاؤں کے ہاتھوں میں ہے اور جوپیٹر نے بڑے نامنصفانہ قانون بنائے ہیں۔ قدیم منصفانہ قوانین کو خاک میں ملا دیا ہے۔

پرومے تھیس : اگر اس کے ہاتھوں نے مجھے زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا ہوتا جہاں موت کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں اور وہاں زنجیروں سے جکڑ کر ڈال دیا ہوتا تو کم از کم دیوتاؤں اور انسانوں کو مجھے دیکھ کر ہنسنے کا موقعہ تو نہ ملتا۔ نہ اس طرح ہوا کے تھپیڑوں میں معلق رہ کر میں اپنے دشمنوں کی دل لگی اور تمسخر کا ہدف بنتا۔

طائفہ : تمسخر ! ایسے شقی القلب دیوتا کون سے ہیں جو تیری اس مصیبت پر قہقہہ زنی کرتے ہیں ؟ یہ جوپیٹر ہی ہو سکتا ہے جو اپنے جذبۂ قرابت کو بھی کچل دے اور اپنے آنسوؤں پر بھی قابو پالے۔ وہی اپنے سینہ میں غیظ و غضب کو پروان چڑھاتا رہتا ہے۔ تمام ساکنان سماوی اس سے خوفزدہ ہیں۔ اس کے ظالمانہ رویہ کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔ اب تو کوئی غیر معمولی ہستی ہی اس سے بغاوت کر کے اس کی اس مطلق العنانی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

پرومے تھیس : اس نے مجھے زنجیروں سے باندھا ہوا ہے اور ہر طرح کی اذیت میرے لئے روا رکھی ہے لیکن میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ایک دن ضرور آنے والا ہے جب قوت و جبروت کے مالک اس آسمانوں کے بادشاہ کو میری ضرورت ہوگی کہ میں اس کو اس سازش سے آگاہ کروں جو اسے ملکوتی تخت اور عظمت و جلال سے محروم کرنے والی ہے۔ تب مجھے پرچانے کی اس کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ نہ اس کی شیریں زبانی کام آئے گی اور نہ اس کی دھمکیاں — وہ میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں اگلوا سکے گا۔ وہ مجبور ہوگا کہ میری زنجیروں کو کھول دے اور مجھے آزاد کر دے اور اپنی ان ناانصافیوں اور بے رحمیوں کا کفارہ ادا کرے۔

طائفہ : تم واقعی بڑے عزم و حوصلہ کے مالک ہو۔ مصائب کے پہاڑ بھی تمھاری

حوصلہ مندیوں کو ختم نہیں کر سکتے۔ تم بڑی بے باکانہ گفتگو کر سکتے ہو۔ لیکن آہ! میرا دل خطرات کے خوف سے لرزاں ہے۔ اندیشہ ہائے دور دراز میرے دل کو کچوکے لگا رہے ہیں۔ دور دور تک مجھے تو تمھارے مصائب کا انجام نظر آتا ہے۔ جوپیٹر کے دل کا بدلنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ آہ وزاری کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، الحاح و فریاد اس کے کانوں تک پہنچتی ہی نہیں۔

پرومے تھیس: میں اس سے خوب واقف ہوں۔ اس کی صلابت مزاج کا بھی مجھے خوب اندازہ ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنے لئے وہ خود ہی قانون گھڑتا ہے۔ لیکن جلد ہی جب وہ حالات کی گرفت میں آئے گا تو بچوں کی طرح بلبلائے گا۔ خطرات کا دباؤ اس کے ارادوں کو پاش پاش کر دے گا تب وہ اپنی اس بے قابو غضب ناکی کو قابو میں لے آئے گا اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہوگا۔ ان زنجیروں سے آزاد ہونے کے لئے آج میں جتنا بے چین ہوں، مجھے آزاد کرنے کے لئے وہ اس سے زیادہ بے تاب ہوگا۔

سردار طائفہ: اب ذرا صاف صاف بتاؤ۔ جوپیٹر نے کس جرم کی سزا میں تمھیں ایسی سخت اذیت میں مبتلا کر دیا، بے عزتی اور بے حرمتی تم پر مسلط کر دی۔ اگر کوئی خطرہ کی بات نہ ہو تو ذرا ہمیں بھی بتاؤ۔

پرومے تھیس: گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ گویائی دہن کو تلخ بناتی ہے اور خاموشی پورے وجود میں تلخی گھول دیتی ہے۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

تم سننا ہی چاہتی ہو تو سنو۔ جب دیوتاؤں میں پہلی بار ہلاکت خیز جنگ و جدال شروع ہوئی اور آسمانوں میں قیامت کا تہلکہ مچ گیا تو کچھ اس پر کمر بستہ ہوگئے کہ کرونس کو تخت سے اتار پھینکیں اور جوپیٹر کو تخت نشیں کر دیں اور دوسروں نے اس بات کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی کہ جوپیٹر کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکا جائے اور اس کی ابھرتی ہوئی قوت کو کچل دیا جائے۔ اس وقت مادر گیتی اور پدر فلکی کی اولاد طیطانیوں کو میں نے ہی دانش مندانہ

مشورے دیئے، لیکن وہ سب کے سب بے کار ہو گئے۔ وہ اپنی قوت کے زعم میں عقل و خیر کی بات سننے کو ہی تیار نہیں تھے۔ بزور بازو فوری فتح حاصل کرنے کا سودا ان کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اپنی والدہ تھیمس، دھرتی ماں (بہت سے ناموں والی وہ ایک ہی شخصیت تو ہے) کو متعدد بار مستقبل کے بارے میں بات کرتے سنا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے یہ پیش گوئی سنی تھی کہ ایسی کسی معرکہ آرائی میں تشدد اور زبردستی کامیاب نہیں ہو سکتی، بلکہ فتح صرف تدبیر گری کی ہو گی۔ مغرور و متکبر طیطانیوں کو میں نے آگاہ کیا، لیکن انھوں نے میری بات کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ جب مجھے ادھر ناکامی ہوئی تو میں نے صورت حال کا جائزہ لیا اور یہی بہتر سمجھا کہ اپنی ماں کو ساتھ لوں اور جو پیٹر کا حلیف بن جاؤں۔ میں نے جو پیٹر کی دوستی اختیار کر لی میرے مشوروں کا نتیجہ تھا کہ کرونس کو تخت سے اتار پھینکا گیا۔ اسے اور اس کے مددگاروں اور حامیوں کو تارتاری گھاٹیوں میں دفنا دیا گیا۔ میری انھیں خدمات کا صلہ ہے کہ اس فرمانروائے فلک نے مجھے اس درد و کرب میں پھنسا دیا۔ یہ میرے خلوص کا انعام ہے مطلق العنان حکمرانوں میں ہمیشہ یہی بدنصیبی رہی ہے کہ شک ظالموں کو گھن کی طرح لگ جاتا ہے۔ اپنے دوستوں پر ہی وہ اعتماد نہیں کر سکتے اور سب سے پہلے اپنے شک اور عتاب کا ہدف انھیں کو بناتے ہیں جو ان سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ تم پوچھتی ہو کہ اس وقت کون سا قصور تھا جس کی یہ سزا مجھے دی گئی ہے۔ سنو! اس نے تخت نشین ہوتے ہی تمام دیوتاؤں کو طلب کیا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حال اعزازات اور اختیارات عطا کئے لیکن بدنصیب انسان کو کچھ بھی نہ ملا۔ اس کے حصے میں کچھ بھی نہ آیا۔ بلکہ جو پیٹر نے یہ ارادہ کر لیا کہ اس مخلوق کو روئے زمین سے نیست و نابود کر کے ایک دوسری مخلوق کو وجود میں لائے۔ میرے علاوہ کسی کو بھی اس کے اس ارادے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ میں نے اختلاف کیا۔ میں نے نوع انسانی کو بچا لیا ورنہ اس نے ان کو عالم برزخ میں پہنچا دیا ہوتا۔ یہی میرا جرم تھا اور یہی میرا قصور! اسی کی میں یہ سزا بھگت رہا ہوں جو محسوس کرنے

میں ناقابل برداشت اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت انگیز ہے۔ جس نے نوع انسانی پر رحم کیا اسی پر رحم کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اب میں یہاں ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں کہ جو پیٹر کو بھی اس کے دیکھنے کی تاب نہیں ہوگی۔

سردار طائفہ: اس کا جسم مرمریں ہے لیکن اس کا دل پتھر ہے کہ تمھاری اس تکلیف سے اس پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں اور اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں نکلتا۔ کاش میں نے اس دلخراش منظر کو نہ دیکھا ہوتا کہ اس کو دیکھ کر تو میری روح کانپ گئی ہے۔

پرومے تھیس: یہ منظر دل دوز انھیں کے لئے ہے جو میرے لئے دوستی کا جذبہ رکھتے ہیں۔

سردار طائفہ: کیا تمھارا قصور صرف یہی تھا یا نوع انسانی کے لئے تم نے کچھ اور بھی کیا؟

پرومے تھیس: میں نے اس فانی مخلوق کو عاقبت اندیشی اور پیش بینی سے ہٹا دیا اور یہ بات سکھا دی کہ وہ مستقبل کے تقدیری امور کو بھول جائے۔

سردار طائفہ: واقعی محرومیوں کی پیش خبری ایک بیماری ہے۔ مگر تم نے یہ کیسے کیا؟

پرومے تھیس: میں نے ان کے قلوب کو خوش آیند امیدوں کا مسکن بنا دیا۔

سردار: یہ تو انسان ضعیف کے لئے بڑی نعمت تھی۔

پرومے تھیس: اور یہی نہیں۔ میں نے ان کو آگ بھی لا کر دے دی۔

سردار: کیا! کیا یہ فانی انسان اب آتش تاباں سے بھی واقف ہے؟

پرومے تھیس: ہاں! اور اب اس کے ذریعے وہ بہت سے فنون حاصل کرے گا!

سردار: تو یہ ہے وہ قصور جس کی وجہ سے جو پیٹر تم سے اس قدر برہم ہے۔ کیا اس عقوبت کی کوئی حد بھی متعین کی گئی ہے؟

پرومے تھیس: نہیں! محض اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

سردار: اس کی مرضی کب ہوگی اور ہوگی بھی کیوں؟ اب کیا امید رکھی جا سکتی ہے؟ تم خود ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ جرم خاصا ناگوار لفظ ہے۔ مجھے اس کے سننے یا بولنے سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ مگر خیر اس کو تو چھوڑو۔ اب یہ غور کرو کہ اس آزار سے نجات کیسے مل سکتی ہے؟

پرومے تھیس: آفتوں سے محفوظ ہستی کے لئے مصیبت زدوں کو صلاح و مشورے دینا بہت آسان ہے۔ مجھے اپنا انجام معلوم تھا۔ میں نے غلطی کی اور دیدہ و دانستہ کی۔ انسان

کو محفوظ و مامون کرنے کی خاطر میں نے یہ آزار مول لیا۔ سب کچھ جاننے کے باوجود خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مجھے اس ویران و سنسان چٹان کے ساتھ آسمان و زمین کے درمیان یوں معلق کر دیا جائے گا۔ لیکن مصائب پر رونا دھونا کیا، اس سے ان کا کوئی حل نہیں نکلتا۔ اب تم ذرا نیچے زمین پر اتر جاؤ اور دھیان سے سنو۔ میں بتاتا ہوں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ تم تنگ کر رہی ہو؟ وہم میں نہ پڑو۔ میری بات مانو۔ اس طرح تم میرا غم غلط کر سکو گی۔ آج تو میں ہی مصیبت میں مبتلا ہوں، لیکن کل دوسرے بھی اور تم بھی اس مصیبت کا شکار بن سکتی ہو۔

سردار: زیادہ اصرار اور تقاضے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمھاری خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ اور بادِ صبا کے جھونکوں کے سہارے ابھی نیچے زمین پر جاتے ہیں۔ تم جو کچھ کہنے والے ہو وہاں اس کو غور سے سنیں گے۔ تمھاری حکایتِ غم از اول تا آخر سنیں گے۔

[جل پریاں زمین کی طرف اتر جاتی ہیں۔ چوپایہ پرندے پر سوار رود بار داخل ہوتا ہے۔]

رود بار: پرومے تھیس! تیری تلاش میں بہت دور سے سفر کر کے آرہا ہوں۔ اس صبا رفتار جانور پر سوار ہوں۔ جدھر میں چاہتا ہوں یہ مجھے لے جاتا ہے۔ اس کو نہ چابک کی ضرورت ہے نہ لگام کی۔ عنان خیال ہی اس کا رخ پھیرتی رہتی ہے۔ تیرے مصائب کو سن کر میرا دل تڑپ اٹھا۔ قرابت داری نے میرے دل کو مجبور کر دیا۔ اگرچہ تیرے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہیں ہے، لیکن تجھ سے زیادہ مجھے کوئی بھی عزیز نہیں ہے، نہ کسی کے لئے میرے دل میں تجھ سے زیادہ احترام ہے، یہ کوئی منہ دیکھے کی بات نہیں ہے، نہ کوئی خوشامد۔ میرے عمل سے بھی یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ بتا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ رود بار سے زیادہ سچا کوئی تیرا دوست نہیں ہے۔

پرومے تھیس: آہ بوڑھے رود بار! تم بھی میری اس مصیبت کا نظارہ کرنے آن پہنچے۔ تمھیں یہ جرأت کیسے ہو گئی کہ اپنی لہروں اور اپنے غاروں کو چھوڑ کر چلے آئے؟ تم میری تباہی کا تماشہ کرنے آئے ہو یا میرے دکھوں کو بانٹنے کے لئے؟ ہاں تو دیکھو! خوب دیکھ لو! اپنے دوست کو دیکھ لو جو کبھی جوپیٹر کا بھی دوست تھا اور جس نے

اس کی حکمرانی قائم کرانے میں اس کی بھرپور مدد کی تھی اور جو پھر اسی کے ظلم و ستم کا ہدف بن گیا۔

روود بار: مجھے خوب معلوم ہے اور اسی لئے تمھیں ایک مشورہ دینے آیا ہوں عقل مند کو ایک عقل کی بات بتانے۔ تم خود کو پہچانو۔ اپنے پرانے طور طریقوں کو بدل دو۔ اب آسمانوں میں ایک نئے حکمراں کی فرماں روائی ہے۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ایسی تلخ کلامی سے کام مت لو۔ اگرچہ جوپیٹر ملائے اعلیٰ میں تخت پر متمکن ہے لیکن وہ تمھاری آواز کو سن سکتا ہے اور اس کی برہمی تم پر عذاب نازل کر سکتی ہے جس کے سامنے موجودہ تکلیف بھی بے حقیقت ہو کر رہ جائے گی۔ طیش میں مت آؤ۔ اس آزار سے چھوٹنے کی تدبیر کرو۔ میں کوئی ایسا مشورہ نہیں دے رہا ہوں جسے فرسودہ کہہ کر مسترد کر دیا جائے۔ تم خوب جانتے ہو، پرومے تھیس، کہ بے قابو زبان سے نکلے ہوئے تعلی آمیز جملے خود اپنے لئے تباہی مول لیتے ہیں۔ تم بہت مغرور اور سرکش ہو۔ تم اپنے اس رویہ سے اپنی موجودہ مصیبت میں ہی اضافہ کر لوگے۔ ذرا سی چبھن پر تم دولتیاں جھاڑنے لگتے ہو۔ جوپیٹر بھر حکمراں ہے اور سخت گیر حکمراں ہے اور اپنے اعمال کے لئے کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی میں اس کے پاس جاکر تمھاری رہائی کی سفارش کرتا ہوں۔ میں اپنے قرابت دار کو بچانے کی کوشش کروں گا لیکن تم بھی اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ تلخ کلامی چھوڑو۔ کہیں یہ بات زبان زد عام نہ ہو کہ ایسا دانش مند اپنی زبان کے پھوہڑپن کے باعث مستوجب سزا ہو گیا۔

پرومے تھیس: تم کہ میرے ساتھ تمام منصوبوں اور خطرات میں شریک رہتے تھے، خوش قسمت ہو کہ ابھی تک الزامات سے مبرا ہو۔ لیکن ہوش کے ناخن لو۔ خواہ مخواہ اپنی ٹانگ مت پھنساؤ۔ اس سے کہنا سننا بے کار ہے، وہ بہرا ہو گیا، کسی کی نہیں سنتا۔ تم اپنی خیر مناؤ، تمھارا کوئی پیغام لے کر جانا خطرہ سے خالی نہیں۔

روود بار: تم بہت دانش مند ہو۔ دوسروں کو دانش مندی کے مشورے دیتے ہو لیکن اپنی ذات کے لئے عقل سے کورے ہو۔ اور اس کا ثبوت میرے سامنے ہے۔ اب

تم اپنے سرکش خیالات کی وجہ سے وہم میں مت پڑو۔ اپنے دوستوں کو اپنے پر قیاس مت کرو۔ یہ شیخی کی بات نہیں، مجھے یقین ہے اور کامل یقین کہ جوپیٹر میری استدعا کو ضرور سنے گا اور میری مراد پوری کرے گا۔

پرومے تھیس: میں قدر کرتا ہوں۔ یقیناً یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ تمھارے اس نیک ارادے اور دوستانہ روش کے لئے شکر گذار ہوں۔ لیکن میری التجا یہ ہے کہ میرے اوپر اپنی کاوش ضایع مت کرو۔ تم جس قدر بھی کوشش کروگے سب اکارت جائے گی۔ تم واقعی عقل مند ہو کہ خود کو محفوظ رکھ سکے۔ خود کو محفوظ ہی رکھو۔ میں تو مبتلائے مصیبت ہوں ہی اور نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ میرے غم خوار بھی مصیبت میں مبتلا ہوں۔ اپنے ماں جائے بھائی اطلس کی مصیبت پر ہی میرا دل رو رہا ہے۔ وہ غریب اپنے کندھوں پر زمین و آسمان کا بوجھ اٹھائے مغربی کنارے پر کھڑا ہے اور یہ کوئی معمولی بوجھ نہیں ہے۔ اور اس غریب کی مصیبت پر بھی دل پاش پاش ہے جس نے سلیشیا کے تاریک غاروں میں سکونت اختیار کر لی تھی، یعنی مادر گیتی کا تند خو بیٹا، تباہی کا دیوتا، سو سروں والا طائیفون، جس کے قہر کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اور جب دیوتا ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے تو وہ اپنے قہر سے جوپیٹر کی فرماں روائی کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے منھ سے دہشت ناک پھنکار نکل رہی تھی اور اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوپیٹر کے جبر و استبداد کو یکسر مٹا ڈالے گا، لیکن جوپیٹر نے برق و رعد کے ساتھ اس کے سر پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کا چوڑا چکلا چہرہ لٹک گیا۔ اس کے عین قلب پر ایسا وار کیا کہ اس کی ساری قوت ہوا ہو گئی اور اس کی ساری عظمت و جبروت خاک میں مل گئی اور اب اس کا وسیع و عریض جثہ کوہ ایٹنا کے دامن میں کھاری سمندر کی کھاڑیوں میں بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے اور فراز کوہ پر ہیفاسٹس بیٹھا ہوا گرم لوہے پر ہتھوڑے چلا رہا ہے۔ یہیں سے ایک روز وہ آتشیں لاوا پھوٹے گا جو زرخیز ثمر بار سسلی کے مسطح میدانوں کو تباہ کر ڈالے گا۔ اگرچہ وہ جوپیٹر کی آتش غضب سے جل کر خاکستر ہو چکا ہے اور مردوں کی طرح پڑا ہوا ہے لیکن ایک روز طائیفون کے بے قرار جبڑوں سے ایسی آتش سیال نکلے گی

جو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ تم خود بھی یہ تماشا دیکھ چکے ہو میں تمھیں کیا نصیحت کروں۔ تم خود ہوش مند و ذی عقل ہو۔ کوشش کرو اپنے آپ کو بچالو۔ میں تو اس وقت تک اپنی تقدیر کا لکھا بھگتتا ہی رہوں گا جب تک کہ جوپیٹر کی آتشِ غضب ٹھنڈی نہ ہو جائے اور اس کی طبیعت کو سکون نہ آجائے۔

رود بار : پرومے تھیس! کیا یہ بات تمھیں معلوم نہیں کہ نرم کلامی آتشِ غضب کو بجھا دیتی ہے۔ اور محبت کے الفاظ سے بڑے بڑے سرکش زیر ہو جاتے ہیں؟

پرومے تھیس : یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ایسا اچھے وقتوں میں ہی ہوتا ہے۔ جب جذبات مشتعل ہوں اور دل فخر و غرور سے پر تو ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ ان سے آتشِ انتقام اور بھی بھڑک اٹھتی ہے۔

رود بار : دوستی کے ذریعہ کسی آنے والے خطرے کو ٹالنے کی کوشش میں تمھیں کیا برائی نظر آتی ہے؟

پرومے تھیس : یہ بالکل بے مصرف کوشش ہوگی اور بڑی حماقت۔

رود بار : شاید ایسا ہی ہو لیکن کوئی بات نہیں۔ وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر اس میں کوئی ہرج نہیں کہ ایک عقل مند آدمی احمق و بے وقوف معلوم ہونے لگے۔

پرومے تھیس : عقل مند معلوم ہو یا بے وقوف معلوم ہو۔ لیکن بالآخر الزام مجھ پر ہی آئے گا۔

رود بار : پھر تمھارا کیا خیال ہے؟ میں اپنے گھر لوٹ جاؤں؟

پرومے تھیس : مجھے خطرہ یہ ہے کہ میری محبت میں کہیں تم اپنے لئے نفرت نہ مول لے لو۔

رود بار : کس کی نفرت؟ اس کی جو مکمل قوت و جبروت کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہے؟

پرومے تھیس : ہاں ہاں! اس کی۔ اس سے ڈرتے رہو، کہیں اس کے دل میں حسد کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔

رود بار : خیر! تمھارا حشر میرے لئے بھی عبرت آموز ہوگا۔

پرومے تھیس : اچھا تو جاؤ! الوداع! اس وقت کے محتاط خیالات تمھاری رہنمائی کرتے رہیں۔

رودبار : تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ میرا چوپایہ پرندہ اپنے شہ پروں سے ہواؤں کو چیرتا ہوا تیزی سے منزل تک پہنچ جائے گا۔ وہ بھی تو اپنے اصطبل میں پیر پھیلا کر آرام کرنے اور اپنی تھکن دور کرنے کی فکر میں ہے۔

[رودبار آسمانوں کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔]

طائفہ کا نغمہ

پرومے تھیس! تمھاری حالت پر ہمیں سخت افسوس ہے۔ تمھیں دیکھ کر آنکھیں آنسوؤں سے بھر آتی ہیں اور تمھاری اس اذیت پر اشکوں کا سیل رواں جاری ہے۔ جوپیٹر اپنی اس نئی شان و تمکنت میں خود ساختہ قوانین کے بل بوتے پر تمام دیوتاؤں کو اپنے ظلم و استبداد کے تیروں کا نشانہ بنا رہا ہے۔

رنج و ملال کی اس صدا کی بازگشت تمام روئے زمین سے سنی جا سکتی ہے۔ مقدس ایشیا کے پڑوسی قبیلے بھی تیرے حال زار پر گریہ کناں ہیں۔ تو اور تیرا نام کبھی وقار و احترام کا حامل تھا اور آج ذلت و مسکنت تیرا مقدر ہیں۔

دور دراز علاقہ کولچس کی غزال صفت دوشیزائیں اور سرحد ارض پر رہنے والے سیتھیا کے باشندے تیرے غم میں اشک بار ہیں۔

فخر انسانیت عرب کے سورما بھی تیرے لئے غمگسار ہیں اور کاکیشیا کے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر مضبوط قلعوں میں رہنے والے فن حرب کے ماہر تیری اس حالت پر سوگوار ہیں۔

ایسے عذاب میں مبتلا ہم نے آج تک کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ ہاں طیطانی خاندان کا چشم و چراغ اطلس بھی تیری ہی طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا سزا بھگت رہا ہے۔ وہ اپنے قبیلہ کے ہی دیوتاؤں کا محسود و منفور ہے۔ وہ آفاق کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے کھڑا ہے۔ وہ جب آہ بھرتا ہے تو سمندروں میں جوار بھاٹا پیدا ہو جاتا ہے۔ کراہتا ہے تو جہنم کی گہرائیوں میں تہلکہ بپا ہو جاتا ہے۔ مقدس دریاؤں کی طغیانیاں اس کے ساتھ آہ و زاری کرتی ہیں۔

پرومے تھیس : میری خاموشی اور ضبط کو میرے گھمنڈ یا ضد پر محمول نہ کرو۔ بس مجھے یہ بات

پسند نہیں کہ میرے دکھوں کی جگ ہنسائی ہو۔ ورنہ یہ خداوندگان نو کس کی استعانت سے اس رتبہ کو پہنچے ہیں؟ کیا میں نے ان کو یہ عظمت و جلال نہیں بخشا؟ یہ تم بھی خوب جانتے ہو۔ جاننے والوں کو کیا بتایا جائے۔ میرا سنگین جرم تو یہی ہے کہ میں نے انسان ضعیف کی مدد کی۔ وہ بولنا نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس کو گویائی عطا کر دی۔ وہ سمجھ نہیں رکھتا تھا، میں نے اس کو عقل و شعور بخش دیا۔ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ نہ انسانیت پر کوئی احسان جتانے کے لئے ہے نہ ان پر الزام دھرنے کے لئے، بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے کہ میری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں انسان آنکھیں رکھتا تھا لیکن دیکھتا نہیں تھا۔ اس کے کان تھے لیکن سنتا نہیں تھا۔ وہ بے چارا مجہولیت کے عالم میں پرچھائیوں کی طرح بے مقصد زندگی گذارنے پر مجبور تھا۔ وہ کوئی ہنر نہیں جانتا تھا۔ مکان بنانے کا اسے علم نہیں تھا۔ اینٹیں تو کجا وہ لکڑیوں کو جوڑ کر بھی دھوپ اور بارش سے محفوظ رہنے کے لئے چھت نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ زمین کے تاریک گہرے غاروں میں چیونٹیوں کی طرح گھر بنا کر گذر بسر کرتا تھا۔ موسموں کی تبدیلیوں کا بھی اس کو اندازہ نہیں تھا۔ سردی، پھولوں اور پھلوں کے موسم کی آمد کی کوئی شناخت اسے نہیں تھی۔ میں نے اسے ستاروں کی رفتار کا علم دیا۔ ان کے نکلنے اور ڈوبنے کا راز اس کو سمجھایا۔ پھر علم کے سرتاج ہندسہ کا علم بھی اسے دیا۔ حرف اور ان کا جوڑنا اسے سکھایا۔ اسی میں حافظہ کا طلسم پوشیدہ تھا ——— جو تمام علوم کا خالق اور فنون کا جنم داتا ہے۔ میں نے ہی سب سے پہلے وحشی جانوروں کی قوت کو زیر کیا۔ بیلوں اور گدھوں کے کندھوں پر جوا رکھ کر ان کو انسان کی خدمت میں لگا دیا کہ وہ مشقت سے بچ جائے۔ میں نے ہی گھوڑے کو لگام لگائی اور دولت مندوں کی آسودگی کے لئے گاڑی بنا کر اس کو اس میں جوت دیا۔ میں نے ہی سب سے پہلے کشتی بنائی اور انسان کو سمندروں کے سینے پر دوڑا دیا۔ انسان کی بے ثبات زندگی کی تسکین کے لئے میں نے ایسے فنون اس کو سکھا دیئے اور اس سب کے

صلے میں خود کو ایسے عذاب میں مبتلا کر لیا جس سے رہائی کی کوئی بھی تدبیر اور امید نظر نہیں آتی۔

سردار طائفہ: افسوس صد افسوس! تمھاری عقل اس وقت سلب ہوئی جب اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ تمھارا حال بھی اس طبیب کا سا ہوا جس نے ہزار ہا ہزار مریضوں کو صحت بخشی ہو لیکن جب خود بیمار پڑے تو کوئی دوا اس کے سمجھ میں نہ آئے اور اپنی بیماری کا علاج نہ کر سکے۔

پرومے تھیس: ابھی سنو تو سہی! تم پوری بات سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی کہ میں نے حضرت انسان کے لئے کیسے کیسے ہنر اور کیسی کیسی تدبیریں وضع کیں۔ سب سے اہم تو یہی ہے کہ میں نے اسے بیماریوں کا علاج سکھایا تھا۔ وہ بیمار پڑتا تھا تو کھانے پینے یا لگانے کی کوئی شے بھی معلوم نہیں تھی۔ وہ سڑ سڑ کر مر جاتا تھا۔ میں نے اس کو دوائیں بنانا سکھایا اور اب وہ امراض کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ میں نے ہی اس کو قیاس کرنا، الہامی اشاروں سے غیب کی باتوں کو متعین کرنا اور خواب کی تعبیر کرنا سکھایا۔ میں نے ہی اس کو پرندوں کی پرواز سے اچھی اور بری باتوں، ان کی باہمی محبتوں اور عداوتوں اور ان کے اجتماعات کے بارے میں شگون لینے کا گر سکھایا۔ میں نے اس پر یہ آشکارا کیا کہ قربانی کے جانوروں میں کس طرح کی آنتیں، تلی اور جگر دیوتاؤں کی سب سے زیادہ خوشنودی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ میں ہی تھا جس نے سب سے پہلے ان کی ہڈی کو چربی میں لپیٹ کر جلایا اور انسان کی اس فن میں رہنمائی کی جس سے وہ نا آشنا تھا۔ جو مبہم تھا وہ واضح کر دیا۔ اس کی بصیرت پر وہ کچھ روشن کر دیا جو ابھی تک تاریکی میں تھا، یعنی شعلے پر تحریر شدہ مستقبل کی پرچھائیوں کا پڑھنا اسے بتا دیا۔ اتنا ہی نہیں میں نے زمین سے اس کے دبے ہوئے خزانے یعنی لوہا، تانبا، سونا اور چاندی اگلوا دیئے تاکہ ان کے ذریعہ انسان اپنی کمزوری پر قابو پالے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے پہلے اسے ان چیزوں کا علم تھا۔ یہ محض شیخی کی باتیں نہیں ہیں۔ کوئی دیوانہ ہی مجھے تعریف و توصیف کے استحقاق سے محروم بتا سکتا ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اس حقیر پرومے تھیس نے ہی فانی انسان کو سارے ہنر اور فنون عطا کئے۔

سردار طائفہ: انسان کے ساتھ نیکی ضرور کرو، لیکن ذرا احتیاط کے ساتھ، کہیں اس میں خود کو ہی نقصان نہ پہنچا لو۔ مجھے تو وہ دن نظر آرہا ہے جب تمھاری بیڑیاں ٹوٹ چکی ہیں اور تمھیں وہی عزت و مرتبہ حاصل ہوگیا ہے جو جوپیٹر کو حاصل ہے۔

پرومے تھیس: یہ ممکن ہی نہیں۔ قسمت کا لکھا ہو کر رہے گا۔ ان زنجیروں کے کٹنے سے پہلے مجھے بے پناہ غم والم سے گذرنا پڑے گا۔ ہنرمندی کتنی ہی اہم ہو تقدیر کا جبر اس سے کبھی زیادہ اہم ہے۔

سردار طائفہ: لیکن جبر کا فاعل و مختار کون ہے؟

پرومے تھیس: مشیت سہ گانہ اور غیر فراموش کن قہاریت؟

سردار طائفہ: کیا جوپیٹر ان کے مقابلہ میں کمزور ہے؟

پرومے تھیس: قسمت کے لکھے کو وہ کبھی نہیں مٹا سکتا۔ مقدر کو ٹال نہیں سکتا۔

سردار طائفہ: اس کا مقدر اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ وہ ابد تک فرمانروائی کرتا رہے؟

پرومے تھیس: یہ تمھیں نہیں معلوم ہو سکتا اور اسے جاننے کی کوشش کبھی نہ کرو۔

سردار طائفہ: تم چھپا رہے ہو؟ شاید کوئی بہت گہرا راز ہے۔

پرومے تھیس: اس قضیہ کو چھوڑو۔ کوئی اور بات کرو۔ اسے لاعلمی کی تاریکی میں ہی مستور رہنے دو۔ کیوں کہ اس کے مستور رہنے میں ہی میری نجات کا راز پنہاں ہے۔

سردار طائفہ: میری دعا ہے کہ میری اور آقائے کل جوپیٹر کی مرضی میں کبھی تصادم نہ ہو۔ میں دیوتاؤں کے حضور میں ہمیشہ بیلوں اور دیگر مقدس قربانیوں کے ساتھ حاضر رہوں۔ نہ میں بدعہدی کروں اور نہ میرے منہ سے کوئی نازیبا کلمہ نکلے۔ ہمیشہ دانائی اور عقل کا کام کرتی رہوں۔

عقل ابدی کہتی ہے! خوشگواری کے ساتھ تیری زندگی گزرے اور گزرتے ہوئے ماہ و سال میں تیرا دل پر مسرت امیدوں سے معمور رہے۔ لیکن پرومے تھیس تیرے غم دیکھ کر تو میرا دل لرز جاتا ہے۔ تو نے جوپیٹر کی کبھی پرواہ نہیں کی اور بڑی بے باکی کے ساتھ انسانیت کا ضرورت سے زیادہ احترام کیا۔

لیکن اس کا نتیجہ کیا ہے؟ انسان کا رویہ کیا ہے؟ کیا وہ تیری محبت کا بدلہ

دے سکتا ہے؟ کیا وہ تجھے ان مصائب سے بچا سکتا ہے؟ کیا تو نے نہیں دیکھا وہ خود کتنا مجبور و بے بس اور کس قدر کمزور ہے؟ اس کا تمام تر عزم و ارادہ بھی جوپیٹر کے کیے ہوئے کو نہ مٹا سکتا ہے نہ ہلا سکتا ہے۔

پرومے تھیس! تجھے اس حالت میں اور تیرے ان دکھوں کو دیکھ کر ہی مجھے یہ احساس پیدا ہوا۔ آہ! مجھے اب وہ نغمے بھی یاد آ رہے ہیں جو ہم تمھارے حجلۂ عروسی کے گرد گا رہے تھے۔ جب تم اپنے اوصاف حمیدہ کی بدولت میری خوبصورت بہن ہیشونی کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر اپنی زوجیت میں لے آئے تھے۔

[آیو داخل ہوتی ہے۔ اس کی پیشانی پر چاند کی طرح روشن ایک سینگ ہے۔]

آیو: یہ کون سی سرزمین ہے؟ اس ویرانے کو کون سی قوم نے آباد کیا ہے؟ تم کون ہو؟ اور کس تصور میں اس چٹان کے ساتھ زنجیروں سے بندھے ہوئے سزا بھگت رہے ہو؟ دور دراز کے سفروں نے مجھے مضمحل کر دیا تھا۔ یہ اب میں کس سرزمین میں آ پہنچی؟ درد و کرب کا احساس میری روح میں نیش زنی کر رہا ہے۔ ارگس کا سایہ پھر منڈلا رہا ہے۔ جہنم سے نکل کر یہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔ کاش اس کی یہ تعاقب کرنے والی آنکھیں قبر میں دفن ہو گئی ہوتیں۔ لعنت ہو اس پر۔ مر بھکّا کہیں کا۔ سدا کا فاقہ کش، اس ویران ساحل پر بھی میرا پیچھا کیے چلا جا رہا ہے۔

اس کی بانسری کی خواب آور آواز مجھے برابر ستائے جا رہی ہے۔ آہ! میں کدھر جاؤں؟ کس طرف جاؤں؟ زمین کے کون سے گوشے میں جاؤں کہ اس سے میری جان بچ سکے؟ آہ! میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ میری گردن پر یہ عذاب مسلط کر دیا گیا ہے! بیزاری میری جان میں کچوکے لگائے جا رہی ہے اور تیری غضب ناکی دل کو مسوسے ڈال رہی ہے۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ بجلی مجھے جلا کر خاکستر کر دے۔ مجھے زمین میں دفن کر دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے کہ نہنگ و اژدر مجھے نگل جائیں۔ سن لے معبود! میری التجا سن لے! میں بہت ٹھوکریں کھا چکی ہوں اور بہت مصائب برداشت کر چکی ہوں۔ اب تو یہ

مصائب ناقابل برداشت ہو رہے ہیں، معلوم نہیں ان کا اختتام کب ہوگا۔ کب مجھے اس کرب سے نجات ملے گی! تو ہی جانتا ہے معبود! اپنی کنیز کی فریاد کو سن لے!

پرومے تھیس: کیوں نہیں؟ میں سن رہا ہوں! انیکس کی غمزدہ بیٹی! تیرے ہی رخ روشن نے جوپیٹر کے دل میں عشق کے جذبات بھڑکا دیئے اور اس کی زوجہ کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ اس جوش انتقام میں ہی وہ اب تیرا پیچھا کر رہی ہے اور یہ ایسی دوڑ جاری ہے جو کبھی بھی ختم نہ ہوگی۔

آیو: تم میرے باپ کا نام اور میری اصل و نسل کیسے جانتے ہو؟ میری ہی طرح مصیبت میں مبتلا اور غمزدہ تم کون ہو؟ کوئی دیوتا ہو یا انسان؟ تم جیسے مصیبت زدہ کو یہ راز کیسے معلوم ہے کہ میں کیوں اس وسیع زمین پر گردان و پریشان ہوں اور بھوک اور بیماری کی ماری ہوئی ہیرا کی آتش حسد کے غضب سے سہمی ہوئی مسلسل گردش میں ہوں۔ مجھ جیسا بدنصیب اور مصیبت زدہ کون ہوگا؟ تم تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ابھی مجھے کیا کیا دکھ جھیلنے ہیں؟ کیا ان کا کوئی مداوا ہے؟ میرے ان دکھوں میں کیا تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟ اس ایک غمزدہ لڑکی کی مدد جو بے یار و مددگار ہے۔

پرومے تھیس: ضرور! میں تمھیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا، جیسے ایک مخلص دوست اپنے دوست کو بتا سکتا ہے۔ میں پرومے تھیس ہوں جس نے فانی انسان کو لافانی آگ بخش دی۔

آیو: آہا! تو تم ہو بدنصیب پرومے تھیس! انسانیت کے فیض رساں! لیکن تم اس بری حالت میں کیوں ہو؟ اس زمہریری چٹان سے تمھیں کیوں باندھ دیا گیا ہے؟

پرومے تھیس: ابھی ابھی تو میں نے اپنی المناک کہانی ختم کی۔

آیو: تو کیا تم میری استدعا کو ٹھکرا دو گے؟

پرومے تھیس: کیا استدعا؟ پوچھو، جو کچھ تم پوچھو گی میں اس کا جواب دوں گا۔

آیو: اس پہاڑی سے تمھیں کس نے جکڑ دیا ہے؟

پرومے تھیس: جوپیٹر کے حکم اور ہیفاسٹس کے ہاتھوں نے۔

آیو: تم سے ایسا کیا قصور سرزد ہوا تھا؟

پرومے تھیس: اب آگے مت پوچھو۔ جو میں نے بتایا کافی ہے۔

آیو: تو یہ بتاؤ میری اس ساری سرگردانی کا انجام کیا ہوگا، یہ اندوہ وغم مجھے کب تک گھیرے رہے گا؟

پرومے تھیس: اس کا نہ جاننا ہی بہتر ہے۔

آیو: نہیں نہیں! تم مجھ سے چھپاؤ مت۔ جو کچھ مقدر میں ہے مجھ سے پوشیدہ نہ رکھو۔

پرومے تھیس: یقین مانو یہ کوئی خوش کن بات ہوتی تو مجھے تم سے کوئی رشک و رقابت نہیں تھی۔

آیو: پھر تامل کیا ہے؟ جواب دینے میں کیوں ہچکچا رہے ہو؟

پرومے تھیس: میں نہیں چاہتا کہ یہ تلخ حقیقت تم پر آشکار ہو اور تمھاری روح کو کچل کر رکھ دے۔

آیو: تم اس کی پرواہ مت کرو۔ مجھے صاف صاف بتا ڈالو۔ میں اس کو سننا چاہتی ہوں۔

پرومے تھیس۔ تم سننے کے لئے اتنی ہی بے تاب ہو تو مجھے بتانا ہی پڑے گا۔ لو سنو!

سردار طائفہ: ذرا ٹھیرو! پہلے میری بات سنو۔ مناسب یہ ہوگا کہ پہلے ہم اس دوشیزہ کے منھ سے اس کی بپتا سنیں۔ اور پھر جو کچھ آگے ہونے والا ہے تم اس کو بیان کرو۔

پرومے تھیس: [آیو سے] ہاں آیو، تو تم ان کی بات مانو کہ یہ تمھارے باپ کی بہنیں ہیں تمھارے لئے بہتر ہوگا کہ رو دھو کر اور اپنی مصیبت کا بیان کر کے تم اپنے درد دل کو ہلکا کر لو اور سننے والوں کے دل میں جذبۂ ترحم پیدا ہوگا تو یہ بھی تمھارے لئے اچھا ہی ہوگا۔

آیو: مجھے سرتابی کی مجال نہیں ہے۔ میں تعمیل حکم کروں گی اور اپنی پوری سرگذشت صاف صاف بیان کر دوں گی۔ اگرچہ یہ میرے لئے بڑی ہی تکلیف دہ بات ہے اور مجھے شرم بھی آتی ہے کہ ان واقعات کا بیان کروں جو اس طوفان بلا کا سبب بنے جس نے میری صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ ہر رات مجھے عجیب وغریب خواب نظر آتے تھے اور نرم سرگوشی میں مجھ سے کہتے تھے "اے مقدس و محترم دوشیزہ! اس دوشیزگی کو کب تک سینہ سے لگائے رکھو گی؟ جوپیٹر کی ذات

عالی تمھاری خواہش مند ہے۔ جوپیٹر تم پر فریفتہ ہوگیا ہے۔ آتش شوق میں سوزاں وہ تم سے ہمکنار ہونے کا آرزومند ہے۔ اس کی ہم بستری سے متوحش نہ ہو۔ اٹھو اور لیرنا کی چراگاہوں کو چلو جہاں سر سبز گھاس لہراتی ہے اور تمھارے باپ کے مویشی چرتے ہیں۔ تاکہ جوپیٹر تمھارے رخ روشن کے نظارے سے اپنی تشنگی کو بجھا سکے۔" اس طرح کے خواب مجھے برابر پریشان کرتے رہے۔ اس پریشانی کے عالم میں میں رو رو اٹھی۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو مجبور ہو کر میں نے شرم کو بالائے طاق رکھا اور اپنے باپ سے یہ خواب بیان کر دیئے۔ اس نے فوراً ہی ڈیلفائی اور دودونا کے مہبطوں پر اپنے قاصد بھیجے کہ وہ معلوم کر کے آئیں کہ دیوتا اس سے کیا چاہتے ہیں اور اس کا کون سا عمل ان کو خوش کر سکتا ہے۔ وہ کوئی واضح جواب لے کر نہ آئے۔ کچھ مبہم سی باتیں انھوں نے بتائیں۔ سوال اور بھی الجھ کر رہ گیا۔ آخر کار ایک روز میرے باپ کے پاس واضح اور غیر مبہم حکم آ گیا کہ مجھے گھر سے نکال دیا جائے اور ملک بدر کر کے زمین کے آخری سرے پر بھیج دیا جائے ورنہ جوپیٹر کی آتش غضب ہماری پوری نسل کو تہس نہس کر دے گی۔

یہ اپولو کی تعبیر تھی۔ میرے باپ نے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کی اور مجھے گھر سے باہر نکال کر دروازے بند کر لئے گئے۔ اس سب کے لئے نہ میں آمادہ تھی، نہ میرا باپ، لیکن جوپیٹر کی مرضی کے سامنے مجبور تھی۔ میرے ہوش وحواس جاتے رہے اور میری پیشانی پر یہ مکروہ سینگ اگ آئے جو اب تم دیکھ رہے ہو۔ ایک بڑمکھی نے میرے گوشت میں اپنا سر پیوست کر دیا۔ میں دیوانہ وار دوڑتی ہوئی لیرنا کے شفاف چشموں تک پہنچ گئی۔ لیکن مادرگیتی کا بیٹا ارگس گوالا برابر میرے تعاقب میں لگا رہا اور اپنی صدہا آنکھوں کے ساتھ برابر میری نگرانی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بالکل غیر متوقع طور پر موت نے اس کی لگاتار نگرانی کا خاتمہ کر دیا۔ مگر اب بھی یہ بڑمکھی مجھے ملکوں ملکوں راندے پھرتی ہے۔ یہ ہے میری کل سرگذشت۔ اگر تمھیں معلوم ہو تو بتاؤ کہ مجھے ابھی اور کیا کھوگنا ہے۔ ایسا نہ کرنا کہ میری حالت پر رحم کرتے ہوئے غلط بیانی سے کام لو اور یوں ہی کچھ جھوٹ موٹ

بتا کر مجھے بہکا دو۔ ایسا جھوٹ ہر برائی۔ سے بدتر ہو گا۔

سردار طائفہ: بس بس! اب چپ کرو! بڑی دلگداز داستان ہے۔ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کان ایسی غم ناک کہانی سنیں گے اور آنکھیں ایسے درد انگیز، دلدوز اور ہلاکت خیز منظر دیکھیں گی۔ آہ قسمت! آیو کی حرماں نصیبی پر تو میری روح لرز گئی ہے۔

پرومے تھیس: ابھی اس کے مصائب کا خاتمہ کہاں ہوا ہے! تمھاری یہ نالہ کشی اور اس کے لیے یہ دل سوزی ابھی قبل از وقت ہے۔ ابھی تو انتظار کرو کہ یہ داستان پوری ہو جائے۔

سردار طائفہ: کہو! سب کچھ کہہ ڈالو! مریض روحوں اور غمزدہ دلوں کو مستقبل کے بارے میں جان لینے سے تسلی ہو جاتی ہے۔

پرومے تھیس: تمھاری پہلی خواہش پوری کر دی گئی۔ تم نے اس کے اندوہ والم کی کہانی خود اس کی زبانی سن لی۔ اب سنو کہ اس کے معصوم شباب کو ہیرا کس طرح اپنے انتقام کا ہدف بنانے والی ہے۔ انیکس کی بیٹی! تم بھی کان کھول کر سن لو کہ تمھارے اس سفر کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ یہاں سے مشرق کو جاؤ۔ تم سی تھیا کے ان افتادہ میدانوں میں پہنچ جاؤ گی جنھیں ابھی تک جوتا نہیں گیا۔ یہاں کے خانہ بدوش باشندے زمینوں پر نہیں بلکہ ٹھیلوں اور چھکڑوں پر مکانات بناتے ہیں اور شکار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان سے بچ کر نکل جانا اور طوفان خیز سمندر کے کنارے کنارے چلتی چلی جانا تمھارے بائیں ہاتھ پر کلیبیوں کی بستی آئے گی۔ یہ فولاد سازی کا کام کرتے ہیں۔ ان سے بھی ہوشیار رہنا۔ یہ بہت وحشی لوگ ہیں اور پردیسی اجنبیوں پر بڑا ظلم ڈھاتے ہیں۔ ان سے بچ گئیں تو تم گھمنڈ جھیل پر پہنچ جاؤ گی اور یہ جھیل اسم با مسمّٰی ہے۔ یہ بڑی پر آشوب گذرگاہ ہے — ذرا سنبھل کر چلنا یہاں تک کہ کوہ کاکیشس آ جائے۔ یہ بلند ترین چوٹیاں ہیں اور اسی کی پتھریلی پیشانی سے دریا گرجتا ہوا نکل رہا ہے۔ ستاروں کی ہمسایہ انھیں چوٹیوں سے ہو کر تمھاری گذرگاہ جاتی ہے۔ یہاں سے جنوب کی طرف مڑ جانا۔ آگے چل کر تم دیونیوں کی سرزمین پر پہنچ جاؤ گی۔ یہ مردوں سے متنفر ہیں اور ان کی دشمن ہیں اور ایک روز تھرمودن کے کنارے آباد ہوں گی۔ جہاں جہازوں اور ملاحوں کا دشمن سمندری عفریت اپنا منہ کھولے ہوئے موجود ہے۔ یہ دیونیاں بخوشی تمھاری رہنمائی کریں گی اور خاکنائے سیمون کا راستہ بتا دیں گی یہاں

پہنچ جاؤ تو تم ساحل سے بے خطر سمندر میں کود پڑنا اور تیرتی ہوئی آبنائے میوتس تک پہنچ جانا۔ تمھاری یہ گذرگاہ باسفورس کے نام سے وابستہ ہو جائے گی اور اسے شہرت دوام حاصل ہوگی۔ یہاں یورپ کی سرزمین ختم ہوتی ہے۔ یہاں سے تم ایشیا کے علاقہ میں داخل ہو جاؤ گی۔

[طائفہ سے مخاطب ہو کر]

ہاں تو جل پریو! بولو کیا جو پیٹر اپنے تمام ارادوں اور اعمال میں نہایت سنگ دل اور ظالم نہیں ہے! اپنی ہوسناکی میں وہ اس حسن فانی کا خواہش مند ہے اور اس بے کس دوشیزہ پر اتنے غموں کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ آہ! یہ بے چاری دوشیزہ اور یہ جفا کار عاشق! یہ ہے مختصر سا حال ان شدائد کا جن سے تمھیں ابھی دوچار ہونا ہے۔

آیو: آہ میں! اور اف یہ بدبختی مری۔

پرومے تھیس: ابھی سے یہ نالہ وزاری۔ اگر تمھارے مصائب کی تفصیل بیان کر دی جائے تو تم کیا کرو گی؟

سردار طائفہ: کیا! کیا ابھی غموں کا کچھ اور کبھی بیان باقی ہے؟ اس کا ساغر الم ابھی تک لبریز نہیں ہوا؟

پرومے تھیس: یہ تو لبریز ہوگا اور چھلکتا رہے گا۔ المناکیوں کا ایک بحر مواج ہے جس کا اختتام تا حد نگاہ نہیں ہے۔

آیو: پھر میں کیوں زندہ ہوں؟ اس چٹان سے ایک ہی جست کافی ہوگی کہ میں نیچے گروں اور پاش پاش ہو جاؤں کہ زندگی اور زندگی کے آلام کا خاتمہ ہو اور ان تمام آلام سے نجات مل جائے۔ اس روز روز کی عقوبت سے تو ایک بار ہی مر جانا بہتر ہے۔

پرومے تھیس: تم خوش قسمت ہو کہ موت تمھیں زندگی کی صعوبتوں سے نجات دلا سکتی ہے لیکن میری تکلیف کو تو دیکھو کہ قسمت نے مجھے حیات ابدی بخش دی ہے۔ میرے ان دکھوں کے خاتمہ کی کوئی حد ہی متعین نہیں ہے۔ ان کا خاتمہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب جوپیٹر کی حکمرانی پر زوال آجائے۔

آئیو : یعنی جوپیٹر حکمرانی سے بے دخل کر دیا جائے ــــ کیا یہ ممکن ہے ؟

پرومے تھیس : بے شک ! وہ دن تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھو گی ۔

آئیو : کیا واقعی میں ! میں جوپیٹر کے غیض وغضب کا شکار ہوں ؟

پرومے تھیس : یہ بالکل صحیح ہے ۔ تم میری بات کا یقین کرو کہ اس کی تباہی مقدر ہو چکی ہے ۔

آئیو : لیکن اسے اور اس کے حاکمانہ اختیارات کو کون ختم کرے گا ؟

پرومے تھیس : خود اس کی نادانی اس کی تباہی کا سبب بنے گی ۔

آئیو : مگر کیسے ؟ یہ کوئی راز کی بات نہ ہو تو بتاؤ ۔

پرومے تھیس : وہ شادی کرے گا اور اس کے تلخ نتائج پر پچھتائے گا ۔

آئیو : شادی ؟ فانی سے یا لافانی سے ؟

پرومے تھیس : کوئی بھی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ! اب مجھ سے اور کچھ مت پوچھو ۔ میں اور کچھ نہیں بتا سکتا ۔

آئیو : کیا اس کی زوجہ ہی اسے تخت سے اتار پھینکے گی ؟

پرومے تھیس : وہ ایک بیٹے کو جنم دے گی جو اپنے باپ سے بھی زیادہ طاقت ور ہو گا اور اسے قتل کر دے گا ۔

آئیو : کیا اس قضائے مبرم سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے ؟

پرومے تھیس : کوئی نہیں ! میں ہی اس کے لئے کچھ کر سکتا ہوں، اگر میری زنجیریں کھول دی جائیں ۔

آئیو : لیکن جوپیٹر کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے اس کی منشا کے خلاف ان زنجیروں کو کھولنے کی کون جرأت کر سکتا ہے ؟

پرومے تھیس : نوشتۂ تقدیر یہ ہے کہ وہ تمھارے بطن سے پیدا ہو گا ۔

آئیو : کیا ؟ میرا بیٹا ؟ میرا لختِ جگر تمھارا نجات دہندہ ہو گا ؟

پرومے تھیس : دس پشتوں کے بعد تیسری پشت میں وہ تولد ہو گا ۔

آئیو : تم بڑی مبہم باتیں بیان کر رہے ہو ۔ تمھاری باتیں میرے لئے ناقابلِ فہم ہوتی جا رہی ہیں ۔

پرومے تھیس : بس اب بہت ہو گیا ۔ میں اب اور کچھ نہیں بتاؤں گا ۔ اب کچھ اور پوچھنا بھی نہیں ۔

آیو : تم امید کی ایک کرن دکھلاتے ہو اور پھر اسے چھپا لیتے ہو۔

پرومے تھیس : میں تمھیں دو باتیں بتاتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔

آیو : وہ دو باتیں کیا ہیں ؟ بتاؤ تو سہی ! میں ان میں سے ایک انتخاب کر لوں گی۔

پرومے تھیس : میں ان تمام مصیبتوں کا انکشاف کر سکتا ہوں جو تمھیں در پیش ہیں اور اس شخص کا نام بھی بتا سکتا ہوں جو مجھے نجات دلائے گا۔ تم ان دونوں میں سے کون سی بات جاننا چاہو گی ؟

سردار طائفہ : دونوں حصوں کو الگ الگ کر دو۔ ایک اس کی خاطر بتاؤ اور دوسرا میری خاطر۔ تمھارا کرم المضاعف ہوگا۔ اس دوشیزہ سے اس کی تکالیف کا حال بیان کر دو اور مجھے اپنے نجات دہندہ کا نام بتا دو۔

پرومے تھیس : تمھاری ایسی ہی خواہش ہے تو مجھے بتانا ہی پڑے گا۔ پہلے آیو کے چکّر کے بارے میں بتاتا ہوں۔ آیو تم سنو اور میرے الفاظ لوحِ دل پر نقش کر لو۔ جب تم دونوں براعظموں کو جدا کرنے والی آبنائے سے گذر چکو تو تابناک مشرق کی طرف مڑ جانا جو گذر گاہ آفتاب ہے اور مہیب سمندر کو پار کر لینا۔ تم ان میدانوں میں پہنچ جاؤ گی جہاں فورکس کی تین بیٹیاں رہتی ہیں ــــــ معمر، بگلوں کی مانند سفید ــــــ تینوں کی ایک آنکھ اور ایک دانت ہے۔ ان پر نہ آفتاب کی نظر پڑتی ہے نہ ماہتاب کی ــــــ ان کے نزدیک ہی ان کی تین بہنیں رہتی ہیں جن کے پر ہیں اور جو انسانوں سے سخت متنفر ہیں۔ ان کے سروں پر بالوں کی جگہ پھنپھناتے ہوئے سانپ ہیں، جن کو دیکھ کر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں نے تمھیں آگاہ کر دیا۔ اب یاد رکھنا نہ رکھنا تمھارا کام ہے۔ ایک اور بھی ہیبت ناک منظر آئے گا۔ بے آواز چونچ دار منھ والے اسد عقابی ملیں گے۔ یہ جوپیٹر کے شکاری ہیں۔ ان سے بھی بچنا۔ پھر یک چشم گھڑ سواروں کے غول ہوں گے جو پلوٹو کے زر ریز چشموں کی نگہبانی پر مامور ہیں۔ ان سے گریز ضروری ہے۔ اس دور دراز سرزمین پر سیاہ فام نسل کے لوگ ہوں گے جو ایتھوپس دریا کے کنارے کنارے چشمہ آفتاب کے نزدیک آباد ہیں۔ اس دریا کے کنارے کنارے چلو گی تو ببلس کے پہاڑوں پر پہنچ جاؤ گی۔

جہاں سے دریائے نیل کی طغیاں خیز، شفاف اور مقدس لہریں جنم لیتی ہیں۔ یہ بل کھاتی ہوئی دھار تمھیں مثلث نما مصر میں پہنچادے گی۔ یہاں تمھارا اور تمھاری آیندہ اولاد کا مسکن ہوگا۔ جو کچھ میں نے کہا اگر اس میں سے کچھ سمجھ میں نہ آیا ہو یا کوئی بات واضح نہ ہوئی ہو تو اپنا سوال پھر پوچھ لو۔ میں اور وضاحت کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔ یہاں تو فرصت ہی فرصت ہے۔

سردار طائفہ: اگر اس کے ناخوشگوار سفر کے بارے میں کوئی اور بات بتانی باقی رہ گئی ہو تو وہ بھی بتادو۔ اور اگر اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہو تو پھر ہم سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کرو۔

پرومے تھیس: آیو کے سفر کا قصہ تو تمام ہوا لیکن یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ صداقت پر مبنی ہے، میں ان دشواریوں کا ذکر کروں گا جو اسے یہاں آنے میں اٹھانی پڑی ہیں۔ میں یہ سارا قصہ بیان نہیں کروں گا کہ آپ لوگ اس سے اکتا جائیں، بلکہ اس کا صرف آخری حصہ بیان کروں گا۔

جب تم مولوسیا کے میدان طے کر کے دودونا کی پہاڑی پر پہنچ چکی تھیں جہاں تھیسپروشیائی جوپیٹر متمکن ہے اور جہاں قوت گویائی رکھنے والے شاہ بلوط کے عجیب وغریب درخت ہیں تو ان درختوں نے بہت صاف اور واضح الفاظ میں تمھارا خیر مقدم کیا اور تمھارے کانوں میں صاف صاف آواز آئی: "عظیم جوپیٹر کی ہونے والی دلہن مرحبا، خوش آمدید!" کیا یہ خوش کن آواز تھی؛ تمھیں یاد آرہا ہے نا؟ اور ان آوازوں نے تمھیں اتنا مسحور کیا کہ تمھارے قدم خود بخود ہی ری کے ساحل سمندر کی طرف اٹھتے چلے گئے، جہاں سے پھر قسمت کے طوفان کے تھپیڑوں نے تمھیں اس طرف دھکیل دیا۔ اور اب مستقبل میں یہ سمندر تمھارے نام پر ہی موسوم ہوگا کہ آیندہ نسلوں کے لئے تمھاری یادگار قائم ہو جائے۔ یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ میری نظر چیزوں کی خارجی ضرورت سے گزر کر باطنی حقیقت کو دیکھ سکتی ہے۔ اب ذرا پھر آغاز داستان کی طرف آجاؤ، تاکہ میں تمھیں اور ان کو باقی حقیقت حال سے آشنا کرسکوں۔

مصر میں اس مقام پر جہاں دریائے نیل اپنی تمام شوخ خرامی کے بعد

سمندر سے ہم آغوش ہو جاتا ہے، ایک شہر ہے۔ اس کا نام ہے قنوپیا۔ وہاں جوپیٹر کا لمس لطیف تمھیں حاصل ہو گا۔ اور اس لمس لطیف کے نتیجہ میں تمھارے ایک فرزند تولد ہو گا ـــــ سیاہ فام ـــــ اس کا نام اے پی فس رکھا جائے گا۔ وہ رود نیل سے سیراب شدہ زمینوں کے ثمرات سے متمتع ہوتا رہے گا۔ اس کی پانچویں نسل میں پچاس حسین و جمیل دوشیزائیں ہوں گی جو وہاں سے بھاگ کر اپنی قدیم سرزمین ارگس واپس آئیں گی۔ اس کا سبب ان کے چچیرے بھائی ہوں گے جو ان سے زبردستی شادی کرنا چاہیں گے۔ ان دوشیزاؤں کے انکار پر ان کے دل میں جذبات بھڑک اٹھیں گے اور وہ عقابوں کی طرح ان کا پیچھا کریں گے لیکن مشیت الٰہی آڑے آئے گی اور یہ اجسام لطیف ان کے دست تظلم سے بچ جائیں گے۔ ایپیا کی سرزمین پر وہ قدم رکھیں گے تو موت ان کا استقبال کرے گی۔ انھیں نازک اندامون کے ہاتھ ساعت عروسی میں ان کا کام تمام کر دیں گے۔ ہر ایک عروس اپنے عاشق کے سینہ میں خنجر گھونپ کر اس کا رشتۂ حیات منقطع کر دے گی۔ میری تو دعا ہے کہ میرے تمام دشمنوں کو ایسی ہی عروسی ساعتیں نصیب ہوں۔ لیکن ان پچاس میں سے ایک لڑکی اپنی نزاکت طبع کے باعث اپنے اس ارادے میں ناکام رہ جائے گی۔ محبت کی کشش اس پر غالب آجائے گی۔ وہ اپنے عاشق کو اور ہونے والے شوہر کو قتل نہ کر سکے گی۔ اور وہ قاتل کہلانے کے بجائے بزدل کہلانا گوارا کرلے گی۔ اس کے بطن سے ارگس میں ایک شاہی نسل چلے گی۔ آگے اس کہانی کی تفصیلات بہت ہیں۔ تم سنتے سنتے اکتا جاؤ گی۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ اسی نسل میں ایک سورما پیدا ہو گا جو بے مثال تیر انداز ہو گا اور وہی مجھے اس قید و بند سے آزادی دلائے گا۔ میں نے یہ پیش گوئی اپنی ماں طیطان تھیمس سے سنی تھی۔ لیکن اس طویل داستان کے سنانے کا ماحصل بھی کیا ہے؟ اس کو سن کر تمھارا سامعہ بھی کوئی خوشگوار اثر محسوس نہیں کرے گا۔

آیو: خدایا! اف خدایا! میری روح میں تشنج پیدا ہو رہا ہے اور میرا دماغ شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ میرے حواس مختل ہو کر تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیزی سے

میرے قلب و جگر کو چھلنی کئے دے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے میرا دل سینے کو توڑ کر نکل جائے گا۔ میری آنکھوں کے ڈھیلے جلن سے نکلے پڑ رہے ہیں۔ اپنے قدموں پر مجھے قابو نہیں ہے۔ میری زبان لڑکھڑا رہی ہے۔ الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے ہیں اور غم کے تھپیڑوں میں ان کا حال اس بادبان شکستہ کشتی کا سا ہے جسے طوفان کے طمانچے ڈبوئے دے رہے ہوں۔

سردار طائفہ: وہ شخص بڑا ہی دانش مند ہے جس نے اپنی دور اندیشی سے حقیقت کو پہچان لیا اور پھر اس کا اظہار بھی کر دیا۔ یعنی یہ کہ اگر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا مقدر ہو ہی چکا ہے تو اپنے ہمسر سے ہی یہ رشتہ قائم ہونا چاہئے کسی معمولی اور غریب گھرانے کی بیٹیوں کو دولت مند گھرانے میں یا حسب و نسب پر مغرور خاندان میں شادی نہیں کرنی چاہئے۔

اے انسانوں اور دیوتاؤں پر حکمرانی کرنے والی تقدیر! مجھے وہ دن نہ دکھانا کہ میں دیوتاؤں کے بستر کی زینت بنوں اور اولمپیا کے بادشاہ کی زوجیت میں آؤں۔ میں تو ایک معمولی سی جل پری ہوں۔ میرا دل تو اس لڑکی کے لئے کڑھتا ہے جسے اس سے شادی کرنی ہے جس سے وہ نفرت کرتی ہے اور جسے ہیرا کی آتش انتقام بحر و بر میں دوڑائے پھر رہی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اسے زندگی بھر شوہر نصیب نہ ہو۔

موسیقی

مجھے اس کا تو غم نہیں کہ اپنے ہمسر کے ساتھ ازدواج کے ساتھ منسلک ہو جاؤں، لیکن کاش یہ نہ ہو کہ کوئی آسمانی ہستی زبردستی میرے اوپر محبت کی نگاہیں جما دے کیوں کہ اس صورت حال سے تو مفر بھی ممکن نہیں ہوگا۔ یہ صورت پیدا ہوئی تو میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں گی۔ جوپیٹر کی منشا اگر یہی ہے تو مجھ جیسی حقیر و بے بس کی کیا مجال کہ اس سے گریز پائی اختیار کر لوں۔

پرومے تھیس: ہاں ہاں! یہ جوپیٹر جو آج اس قدر مغرور و خود سر ہے کل خود ذلیل ہو جائے گا۔ وہ آج جس ازدواج کے لئے دیوانہ ہو رہا ہے یہی اس کی سلطنت کی ایسی بیخ کنی کا باعث ہوگا کہ اس کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور تب اس کے باپ

کرونس کی وہ بد دعا پوری ہو جائے گی جو اس نے اپنے اس ناہنجار بیٹے کے لئے اس وقت کی تھی جب اسے جبراً تخت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اور یہ میں اور صرف میں ہی جانتا ہوں کہ اس کو اس تباہی سے بچانے کی کیا تدبیر ہے۔ ٹھیک ہے۔ وہ اپنی تمام تر قوت اور تمام غرور کے ساتھ آسمانوں میں ہنگامہ بپا کرتا رہے اور شعلہ فشانی کرتا رہے۔ لیکن یہ سب اس کے کام نہ آئے گا۔ اس کی ساری لاف وگزاف حرف غلط ہو جائے گی اور کوئی بھی قوت اس کو شرمناک تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔ وہ اپنے ایک خطرناک حریف کو جنم دینے کے اسباب پیدا کر رہا ہے ـــــ ایک ایسے زبردست سورما کو جس سے جنگ پناہ مانگے گی، جو ایسی آتش خوفناک پیدا کرے گا جس سے برق طالب اماں ہو گی اور جس کی آواز سے رعد لرزہ براندام ہو جائے گی۔ وہ سمندر کو بلونے والے اور زمین کو ہلا دینے والے دیوتاؤں کے ترسول کو توڑ ڈالے گا۔ جب یہ گھڑی آن پہنچے گی تو اس ستم گر کو معلوم ہو گا کہ حکمرانی کرنے اور غلامی کرنے میں کیا فرق ہے۔

سردارِ طائفہ: یہ ڈراؤنی باتیں صرف تمھاری تمناؤں کے خواب تو نہیں ہیں؟

پرومے تھیس: میں اپنی خواہش کا اظہار کر رہا ہوں لیکن میں حقیقت کا بھی اظہار کر رہا ہوں۔ میری تمنا اور حقیقت میں کوئی بعد نہیں ہے۔

سردار طائفہ: کوئی سوچ سکتا ہے کہ جوپیٹر کا کوئی آقا بن جائے گا؟

پرومے تھیس: اسے اس سے بھی زیادہ تلخیوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔

سردار طائفہ: لیکن کیا خود تمھیں ایسی باتیں کرتے ہوئے خوف نہیں معلوم ہوتا؟

پرومے تھیس: میں کس چیز کا خوف کروں؟ یوں تو موت کس کو نہیں آتی لیکن میں تو دیوتاؤں میں سے ہوں اور اس لئے لافانی ہوں۔

سردار طائفہ: وہ تمھیں موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ مصائب میں مبتلا کر سکتا ہے۔

پرومے تھیس: جتنا وہ ستا سکتا ہے، ستائے۔ مجھے پرواہ نہیں۔ میں ہر عقوبت کے لئے تیار ہوں۔

سردار طائفہ: لیکن ہوش مند وہ ہیں جو ایڈریسٹیا کی پرستش کرتے ہیں۔

پرومے تھیس: پرستش! عبادت! عارضی قوت و جبروت کی پوجا! لیکن جوپیٹر کی حیثیت میری

نگاہ میں ایک ذرۂ ناچیز کے برابر بھی نہیں۔ وہ اپنی من مانی کرے۔ کچھ عرصہ کے لئے مطلق العنانی کر کے وہ خوش ہولے لیکن وہ بہت عرصہ تک اقتدار کا مالک نہیں رہ سکتا۔ لیکن دیکھو وہ جوپیٹر کا قاصد آرہا ہے۔ نئے بادشاہ کا خوشامدی پٹھو۔ یقیناً وہ کوئی تازہ پیغام لے کر آیا ہوگا۔

[ہرمیس فضا میں پرواز کناں نظر آتا ہے۔]

ہرمیس : اے چالاک سوفسطائی اور اے سازشی! حنظل سے زیادہ کڑوے الفاظ بولنے والے، دیوتاؤں کی شان میں بدگوئی اور تلخ کلامی کرنے والے اور فانی انسان کے ہمدرد بننے والے! مقدس آگ کو چرا کر دیوتاؤں کی قوت انسانوں کو دینے کے زبردست جرم کے مرتکب! میں تم سے مخاطب ہوں۔ ہمارے مقدس باپ جوپیٹر کا حکم ہے کہ تم اپنے فخر و غرور سے باز آؤ! اس شادی کے بارے میں بتاؤ جسے تم بزعم خود اس کی تباہی کا باعث سمجھے ہوئے ہو۔ اس سوال کا جواب بالکل صاف صاف دو مبہم اور گول مول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے دوسری مرتبہ آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یاد رکھو تمھاری اس طرح کی ہفوات سے جوپیٹر کا دل پسیجنے والا نہیں ہے۔

پرومے تھیس: واہ واہ! کیا تمکنت آمیز انداز ہے اور کیا غرور آمیز کلام ہے۔ یہ انداز تو دیوتاؤں کے چاپلوس مصاحبوں ہی کو زیب دیتا ہے۔ ابھی نیا نیا اقتدار ملا ہے نا! قوت کے نشے میں چور تم سمجھتے ہو کہ آفات تمھارے مضبوط قلعوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن کیا ان آنکھوں نے اسی تخت سے دو عظیم بادشاہوں کو معزول ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟ اور اس تیسرے کو عنقریب ہی اور بھی زیادہ ذلت و رسوائی کے ساتھ معزول ہوتا ہوا دیکھیں گی۔ کیا ان غاصب دیوتاؤں سے ڈر کر میں ان کے سامنے جھک جاؤں گا؟ ناممکن! مرعوب ہونا میں جانتا ہی نہیں۔ خوف میرے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی نہیں آسکتا۔ تم جاؤ۔ جس راہ سے آئے ہو اسی راہ واپس جاؤ۔ تمھیں مجھ سے کوئی جواب نہیں مل سکتا۔

ہرمیس : ذرا سوچ لو! تمھارا یہی متمردانہ انداز پہلے بھی تمھارے سر مصیبت لا چکا ہے۔ اب کہیں تمھارے لئے کسی اور نئی مصیبت کا سامان نہ بن جائے۔

پرومے تھیس : میں تمھاری ان باتوں میں تو آنے والا نہیں۔ اگر میرے مصائب دس گنا بھی ہو جائیں، تب بھی میں تمھارے الفاظ کی سنہری زنجیروں سے ان کو نہیں بدلوں گا۔ میں جوپیٹر کا ہرکارہ بننے کے بجائے اس چٹان سے بندھا رہنا بہ خوشی قبول کر لوں گا۔ تمھاری گستاخانہ گفتگو کا بس یہی جواب ہے۔

ہرمیس : معلوم ہوتا ہے تمھیں تکلیف میں لطف آتا ہے۔ بڑے بیہودہ ہو گئے ہو۔

پرومے تھیس : بے ہودہ! لطف! کاش میرے بدترین دشمنوں کو یہ لطف حاصل ہوتا اور تمھیں سب سے پہلے!

ہرمیس : تمھاری ان مصیبتوں کی میرے اوپر کیا ذمہ داری ہے؟ اس میں میرا کیا قصور ہے؟

پرومے تھیس : بس سو باتوں کی ایک بات! میں تو ہر ایک دیوتا سے نفرت کرتا ہوں کہ وہ میرے درپے آزار ہے جس کو میں نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ میرے احسانات کا یہ صلہ ہے!

ہرمیس : تم تو دیوانے ہو گئے ہو! بالکل ہی دیوانے! شاید تمھاری عقل ماری گئی ہے۔

پرومے تھیس : اگر اپنے دشمنوں سے نفرت کرنا دیوانگی ہے تو مجھے اس سے انکار نہیں۔ مجھے اپنی دیوانگی کا اعتراف ہے۔

ہرمیس : شاید خوشحالی اور برومندی تمھیں راس نہیں آئی۔ تم اس کے متحمل نہیں ہو سکے۔

پرومے تھیس : آہ!

ہرمیس : آہ؟ جوپیٹر کے کان اس لفظ سے بالکل ناآشنا ہیں۔

پرومے تھیس : وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔

ہرمیس : لیکن وقت جو سب کو سکھا سکتا ہے، اس نے تمھیں اب تک عقل سے کام لینا نہیں سکھایا۔

پرومے تھیس : ٹھیک کہتے ہو، ورنہ میں اس طرح ایک حقیر غلام کے منھ نہ لگتا۔

ہرمیس : تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جوپیٹر کا حکم نہیں مانو گے اور اس کی بات کا جواب نہیں دو گے؟

پرومے تھیس : وہ جیسا سلوک میرے ساتھ کر رہا ہے، اس کا جواب یہی ہے۔

ہرمیس : تم میرے ساتھ بچوں کا سا سلوک کر رہے ہو۔

پرومے تھیس : کیا یہ تمھاری بچپنے ہی کی بات نہیں تھی، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ حماقت آمیز کہ تم میرے منھ سے جواب سننے کی توقع کر رہے تھے؟ کوئی بھی دھمکی یا چالاکی مجھ سے اس راز کو نہیں اگلوا سکتی۔ ہاں مگر یہ کہ میں کسی بھی قیمت پر نہیں بتاؤں گا کہ وہ کون ہے جو اس کی تباہی کا سبب بنے گا؟

ہرمیس : ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔ اس سے تمھیں کوئی فائدہ نہیں۔

پرومے تھیس : بہت پہلے سوچا جا چکا اور طے کیا جا چکا۔ میں جو کچھ کہہ چکا کہہ چکا۔

ہرمیس : اپنے آپے میں آجاؤ اور اگر خود کو حماقت کے ہاتھ بالکل ہی فروخت نہیں کر چکے ہو تو اپنی موجودہ تکلیف سے سبق حاصل کر لو۔

پرومے تھیس : بس بس اپنی نصیحتیں رہنے دو۔ میرا دماغ مت کھاؤ! یہ سب فضول ہے۔ اس خیال میں مت رہو کہ جوپیٹر کے خوف سے یا اس کی مسکراہٹ حاصل کرنے کے لیے میں اپنی روح پر زنانہ پن مسلط کر لوں گا اور اپنے بدترین دشمن سے عورتوں کی طرح ہاتھ پھیلا کر ان زنجیروں کو کھول دینے کی بھیک مانگوں گا۔ یہ ناممکن ہے۔ اور تم یہ بھی دیکھو گے کہ غیر فانی ہی کو کیسے پہلے موت آتی ہے۔

ہرمیس : ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا سارا کہنا سننا بےکار گیا۔ میری تمام گذارشات کا تم پر کوئی بھی اثر نہیں ہوا۔ تمھارا حال اس بچھیرے کا سا ہے جو اپنے منھ سے دہانے کو کاٹنے کی کوشش کرتا ہے اور لگام سے دھینگا مشتی کرتا ہے۔ تم اپنی بے حاصل چالاکی پر بھروسہ کر کے اتنے اکڑ رہے ہو۔ اس غصہ اور چالاکی کا حاصل حصول کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی بے وقوف کی خود رائی سے زیادہ بے بنیاد بات کیا ہو سکتی ہے۔

ایک بار پھر سوچ لو! اگر تم میرے اس بر وقت انتباہ کو ٹھکراتے ہو تو معلوم ہے کہ کیسا زہریلی طوفان اور تباہی کا کیسا سیل بے پناہ تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس وقت تم بچنا بھی چاہو گے تو نہیں بچ سکو گے۔ جوپیٹر اپنی گرج سے ان چٹانوں کو چکنا چور کر دے گا اور بجلیاں ان کو جلا کر خاکستر کر دیں گی اور تم اس تودہ خاک کی گہرائیوں میں دفنا دیے جاؤ گے اور وہاں اس وقت تک

دبے رہو گے جب تک اس کی مرضی ہو گی ۔ جب وہ چاہے گا اسی وقت تمھیں دن کی روشنی دیکھنی نصیب ہو گی اور اس وقت نئے عذاب تمھارے لیے تیار ہوں گے ۔ ایک پردار سگ تازی آئے گا اور ایک آتشیں عقاب ۔ یہ دونوں اتنے خوں آشام ہوں گے کہ تمھارے جسم کو نوچ نوچ کر کھائیں گے ۔ اور ہر روز ایک ناخواندہ مہمان آئے گا جو تمھارے سودۂ جگر کو چبائے گا اس عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہو گی بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں مگر یہ کہ کوئی دیوتا تمھارے اس عذاب کو اپنے اوپر لے لے اور اپنی منور فضا سے دست بردار ہو کر جہنم کی تاریکیوں اور عمیق گہرائیوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے ۔

اچھی طرح سوچ لو ! یہ خالی پھیکی دھمکیاں نہیں ہیں بلکہ ایسے نپے تلے الفاظ ہیں جو حقیقت میں تبدیل ہو جائیں گے ۔ جوپیٹر کے لب جھوٹ سے ناآشنا ہیں ۔ اس کی کوئی بھی بات ایسی نہیں جو پوری نہ ہو ۔ اس کے الفاظ اس کے عمل کے آئینہ دار ہیں ۔ خوب غور کر لو ۔ ضد میں اپنے کانوں کو بند مت کرو ۔ اور عقل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو ۔

سردار طائفہ : ہرمیس نے ٹھیک ہی کہا ہے اور بر وقت آگاہ کر دیا ہے ۔ وہ ضد کو چھوڑ کر ایک مفید مشورہ مان لینے کو کہہ رہا ہے ۔ اس کی بات مان لو ۔ اپنی عقل کو حماقت کا شکار نہ ہونے دو کہ پھر پچھتانا پڑے ۔

پرومے تھیس : یہ سب مجھے خوب معلوم ہے ۔ اس نے کوئی نئی بات نہیں بتائی ۔ کیا یہ کوئی انوکھی بات ہے کہ دشمن اپنے دشمن سے انتقام لے ۔ میں پہلے ہی تیار ہوں ۔ وہ آتشیں بجلیوں کو حکم دے کہ وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں ۔ وہ رعد سے ارض وسما کو تہ وبالا کر دے اور ہولناک بادِ صرصر سے زمین کی جڑیں ہلا دے ۔ سمندروں میں ایسا طوفان برپا کر دے کہ ستاروں تک کا راستہ گم ہو جائے اور ان سب کا غضب مجھے اپنی لپیٹ میں لے لے اور سقر کی تاریک گہرائیوں میں پھینک دے ۔ تقدیر کی ان آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا میں وہاں پڑا رہوں گا اور یہ سب جھیل لوں گا ۔ لیکن مروں گا نہیں ۔ میرا وجود ختم نہیں ہو سکتا ۔

ہرمیس: جس پر جنون کا دورہ پڑ گیا ہو وہی ایسی بڑ ہانک سکتا ہے۔ وہ دیوانہ ہو گیا ہے اور اب اپنے کیے کو بھگتے گا۔

[طائفہ سے]

تم اس کی شریکِ غم ہو، شریکِ جرم نہیں۔ اس مغضوب مقام سے جلد ہٹ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ برق و رعد کی گرج تمھارے بھی حواس مختل کر دے۔

سردارِ طائفہ: کوئی اور مشورہ دو، ہم قبول کریں گے۔ ایسی مہمل باتیں مت کرو جو ہمارے کانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوں۔ ایسی صلاح مت دو جس سے ہر انصاف پسند دل نفرت کرتا ہو۔ جو بھی ہو، اب اس کے دکھ درد میں ہم شریک ہیں۔ جو بھی بیتے، اب اس کو چھوڑ کر ہم نہیں جائیں گے۔ غدار کے نام سے بھی ہمیں نفرت ہے۔ زمین پر بہت سی لعنتیں ہیں مگر اس سے بڑی کوئی لعنت نہیں کہ ضرورت میں دوست ساتھ چھوڑ بیٹھے۔

ہرمیس: میرے دانش مندانہ مشوروں کو مان لو نہیں تو پھر جب تباہی کے جال میں پھنس جاؤ تو قسمت کو مت کوسنا اور نہ جوپیٹر کو الزام دینا کہ اس نے تمھارے معصوم سروں پر ایسی تباہی نازل کر دی۔ تمھارے دکھوں کو دیوتا نہیں بلکہ تمھاری حماقتیں جنم دیتی ہیں۔ جوپیٹر نے کوئی جال تمھیں پھنسانے کے لئے نہیں پھیلایا۔ تباہی کا جال تم خود اپنے گرد بن رہی ہو۔ جب اس میں پھنس جاؤ گی تو کوئی ہاتھ اس سے نجات نہیں دلا سکے گا۔

[ہرمیس غائب ہو جاتا ہے۔ رعد و برق کا آغاز]

پرومے تھیس: لیجیے اس کی دھمکیاں عمل میں آنا شروع ہو گئیں۔ زمین میں زلزلہ آ گیا ہے۔ رعد کی آواز گونج رہی ہے۔ آتشیں بجلیاں میرے گرد گھیرا ڈال رہی ہیں، گرد کے بگولے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہر چہار سمت سے تند و سرکش ہوا کے جھکڑ طوفان بپا کر رہے ہیں اور سمندر اور آسمان ایک ہو گئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس جابر دیوتا نے اپنے قہر و غضب کی ساری قوتوں کو میرے خلاف صف آرا کر دیا ہے۔ مقدس قابلِ پرستش ماں، تھیمس! تیرا نور تمام جانداروں کا احاطہ کر لیتا ہے، اس ظلم و ناانصافی کو بھی دیکھ لے!

[تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں غائب ہو جاتا ہے۔]

سوفوکلیز

۴۹۶ تم سوفوکلیز کا سن پیدائش قرار دیا جاتا ہے۔ قسمت نے اس کو خوب خوب نوازا۔ وہ ایک دولتمند باپ کا بیٹا تھا۔ نہایت حسین وجمیل۔ ۴۸۰ ق م میں یونانیوں نے بحری جنگ میں فتح پاکر سلامی پر قبضہ کیا تو خوشی کی تقریبات منائی گئیں۔ ہدیۂ تشکر پیش کرنے والے طائفہ میں سوفوکلیز پہلی بار نظر آتا ہے۔ یہیں سے وہ روشناس خلق ہوا اور پھر مقبول خلائق ہوا۔ ۲۸ سال کی عمر میں ہی اس نے اپنے بزرگ حریف ایسفکس کو شکست دے کر ڈرامائی مقابلہ میں اول انعام حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ۳۱ مقابلوں میں حصہ لیا اور ۲۴ مرتبہ اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اعلیٰ درجہ کا فن کار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک سیاست داں اور مدبر کی حیثیت سے بھی ابھر کر سامنے آیا۔ سلطنت ایتھنا میں وہ مختلف جلیل القدر مناصب پر فائز رہا۔ ۴۰۶ ق م میں اس نے انتقال کیا۔

اس کے کم وبیش ۱۲۰ ڈراموں میں سے اس وقت صرف ۷ ڈرامے باقی ہیں۔ اینٹی گونی (۴۴۱ ق م)، شاہ اڈیپس (۴۳۰ ق م)، الیکٹرا (۴۱۸ - ۴۱۰ ق م)، اجیکس (زمانہ غیر متعین)، خواتین ٹراکی (زمانہ غیر متعین)، فلوک تے تیز (۴۰۹ ق م)، اڈیپس کالونس میں (۴۰۱ ق م میں پیش کیا گیا)۔ اس کی فنی ریاضت، جدت طرازی اور جودت طبع اس کی عام مقبولیت کا سبب بنی۔ تیسرے کردار کی شمولیت، کورس میں ۱۲ کے بجائے ۱۵ افراد کی جماعت اور اسٹیج کا منظر اس کی اولیات میں ہیں۔ اس نے سہ تمثیلی اکائی کے بجائے ہر ڈرامے کو ایک مکمل اکائی بنانے کی بنیاد ڈالی۔ اس نے خارجی مصنوعی آرائش کے بجائے سادگی پر توجہ صرف کی۔ غنائی اجزا کی بھرمار کو کم کیا۔ اس کے مکالمے برجستہ مگر کرداروں کی شخصیت کے غماز ہیں اور کردار باوقار ہیں۔ اینٹی گونی اور الیکٹرا انسانی لطافت و دلکشی کے ساتھ ہمت واستقلال

کی پیکر ہیں۔ خود اس کے قول کے مطابق اس نے کرداروں کو ویسا پیش کیا جیسا ان کو ہونا چاہیے تھا۔ اس نے کرداروں سے زیادہ پلاٹ پر توجہ صرف کی تاکہ اجزا کے بجائے کل کی تکمیل ہو اور بھرپور تاثر پیدا ہو سکے۔ اس نے تجزیۂ ذات کے بجائے افراد کے تصادم کو اپنا موضوع بنایا۔ ایک وقت میں وہ نہایت شفیق، ہمدرد اور پرسوز جذبات کا حامل نظر آتا ہے تو دوسرے وقت میں وہ اپنے کرداروں کے ساتھ بہت بے رحمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ اجیکس، ہیرکلیز (خواتین ٹراکی) اور شاہ ایڈیپس کے انجام پر اس کو ذرا بھی تاسف نہیں ہوتا۔ آنکھیں پھوڑ لینے کے بعد عبرت ناک حالت میں ایڈیپس کا دیر تک اسٹیج پر نظر آنا خود اس کی شقاوت قلبی کی دلیل ہے۔

شاہ ایڈیپس کا قصہ تقدیر کی جبریت کی انتہائی شکل کہی جا سکتی ہے۔ اپنے باپ کو قتل کر دینا اور اپنی ماں سے شادی کر لینا ایسے گھناؤنے فعل ہیں کہ کوئی انسان ان کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن جب قسمت میں یہی لکھا ہے تو ان سے گریز کی لاکھ کوشش کے باوجود ایڈیپس نادانستہ طور پر ان کا مرتکب ہو جاتا ہے اور پھر دیوتاؤں کا مزید ستم یہ کہ اس کی سزا بھی اسے بھگتنی پڑتی ہے۔

تھیبی کے بادشاہ لائس سے دیوتا ناراض ہوتے ہیں تو اس کا اپنے بیٹے کے ہاتھ سے قتل کیا جانا مقدر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ بیٹا اپنی ماں سے شادی کرے گا۔ بیٹا پیدا ہوتے ہی اس کے دونوں ٹخنوں کو کڑے میں جکڑ کر پہاڑوں پر پھنکوا دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی موت آپ مر جائے اور تقدیر کا رخ پلٹ جائے۔ لیکن قسمت اس بچے کو دوسرے بادشاہ پولی بس کی گود میں پہنچا دیتی ہے، جہاں اس کی پرورش ہوتی ہے۔ عنفوان شباب کو پہنچتا ہے تو اپنی جوانی رعنائی اور شجاعت سے رعایا کے دلوں پر حکمرانی کرنے لگتا ہے لیکن اس کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ پولی بس اس کا اصل باپ نہیں ہے۔ وہ فال نکلواتا ہے کہ حقیقت حال سے آگاہ ہو سکے۔ یہاں سے اس سوال کا جواب ملنے کے بجائے اشارہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے اپنی ماں سے شادی کرے گا۔ اس کی روح لرز اٹھتی ہے اور خوفزدہ ہو کر وہ پولی بس کے پاس سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے کہ اس صورت حال سے دوچار نہ ہو۔ لیکن ایک چوراہے پر راستہ روکے جانے پر وہ پانچ آدمیوں کے ایک قافلے سے لڑ پڑتا ہے۔ چار کو قتل کر ڈالتا ہے۔ ان میں سے ایک لائس بھی تھا۔ پہلی پیش گوئی سچ ہو گئی۔ زاں بعد

تھیبس پر اسفنکس کا عذاب مسلط ہے جو اپنے سوالوں کا جواب نہ پاکر وہاں کے باشندوں کو لقمۂ اجل بنا رہی ہے۔ عاجز آکر بیوہ ملکہ یوکاستا کا بھائی جو تھیبس کا قائم مقام بادشاہ بھی ہے، یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص فنکس کو ختم کر دے وہ تھیبس کا بادشاہ بنا دیا جائے گا اور یوکاستا اس کی زوجیت میں دے دی جائے گی۔ اڈیپس فنکس کے سوالوں کے جواب دے کر اس کا خاتمہ کر دیتا ہے اور دونوں انعام حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی زوجیت میں آنے والی ملکہ اس کی ماں ہے۔ دوسری پیش گوئی بھی عمل میں آگئی۔ قسمت سے بھاگنے کی کوشش میں اس نے خود کو قسمت کے حوالے کر دیا۔

اب ادبار کا دوسرا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ تھیبس میں طاعون پھیل جاتا ہے کہ لائس کے قاتل کو سزا نہیں دی گئی۔ قاتل کو سزا ملنی چاہئے، لیکن قاتل کون ہے؟ خود اڈیپس اس کی تفتیش شروع کرتا ہے اور بالآخر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی قاتل ہے اور اس کے بارے میں دونوں پیشین گوئیاں صحیح ثابت ہو چکی ہیں۔ یوکاستا خودکشی کر لیتی ہے اور اڈیپس اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا ہے۔

لیکن کیا وہ اس انجام سے نہیں بچ سکتا تھا؟ کیا وہ گوشہ نشینی اختیار نہیں کر سکتا تھا؟ کیا وہ خودکشی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسے گھناؤنے افعال سرزد ہونے سے پہلے ہی اس کا وجود ختم ہو جائے؟ کیا وہ کسی کو قتل نہ کرنے اور شادی نہ کرنے کا عہد نہیں کر سکتا تھا؟ یا کم از کم اپنے سے بڑے کو قتل کرنے اور اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنے سے گریز نہیں کر سکتا تھا؟ لیکن یہ سب کرتا تو قسمت کا بدا کیسے پورا ہوتا؟ وہ تقدیر سے بھاگتا ہے لیکن خود کو تقدیر کا شکار بنا دیتا ہے۔

اڈیپس تقدیر کی اس جبریت کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتا۔ وہ اپنے افعال کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور ان کے لئے خود کو سزا کا مستحق قرار دے لیتا ہے۔ اس طرح اس کا المناک انجام ہمارے سامنے آتا ہے۔ لیکن سوفوکلیز نے اپنے دوسرے ڈرامے "اڈیپس کالونس میں" میں دوسرا نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ وہاں وہ اپنے ہیرو کی بے گناہی ثابت کرتا ہے۔

اس ڈرامے میں بعض ناقابلِ یقین حقیقتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو قاری کے دل میں تشکیک پیدا کر کے قصہ کے تاثر کو کم کر سکتی تھیں، لیکن سوفوکلیز کا دلکش اندازِ مناظر

کی دھوپ چھاؤں اور ڈرامائیت کی تیز روکسی اور طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتی۔ تجسس ہمیں کشاں کشاں لئے چلتا ہے اور ادھر ادھر دیکھنے کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس ڈرامے نے ہر دور کے نقادانِ فن سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

سوفوکلیز کے دو ڈرامے "ایڈیپس کالونس میں" اور "اینٹی گونی" اس ڈرامے کا تکملہ ہیں۔ آخر الذکر میں ایڈیپس کے بیٹوں اور بیٹیوں کا انجام دکھایا ہے۔ گناہ و سزا کا جو چکر لائس سے شروع ہوا تھا وہ اینٹی گونی میں جاکر پورا ہوتا ہے اور کئی خاندانوں کی تباہی کے بعد دیوتاؤں کی آتشِ غضب ٹھنڈی ہوتی ہے۔

شاہ ایڈیپس

کردار

ایڈیپس	تھیبی کا بادشاہ
یوکاستا	ایڈیپس کی ملکہ
اینٹی گونی	ایڈیپس کی بیٹی
اسمینی	"
کریون	یوکاستا کا بھائی
ترِیاس	پیش گو نابینا

پادری، قاصد، گوالا اور کورس

مقام : تھیبی میں بادشاہ ایڈیپس کا محل

[ایڈیپس شاہی محل کے دروازے پر نظر آتا ہے۔]

ایڈیپس : عزیزو! کیڈمس کے جگر گوشو! تم ہمارے حضور کیوں آئے ہو؟ تم شاخ فریاد کیوں لئے پھرتے ہو؟ تمام شہر میں بخورات مقدسہ کا دھواں ہے اور نوحہ و فغاں اور عبادت کی گونج! [پادری کی طرف مخاطب ہو کر] ہم تمھارے علاوہ حقیقت حال اور کسی سے بھی دریافت نہیں کریں گے اس لئے ہم خود تم سے پوچھتے ہیں۔ کیا تم کوئی ایسی بات بتا سکتے ہو جو ہم کر سکتے تھے اور ہم نے نہیں کی؟ ہم شاہ ایڈیپس جو انسان بھی ہیں صرف وہی کر سکتے ہیں جو ہم جانتے ہیں۔ ہم نے شاید کچھ سختی برتی کہ فریادیوں پر رحم نہیں کیا۔

پادری : وطن عزیز کے بادشاہ! آپ کی بارگاہ میں ہر عمر کے لوگ حاضر ہیں۔ کچھ اتنے چھوٹے ہیں کہ اتنا طویل سفر کرنا ان کے لئے نہایت دشوار تھا۔ کچھ مجھ جیسے زیوس کے پجاری بہت بوڑھے بھی ہیں۔ ہمارے ساتھ منتخب نوجوان لوگ ہیں اور ہمارے پیچھے بازاروں میں لوگوں کا ہجوم ہے۔ وہ شجر زیتون کی شاخیں لئے ہوئے ہیں۔ ہم اس لئے حاضر ہیں کہ شہر موت کے خوفناک جنگل میں ہے۔ اس ہولناکی سے فرار کی مہلت بھی نہیں ہے۔ باد سموم چلی جس نے لہلہاتی کھیتیاں پھل دار درختوں اور مویشیوں کے گلوں کو تباہ کر دیا۔ حجلہ ہائے عروسی کو بھی نہیں چھوڑا —— اب شہر بھر میں طاعون نے قیامت مچائی ہے۔ شاہا! خدا کے بعد انسانوں میں افضل آپ ہی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ جب آپ اس شہر تھیبس میں پہلی بار آئے تو آپ نے ہمیں اس ظالم مغنیہ اسفنکس سے نجات دلائی۔ ہم سب فریادی آپ سے التجا کرتے ہیں کہ کچھ مدد کیجئے، خواہ آپ اپنی بشری قوت سے یہ کارنامہ انجام دیں یا دیوتاؤں کی قربت کی بدولت ان کے القا کئے ہوئے طریقے سے ہماری ریاست کو بچائیے! اپنی شہرت کا خیال

کیجئے! آپ کی آمد ہمارے لئے خوش بختی لائی۔ اب بھی ہماری یاوری کیجیے۔ آپ یہ نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ویرانوں پر حکومت کرنے کے مقابلہ میں انسانوں پر حکمرانی کرنا کہیں بہتر ہے۔ اگر انسان نہ ہوں تو یہ محفوظ و مامون شہر اور یہ دیو قامت جہاز سب فضول ہیں۔

ایڈیپس: محزون و غمگین عزیزو! ہم جانتے ہیں جو مجبوری تمھیں لائی ہے اور جس مصیبت میں تم مبتلا ہو! لیکن تمھارے مصائب خواہ کچھ بھی ہوں، تم میں سے کوئی بھی ہمارے ابتلا کو نہیں پہنچتا۔ تم میں سے ہر شخص خود کا نوحہ گر ہے، لیکن ہماری روح اور ہمارا ضمیر پورے شہر کے لئے ـــــ خود اپنے لئے اور تم سب کے لئے گریاں ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم کسی خوابیدہ شخص کو بیدار کرنے، کسی بے خبر کو خبردار کرنے کے لئے آئے ہو ـــــ بالکل نہیں۔ ہمارا دل بھی رو رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ہم ان مصائب کے حل اور تدارک کے لئے برابر کوشاں و متلاشی رہے ہیں اور اس تلاش کے نتیجہ میں جو کچھ ہم نے بہتر خیال کیا ہے، پہلے ہی کر ڈالا ہے۔ ہم نے مینیکیس کے بیٹے کریون یعنی اپنی چہیتی بیوی کے بھائی کو اپولو کے مقام الفاڈیلفائی بھیج دیا ہے تاکہ وہاں وہ معلوم کر سکے کہ ہمارا کون سا قول یا عمل اس شہر کی نجات کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کو ضرورت سے زیادہ دیر ہو چکی ہے۔ ہم ایک ایک دن شمار کر رہے ہیں اور پریشان ہیں۔ لیکن جیسے ہی وہ آئے ہم پوری دیانت داری کے ساتھ دیوتاؤں کا حکم بجالائیں گے۔

پادری: آپ نے بر وقت ارشاد فرمایا۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ کریون تشریف لے آئے ہیں۔

ایڈیپس: خداوند اپولو! اس کا چہرہ دمک رہا ہے، وہ ضرور کوئی خوش خبری لایا ہوگا۔

پادری: وہ یقیناً خوش خبری لایا ہے کیوں کہ اس کے سر پر بیج پات کا تاج دھرا ہوا ہے[1]۔

ایڈیپس: ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ وہ اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی آواز سنی جا سکتی ہے [کریون داخل ہوتا ہے] شہزادے! میرے بھائی مینکیس کے بیٹے

---

[1] فتح و ظفر اور اعزاز کی نشانی

دیوتا کے پاس سے کیا جواب لائے ہو؟

کریون : بہت خوش کن! جب کجی کو سیدھا کر دیا جائے تو مصائب خوشیوں میں بدل جاتے ہیں۔

ایڈیپس : الہام ربانی کیا ہوا؟ ان مبہم الفاظ سے تردد دور نہیں ہوتا۔ ہم ابھی تک امید وبیم میں مبتلا ہیں!

کریون : کیا آپ یہیں مجمع عام میں میری بات سنیں گے؟ میں تو گوش گذار کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن کیا اندر تخلیہ میں نہ چلیں؟

ایڈیپس : نہیں! ان کے سامنے ہی بیان کر دو! ہم بھی تو ان کے لئے ہی پریشان ہیں۔ اپنی ذات کا ہمیں کوئی غم نہیں۔

کریون : آپ کی اجازت سے میں وہ تمام باتیں صاف صاف اور بے کم وکاست بیان کروں گا جو میں نے ڈیلفائی میں سنیں۔ دیوتا کا حکم ہے کہ ہم سرزمین تھیبی سے اس نجاست کو دور کر دیں جو ایک عرصے سے یہاں موجود ہے۔ یہ ایک تباہ کن بات ہے اور اب اسے مزید پنپنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

ایڈیپس : یہ نجاست کیا ہے؟ اس سے چھٹکارا کیسے حاصل ہو گا؟

کریون : شہر بدری یا موت! خون کا بدلہ خون! خون ناحق کے باعث شہر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔

ایڈیپس : خون ناحق! مگر کس کا؟ دیوتاؤں نے یقیناً اس کی نشاندہی کی ہو گی؟

کریون : میرے آقا! یہاں آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس سرزمین پر لائس کی حکمرانی تھی۔

ایڈیپس : ہم جانتے ہیں۔ ہم نے اسے نہیں دیکھا، لیکن ہم نے دوسروں سے اس کے بارے میں سنا ہے۔

کریون : اس کو قتل کیا گیا تھا۔ اور اب حکم ربانی یہ ہے کہ اس کا قصاص لیا جائے۔ قاتل خواہ کوئی بھی ہو۔

ایڈیپس : وہ کون ہے؟ اتنی مدت گذر جانے کے بعد مجرم کا سراغ کہاں ملے گا؟

کریون : بتایا یہ گیا ہے کہ وہ اسی سرزمین پر ہے۔ بے توجہی سے جو چیزیں نظروں سے

اوجھل ہوجائیں تلاش سے وہ مل جاتی ہیں۔

ایڈیپس: ذرا یہ تو بتلاؤ کہ لائس کا قتل کہاں ہوا؟ اس کے محل میں یا میدان میں یا ملک سے باہر؟

کریون: بتایا یہ گیا ہے کہ وہ ڈیلفائی کی زیارت کے لئے گیا تھا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔

ایڈیپس: کیا وہاں کوئی نہیں تھا؟ کوئی ساتھی، کوئی ہم سفر، کوئی دیکھنے والا؟ کوئی تو ہوگا جس سے اس کے بارے میں تفتیش کی جا سکے؟

کریون: سب مارے گئے۔ صرف ایک شخص بچ نکلا۔ وہ بھی اتنا دہشت زدہ تھا کہ اسے ایک کے علاوہ کوئی بات یاد ہی نہیں رہی۔

ایڈیپس: وہ ایک بات کیا تھی؟ اگر ہم تہیہ کرلیں تو اسی ایک بات سے سراغ نکل سکتا ہے۔

کریون: اس کا کہنا تھا کہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ان پر ٹوٹ پڑا اور سب کو حتیٰ کہ بادشاہ کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

ایڈیپس: تعجب کی بات ہے! ڈاکوؤں کی یہ ہمت کیسے ہوسکتی ہے؟ ضرور کسی نے ان کو یہیں سے شہ دی ہوگی۔

کریون: ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن لائس کے قتل کے بعد ہمیں نئی مصیبتوں نے آگھیرا اور کسی کو بدلہ لینے کا خیال بھی نہ آسکا۔

ایڈیپس: ایسی کیا افتاد پڑی کہ تم لوگ قاتلوں کی تلاش بھی نہ کر سکے؟

کریون: معمہ باز اسفنکس کا تاریک سایہ ہم پر مسلط ہوگیا۔ اس کے نغموں کے علاوہ ہمیں کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ہمارے ذہن سے ہر بات نکل گئی۔ اسی ایک بلا کا خیال ہمیں پریشان کرتا رہا۔

ایڈیپس: اچھا اب ہم جستجو شروع کرتے ہیں۔ ان تاریکیوں سے ہم پردہ اٹھائیں گے۔ لائس کے ساتھ انصاف کرکے ہم خود اپنا بھی دفاع کریں گے۔ کیوں کہ جس نے لائس کو قتل کیا ہے، وہ ہمارے خلاف بھی ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکتا ہے۔ عزیزو! اب قربان گاہ سے اٹھو۔ زیتون کی شاخیں اٹھالو۔ تم میں سے ایک جاکر کیڈمس کے سارے باشندوں کو بلا لائے۔ [ایک غلام چلا جاتا ہے] ہم تحقیق کریں گے اور خدا کو جو منظور ہے یا تو خوشی و سکون سے ہمکنار ہوں گے یا بالکل تباہ

ہو جائیں گے۔

پادری: اٹھو عزیزو! اسی لئے ہم آئے تھے۔ بادشاہ سلامت نے ہمیں یقین دلایا ہے۔ اپولو نے یہ القا کیا ہے۔ اب شاید وہ نزول کرے اور ہمیں نجات دلائے۔ یہ طاعون کی وبا دور ہو۔

[طائفہ کا داخلہ]

طائفہ: ڈیلفائی کے سنہرے مکان سے تھیبی کے باشندوں کے لئے کیا پیغام ہے؟ خوش گلو زیوس نے کیا تباہی کا پیغام بھیجا ہے؟
کیا زمانہ ہمارے لئے وہ ہیبت ناکیاں لانے والا ہے جن سے ہمارے اجداد کو سابقہ پڑا تھا یا ایسی ہیبت ناکیاں جو ابھی تک چشم انسانی نے نہیں دیکھیں؟
خوف سے دل لرز رہا ہے اور میں بے تابانہ آہ و فغاں کر رہا ہوں۔
اور اب پر اسرار دہشت کے ساتھ دیوتاؤں کے حکم کا انتظار کرنا چاہتے۔
اپولو! ذرا موت کے دیوتا کو تھام جو کسی زندہ شخص کو چھوڑ ہی نہیں رہا ہے اور جس سے کسی کو پناہ نہیں مل رہی ہے۔
طاعون سے جو کچھ بچا اسے قحط نے نگل لیا، تمام فصلیں تباہ ہو گئیں۔
خلا کو نئی زندگی پر نہیں کر رہی ہے۔
اس مغضوب مغربی ساحل پر شب گرفتہ چڑیوں کی طرح ایک کے بعد ایک بدروح نازل ہو رہی ہے۔
غم غم سے ہم کلام رہتا ہے اور آرام و سکون مفقود ہے۔
اوہ خدایا! اب تو اسے سرزمین تھیبی سے جلد نکال اور ان عمیق سمندروں میں غرق کر دے جہاں کوئی انسان لنگر انداز نہیں ہوتا۔
اے مالکِ رعد و برق! بجلیوں کو آزاد کر دے۔ ان میں کڑک اور گرج شامل کر کے ہمارے اس دشمن کے سر پر پٹک دے، کیونکہ اب تو موت کا ہی دور دورہ ہے۔ جب تک کہ خود اسے موت نہ آجائے۔ دہائی ہے اس منفور دیوتا کے نفرت انگیز چہرے کے خلاف! اے اپولو! سورج کی کمان کو اتنا تان دے کہ اس سے تیر برسنے لگیں۔

اے ارتمیس! ہمارے پہاڑوں پر اپنی شعلہ چکاں روشنیوں کے ساتھ دوڑ!
اے سرخ دیوتا ڈایونسس اپنی سنہری ابرووں اور اپنی دیوداسیوں کے طوفانی رقص کے ساتھ موت کو اپنے نرغہ میں لے لے۔

ایڈیپس : تم مناجات والحاح وزاری کر رہے ہو۔ شاید یہ قبول ہو۔ اٹھو اور سنو۔ حالات کو سمجھو اور ان کے تقاضے کے مطابق عمل کرو۔ اس ادبار سے تمھیں نجات مل جائے گی۔ ابھی تک ہم اس قصے سے بے خبر تھے۔ ہم اس جرم سے بھی بے خبر تھے۔ بغیر کسی سراغ کے ہم قاتل کا کیسے پتہ چلا سکتے تھے؟ ہم نے اس قتل کے بعد یہاں کی شہریت اختیار کی۔ کیڈمس کے دلبندو! اب تھیبی کے تمام باشندوں کے لئے ہمارا فرمان یہ ہے:

اگر تم میں سے کوئی شخص اس بات سے واقف ہے کہ لیب ڈکیس کے بیٹے لائس کا قتل کن ہاتھوں سے ہوا تو ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ وہ ہمیں سب کچھ بتا دے۔ اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اس جرم کو اب تک چھپانے کا مجرم ہے تو ہم اس کو یقین دلاتے ہیں کہ اس کو اس سے زیادہ سزا نہیں ملے گی کہ وہ سلامتی کے ساتھ اس سرزمین سے نکل جائے۔ اور اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ یہ کام کسی پردیسی نے کیا ہے تو وہ بھی خاموش نہ رہے۔ ہم اسے انعام دیں گے اور اس کے شکر گزار ہوں گے۔
اگر کوئی شخص خوف سے یا کسی دوست کے پھنس جانے کے خدشے سے خاموشی اختیار کرے گا تو ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم کیا کریں گے: ہم جو اس ملک کے تخت وتاج کے مالک ہیں، باشندگان ملک کے لئے اس شخص سے بات کرنا خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس کو قربانی یا عبادت میں شامل کرنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص کو لوگ اپنے گھروں سے نکال دیں گویا اس نے ہی یہ کام کیا ہے۔ ڈیلفائی میں اپولو نے یہ القا کیا ہے اور ہم اس الہام کے ساتھ خود کو متفق پاتے ہیں اور مقتول بادشاہ کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ ایسے روپوش قاتل کی زندگی بدحالی و بدبختی میں ختم ہو جائے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ وہ یکہ وتنہا ہو یا اور لوگوں کے ساتھ مل کر اس نے یہ کام کیا ہو اور اگر مجرم ہمارا مہمان بھی ہو ہم اس کو بھی یہی بد دعا دیتے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ سزا سن لی۔ اب ہم

تم پر فرض قرار دیتے ہیں کہ جہاں تک انسانی مقدرت ہے ہماری خاطر، اپولو کی خاطر اور اس آفت رسیدہ شہر کی خاطر ان احکام کی پاسداری کی جائے۔ فرض کرو خدائی حکم یہ نہ بھی ہوتا تو کیا اس نحوست کو ایسے ہی چھوڑ دیا جاتا؟ مجرم کا سراغ نہ نکالا جاتا جب کہ تمہارا نیک دل بادشاہ قتل کیا جا چکا ہے؟ وہ تمام لوگ جو مجرم کی تلاش کر سکتے تھے اور نہیں کی، گنہگار ہوئے ہیں۔ چوں کہ اب ہم اس قوت و اقتدار کے مالک ہیں جو کبھی اس کے پاس تھا اور اس کی زوجہ اب ہمارے محل میں ہے، اگر وہ زندہ ہوتا تو وہ اس کے وارثوں کو جنم دیتی اور اگر لائس باپ بنا ہوتا تو اس کے بیٹے ہمارے بچوں کے بھائی ہوتے، ہم خود کو اس کے بیٹے کی جگہ رکھتے ہیں اور اب اس معاملہ کو اپنے والد کا معاملہ قرار دے کر ہم جدوجہد کریں گے۔ حکم عدولی کرنے والوں کے لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ رزق اور اولاد دونوں سے محروم رہیں، بلکہ وہ اس طاعون سے ہی ہلاک ہو جائیں یا اس سے بھی زیادہ کسی اذیت میں مبتلا ہوں اور ہمارا حکم سننے والوں اور اس کی تعمیل کرنے والوں پر برکتیں نازل ہوں۔

طائفہ : ہم قاتل کو نہیں جانتے۔ اپولو نے تلاش و جستجو کا حکم دیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ خود ہی مجرم کا نام بتا دیتا۔

ایڈیپس : بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن کوئی بھی شخص دیوتاؤں کو ان کی مرضی سے زیادہ بولنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

سردار طائفہ : پھر چارۂ کار کیا ہے؟ میں بتاتا ہوں۔

ایڈیپس : بتاؤ ضرور بتاؤ! اور کیا طریقہ ہے؟

سردار طائفہ : ہمارے آقا ترسیاس بھی ہمارے آقائے اپولو کی طرح پیش گو ہیں اور ان کے ذریعہ انکشاف حقیقت ہو سکتا ہے۔

ایڈیپس : کریون نے یہ مشورہ دیا تھا اور ہم اس کو دوبارہ طلب کر چکے ہیں۔

سردار طائفہ : ان کی مدد حاصل نہ ہو تو ہمارے پاس پرانی مبہم افواہوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ایڈیپس : کون سی افواہیں؟ ہم ہر واقعہ کو پرکھنا چاہتے ہیں۔

سردار طائفہ : کہا جاتا ہے کہ بعض رہزنوں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔

اڈیپس : یہ ہمیں معلوم ہے! لیکن اس کو دیکھنے والا وہاں کون تھا؟

سردار طائفہ : اگر کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی خوف ہے اور اس نے عالی جاہ کی بد دعا کو سنا ہے تو وہ خاموش نہیں رہ سکتا۔

اڈیپس : لیکن جس شخص کو ایسے خطرناک کام سے خوف نہیں آیا، وہ محض لفظوں سے کیا خوف کھائے گا؟

سردار طائفہ : لیکن ایک شخص ہے جو مجرم کا پتہ ضرور نکال لے گا۔ وہ نابینا غیب داں آرہا ہے سب انسانوں سے زیادہ حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے

[ترسیاس ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑے آتا ہے]

اڈیپس : ترسیاس! اسرار قدرت کے رازداں! آپ گفتہ و ناگفتہ کا علم رکھتے ہیں اور زمین و آسمان میں ظاہر ہونے والی علامتیں آپ پر منکشف ہیں۔ آپ اگرچہ نابینا ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ شہر پر طاعون کی وبا مسلط ہے اور اس طاعون سے آپ ہی شہر کو بچا سکتے اور محفوظ و مامون رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے استفسار کے جواب میں اپولو نے آگاہ کیا ہے کہ یہ بلا اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم لائس کے قاتلوں کا پتہ نہ چلالیں اور ان کو یا تو قتل کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں۔ کیا آپ پرندوں کی پرواز سے[1] یا اپنی کسی اور خوش تدبیری سے اس ادبار کو دور نہیں کر سکتے کہ خود کو، اس ریاست کو، ہمیں اور ان تمام لوگوں کو جو اس میں گرفتار ہیں نجات دلا دیں۔ ہماری نجات آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے بڑا انسانی فرض اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے علم اور اپنی صلاحیت و استطاعت سے دوسروں کی مدد کرے۔

ترسیاس : اس سے زیادہ المناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ انسان عقل مند ہو اور عقل مندی کی وجہ سے اذیت میں مبتلا ہو۔ حقیقت کا علم بھی ایک بڑا آزار ہے۔ مجھے خوب معلوم ہے! میرے ذہن سے محو ہو گیا، ورنہ میں یہاں بالکل نہ آیا ہوتا۔

اڈیپس : مگر اب کیا ہو؟

---

[1] پرندوں کی پرواز یا ان کے دوسرے اشارات کے بارے میں خیال تھا کہ وہ مستقبل یا لامعلوم ماضی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ترسیاس: میں تو گھر چلا۔ آپ اپنے نصیب کا لکھا بھگتیں اور میں اپنا! بس مجھے اجازت دیجئے۔

ایڈیپس: کتنی عجیب بات ہے! کتنے بے رحمانہ کلمات ہیں یہ۔ آپ اپنے وطن عزیز سے ایسی شقاوت برت رہے ہیں؟ خدارا بولئے!

ترسیاس: میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے ہونٹوں کو سیے ہوئے ہیں۔ میں نے بھی اپنے لب بند کر لئے کہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔

ایڈیپس: آپ کو دیوتاؤں کا واسطہ! ایسی بے رخی نہ برتیے۔ ہم سب آپ سے التجا کرتے ہیں۔

ترسیاس: آپ نہیں جانتے۔ نہیں نہیں! جو کچھ میں جانتا ہوں بالکل نہیں بتاؤں گا۔ اب میں اذیت میں مبتلا ہوں۔ پھر آپ مبتلا ہو جائیں گے۔

ایڈیپس: آخر بات کیا ہے؟ تم سب کچھ جانتے ہو اور کچھ نہیں بتاتے! کیا تم نے ہم سے بے وفائی کرنے اور ریاست کو تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے؟

ترسیاس: آپ یہ سب کیوں پوچھتے ہیں؟ میں خود کو یا آپ کو عذاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ میں کچھ بھی نہیں بتاؤں گا۔

ایڈیپس: تم بڑے ذلیل ہو! تمھارے اس رویہ سے پتھروں کو بھی طیش آجائے گا۔ کیا تمھارا احساس بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ کیا کوئی بات بھی تم پر اثر نہیں کرتی؟ کیا تم کچھ نہیں بتاؤ گے؟

ترسیاس: آپ مجھے بے حس کہتے ہیں لیکن ذرا خود اپنے احساس کی نوعیت کو دیکھیں...

ایڈیپس: کیوں؟ ہماری طرح کون محسوس نہیں کرے گا؟ تمھاری ہٹ دھرمی کو کون برداشت کرے گا؟

ترسیاس: اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں بتاؤں یا نہ بتاؤں، جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔

ایڈیپس: اگر یہی ہے تو تمھیں بتانا بھی ہوگا!

ترسیاس: میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ آپ خواہ کتنے ہی غضب ناک ہو جائیں! کتنے ہی طیش کا اظہار کریں۔

ایڈیپس: طیش! کیوں نہیں؟ اب ہم جو کچھ سوچ رہے ہیں، کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب

سنو۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم نے اس سازش میں مدد کی ہے۔ تم نے خواہ اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام نہ دیا ہو لیکن یہ کیا تم نے ہی ہے۔ اگر تمھاری بینائی ہوتی تو ہم کہتے کہ اس کے کرنے والے تم اور صرف تم ہو۔

ترسیاس : اچھا! آپ یہ فرماتے ہیں! میں کہتا ہوں کہ اپنے فرمان کی تعمیل خود آپ ہی کو کرنی ہوگی اور آج سے آپ نہ ان لوگوں سے ہم کلام ہوں، نہ مجھ سے! اس سرزمین کو نجس کرنے والے آپ ہیں۔

ایڈیپس : یہ دیدہ دلیری! تم سمجھتے ہو کہ ایسی گستاخی کے بعد تم سزا سے بچ سکتے ہو۔

ترسیاس : مجھے کوئی خطرہ نہیں! میں محفوظ ہوں! حق و صداقت میری قوت ہے۔

ایڈیپس : یہ ڈھٹائی تمھیں کس نے سکھائی؟ یہ تو تمھارا وطیرہ نہیں تھا۔

ترسیاس : آپ نے۔ میں بولنا نہیں چاہتا تھا۔ تم نے مجھے مجبور کیا۔ اپنی مرضی کے خلاف مجھے بولنا پڑا۔

ایڈیپس : بولنا پڑا؟ ذرا صاف صاف کہو۔ ہم پھر سنیں۔

ترسیاس : کیا میری بات واضح نہیں تھی؟ کیا آپ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں؟ آپ میری بات پہلے ہی خوب سمجھ چکے ہیں۔

ایڈیپس : نہیں نہیں! ہم نے اچھی طرح نہیں سمجھا! ذرا پھر کہو۔

ترسیاس : میں کہتا ہوں کہ جس قاتل کی تمھیں تلاش ہے وہ خود تم ہی ہو۔

ایڈیپس : تم پھر یہ اہانت آمیز الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ تم پچھتاؤ گے۔ اس کی سزا تمھیں بھگتنی ہوگی۔

ترسیاس : بس یا اور کچھ؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں کچھ اور کہوں جو آپ کی آتش غضب کو بھڑکا دے؟

ایڈیپس : کہو، تم جو کہنا چاہتے ہو کہو، سب مہمل باتیں ہیں۔ ہم پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

ترسیاس : میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ نہایت مکروہ بے حیائی کے ساتھ ــــ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ــــ اپنی عزیز ترین قرابت دار کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

ایڈیپس : کیا تم سمجھتے ہو کہ اس طرح کی باتیں کر کے تمھیں ان کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا؟ کیا تم یہ بکواس جاری ہی رکھو گے؟

ترسیاس : ہاں ہاں ! اگر صداقت میں طاقت ہے۔

ایڈیپس : ہے اور ضرور ہے ___ سب کے لئے ہے تمھارے لئے نہیں کہ تمھارے کان اور آنکھیں اور عقل سب جواب دے چکے ہیں، تم پاگل ہو چکے ہو۔

ترسیاس : پاگل تم ہو۔ تم بے چارے بدنصیب! تم مجھے ملامت کر رہے ہو۔ کچھ دیر بعد کوئی تمھیں ملامت کرتا ہوگا۔

ایڈیپس : ارے شب زائیدہ! تم ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، نہ زیر آسمان کسی اور شخص کو۔

ترسیاس : تمھارا انجام میرے ہاتھوں نہیں ہوگا۔ اس کے لئے اپولو کافی ہے۔ یہ اسی کا کام ہے کہ تمھیں انجام کو پہنچائے۔

ایڈیپس : یہ سب کس نے گھڑا؟ کریون نے یا خود تم نے؟

ترسیاس : کریون تمھارا دشمن نہیں ہے۔ تم خود اپنے دشمن ہو۔ اپنے انجام کا انتظار کرو۔

ایڈیپس : [خود سے] دولت، طاقت، تدبیر، شاہانہ رعب و جلال ___ ان سب کے گن گائے جاتے ہیں۔ انھوں نے آتش حسد کو بھڑکا دیا ہے۔ اس شہر کی حکمرانی بے طلب اور بے خواہش ہمیں سونپی گئی۔ ہمارا قدیمی دوست اور معتمد کریون حسد کا شکار ہو گیا۔ اس کے دل میں اس اقتدار کے حصول کی خواہش پیدا ہو گئی۔ وہ ہمیں تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وہی اس مکار، زر طلب اور ہوس کار پیش گو کو یہاں لایا ہے۔ یہ غیب داں بنا پھرتا ہے لیکن یہ کچھ مجھ سے زیادہ پیش بیں نہیں۔ [ترسیاس سے] ذرا یہ تو بتایئے آپ کا پیش گو ہونا کہاں ثابت ہوا جب اس معمہ باز اسفنکس کا نزول اس شہر میں ہوا تو آپ نے باشندگان شہر کی نجات کے لئے کیا کیا؟ یہ نہیں کہ کوئی سب سے پہلا باہر سے آنے والا شخص ہی اس معمہ کو حل کر سکتا تھا، بلکہ اس کے لئے ایک حقیقی پیش بیں کی عقل درکار تھی اور یہی تمھاری گرہ میں نہیں تھی۔ نہ تمھیں پرندوں سے مدد مل سکی، نہ دیوتاؤں سے! ہم آئے، ہم نے اس کی زبان بند کر دی۔ ہم کہ ناواقف محض تھے۔ ہم نے اپنی فطری ذہانت سے اس کا جواب مہیا کر دیا۔ پرندوں نے ہماری مدد نہیں کی۔ تم ہمیں ہماری جگہ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہو۔ ہمیں تباہ کرنا چاہتے ہو

کہ کریون تخت نشین ہو تو تمھیں اس کی قربت حاصل رہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس میں تختہ الٹنے کی پر جوش خواہش کے باوجود تمھیں اور تمھارے سازشی دوست کریون کو ماتم کناں ہونا پڑے گا۔ اگر تم بوڑھے نہ ہوتے تو تمھیں معلوم ہو جاتا کہ تم کتنے جرأت مند ہو اور اس سازش کی قیمت تم کبھی کی چکا چکے ہوتے۔

کورس : اس شخص کے اور ایڈیپس تمھارے الفاظ غصہ کی حالت میں ادا کئے گئے ہیں۔ غصہ کی ضرورت نہیں۔ ان الفاظ سے کام نہیں چل سکتا۔ ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ دیوتاؤں کے حکم کی تعمیل کیسے ہوتی ہے۔

ترسیاس : آپ اگرچہ بادشاہ ہیں۔ لیکن اعتراض کیا جائے تو جواب دینے کا ہم دونوں ہی کو برابر حق ہے۔ میں آپ کے احکام کا پابند نہیں، اپولو کا محکوم ہوں۔ میں کریون کا کبھی محکوم نہیں ہوں گا۔ مجھے اس سے کیا لینا دینا ہے۔ آپ میری نابینائی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں آپ دونوں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے ہیں۔ آپ نہیں دیکھ سکتے کہ آپ کو کیسی مصیبت درپیش ہے۔ نہ یہ کہ آپ کس کے گھر میں رہ رہے ہیں، نہ یہ کہ کس کے ساتھ۔ آپ نہیں جانتے آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ کے ماں باپ کون ہیں، کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ آپ اپنے قرابت داروں کے دشمن ہیں، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ! اور ایک دن ماں اور باپ دونوں کی بددعا آپ کو اس سرزمین سے اس طرح نکلنے پر مجبور کرے گی کہ آپ کی آنکھوں پر اندھیرا چھایا ہوگا۔ آپ ناراض ہو سکتے ہیں۔ آپ مجھے برا بھلا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کریون کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ روئے زمین پر چلنے والے کسی انسان کی ایسی تباہی نہیں ہوگی جیسی آپ کی ہونے والی ہے۔

ایڈیپس : نکل جاؤ! دور ہو جاؤ یہاں سے! اسی گھڑی دفان ہو جاؤ۔

ترسیاس : میں تو یہاں کبھی بھی نہ آتا، اگر آپ نے نہ بلایا ہوتا۔

ایڈیپس : ہم نے تمھیں اس لیے نہیں بلایا تھا کہ تم یہاں آ کر یہ بکواس کرو۔ خود کو اور ہمیں بھی دیوانہ بتاؤ۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم پاگل ہو چکے ہو۔

ترسیاس : دیوانہ؟ آپ کے والدین تو مجھے ہوش مند سمجھتے تھے۔

ایڈیپس : خاموش! پھر میرے والدین کی بات! کون تھے میرے والدین؟

ترسیاس : آج ہی آپ کو اپنے باپ کا حال معلوم ہوگا اور اسی سے آپ کی تباہی کا آغاز ہوگا۔

ایڈیپس : تمھاری یہ بچوں کی سی پہیلیاں ! تمھاری یہ ملعون بکواس !

ترسیاس : لیکن پہیلیاں بوجھنے میں تو آپ بے حد مہارت رکھتے ہیں۔

ایڈیپس : کیا تم اس بات کا مذاق اڑانا چاہتے ہو جس نے ہمیں عظمت بخشی ؟

ترسیاس : اور یہی آپ کی تباہی کا باعث بنی۔

ایڈیپس : حالانکہ اس سے یہ شہر بچ گیا۔

ترسیاس : تو میں چلتا ہوں۔ لڑکے ! چلو، مجھے یہاں سے لے چلو۔

ایڈیپس : ہاں ہاں لڑکے اس کو یہاں سے لے جاؤ۔ تم جب تک یہاں ہو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں سکون سے رہنے دو۔

ترسیاس : میں جاؤں گا۔ لیکن جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ پہلے کہوں گا۔ آپ کتنے بھی ناراض ہوں، لیکن مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ آدمی جس کی آپ کو تلاش ہے، وہ مردود شخص جس کو آپ اپنے فرمانوں میں دھمکاتے رہے ہیں، یعنی لائس کا قاتل، وہ یہیں ہے۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدیسی ہے، لیکن جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ تھیبس کا باشندہ ہے اور یہ کوئی خوش کن انکشاف نہیں ہوگا۔ ایک اندھا آدمی، حالانکہ اس وقت اس کی بینائی موجود ہے، ایک بھکاری، حالانکہ اس وقت اس کے پاس بے پناہ دولت موجود ہے، وہ اپنی لاٹھی سے زمین کو ٹٹولتا ہوا چلتا ہوگا؛ جن بچوں کے ساتھ وہ رہتا ہے، وہ ان کا بھائی بھی ہوگا اور باپ بھی۔ اور ان کو جنم دینے والی کا وہ بیٹا بھی ہوگا اور شوہر بھی! بس اب تم اندر جاؤ اور ان باتوں پر غور کرو۔ اور اگر مستقبل میں ان میں سے کوئی بات غلط نکلے تو کہنا کہ مجھے غیب دانی میں کوئی ملکہ نہیں۔

[ترسیاس لڑکے کا ہاتھ پکڑے باہر نکل جاتا ہے اور ایڈیپس محل میں چلا جاتا ہے۔]

طائفہ : ڈیلفائی کی چٹانوں نے اپنی بات کہہ دی ہے اور ایک خونی حادثہ کی خبر دے دی ہے۔ قاتل کے انجام کی گھڑی قریب ہے۔ اگر وہ گریز پائی میں ہواؤں سے بھی تیز ہو، تب بھی اپولو کی زد سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ غیض کی دیویاں اس

کی راہ روک دیں گی۔ پارناس کی برف پوش چوٹیاں اس کو چکاچوند کر دیں گی اور سب اس کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ پارناس کی چوٹیوں پر وہ مقدس مرکز جہاں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے خطوط آکر ملتے ہیں یعنی وہ متبرک ناف زمین ہر شخص سے متقاضی ہے کہ پہاڑوں کے جنگلات میں اور ویران غاروں میں غرض ہر جگہ تلاش کریں اور اس مردود و ملعون وحشی کا سراغ نکالیں۔

[کریون گھر میں سے آتا ہے]

کریون : تھیبس کے باشندو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہ اڈیپس نے میرے خلاف شدید الزامات لگائے ہیں۔ مجھے اس پر سخت طیش ہے اور میں ان الزامات کو خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آج کے شدائد میں ان کا خیال ہے کہ میں اپنے قول یا عمل سے ان کا ذمہ دار ہوں تو میرے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔ اگر اس شہر میں اور اس کے باشندوں اور اپنے عزیز ترین دوست کی نظر میں ایک باغی کی طرح رہوں تو میرے لیے مرمٹنا بہتر ہوگا۔

طائفہ : انھوں نے یہ بات غصہ میں کہی ہوگی، دل سے یہ بات نہیں کہی گئی۔

کریون : ان کا کہنا ہے کہ پیش گو کو میں نے بہکا کر جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا۔

طائفہ : ہاں ہاں! یہ بات تو کہی گئی، لیکن نہیں کہا جاسکتا اس میں کتنی سنجیدگی تھی۔

کریون : کیا انھوں نے یہ بات ہوش و حواس کی حالت میں کہی؟

طائفہ : معلوم نہیں! ہم اپنے آقاؤں کے رویوں کے بارے میں فیصلے نہیں کر سکتے۔ لیکن بادشاہ سلامت تو خود ہی تشریف لا رہے ہیں!

[اڈیپس داخل ہوتا ہے]

اڈیپس : تمھیں یہاں آنے کے جرأت کیسے ہوئی؟ کس منہ سے تم ہمارے محل میں آئے ہو؟ یہ ثابت ہے کہ تم نے اپنے آقا کو قتل کیا۔ اور اب تم ہمارے تاج و تخت کو غصب کرنے کی ٹھانے ہوئے ہو۔ تمھیں دیوتاؤں کی قسم! بتاؤ تم نے ہمارے اندر کون سی بزدلی یا حماقت دیکھی کہ تم کو ایسی سازش کرنے کی جرأت ہوئی؟

تم سمجھتے ہو تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے ؟ ہم احمق نہیں کہ تمھاری اس چالبازی کو نہ سمجھ سکیں ! یا ہم اتنے بزدل نہیں کہ تمھاری ان حرکتوں کا منہ توڑ جواب نہ دے سکیں ۔ تم سے زیادہ دیوانہ کون ہوگا کریون ؟ کہ نہ دوست ہیں نہ حامی و مددگار اور تم تخت حاصل کرنے کا شوق لے کر چلے ہو۔

کریون : آپ نے ارشاد فرما دیا ؟ اب مجھے بھی کہنے دیجئے اور میری بات سنئے ۔ حقیقت معلوم ہونے پر ہی اپنے اور میرے درمیان فیصلہ کیجئے ۔

اڈیپس : تم ٹھیک کہتے ہو ، لیکن اب کہ ہم تمھاری حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں ، یہ سب فضول ہے ۔

کریون : لیکن جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ بھی سن لیجئے ! میں ان باتوں کی صفائی پیش کرسکتا ہوں ۔

اڈیپس : لیکن جس بات کی تم صفائی پیش نہیں کر سکتے وہ یہ ہے کہ تم ہمارے دشمن ہو۔

کریون : اگر آپ کا یہ خیال کہ ہر معقول بات کو اپنی ضد سے مسترد کر دینا کوئی عمدہ بات ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ آپ غلطی پر ہیں ۔

اڈیپس : اور تم سمجھتے ہو کہ اپنے عزیز کے ساتھ دغا کر کے تم سزا سے بچ جاؤ گے ؟ تم بالکل دیوانے ہو گئے ہو ؟

کریون : بجا ارشاد ! لیکن یہ تو فرمایئے کہ میرا قصور کیا ہے ؟

اڈیپس : تم نے ہمیں مشورہ دیا تھا یا نہیں کہ میں اس بدمعاش غیب داں کو بلواؤں ؟

کریون : جی ہاں ! اور میں اب بھی یہی مشورہ دوں گا ۔

اڈیپس : اچھا اب یہ بتاؤ کہ کتنا عرصہ ہوا لائس ... ؟

کریون : لائس کا کیا ذکر ہے ؟

اڈیپس : لائس کو قتل ہوئے کتنا عرصہ ہوا ؟

کریون : اس بات کو کئی سال گزر گئے ۔

اڈیپس : کیا اس غیب داں کا تب بھی یہی پیشہ تھا ؟

کریون : جی ہاں ! اس وقت بھی اسی عزت و احترام کے ساتھ !

اڈیپس : کیا اس نے ہمارے بارے میں کوئی بات کہی ؟

کریون : کبھی نہیں! کم از کم میری موجودگی میں تو نہیں ۔
اڈیپس : کیا تم نے قتل کے بارے میں تفتیش کی تھی؟
کریون : ہم نے تفتیش ضرور کی، لیکن کچھ بھی معلوم نہ ہوا ۔
اڈیپس : اور تب اس نے اپنی کتھا کیوں نہیں بکھانی؟
کریون : مجھے نہیں معلوم کیوں! میں وہی کہہ سکتا ہوں جو جانتا ہوں اور جب نہیں جانتا تو میں کچھ بھی نہیں کہتا۔
اڈیپس : لیکن ایک بات تم ضرور جانتے ہو اور بتا بھی سکتے ہو۔
کریون : وہ کیا بات ہے؟ اگر میں جانتا ہوں تو آپ کو ضرور بتاؤں گا۔
اڈیپس : وہ یہ کہ اگر اس نے تم سے مشورہ نہ کیا ہوتا تو وہ کبھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم نے لائس کو قتل کیا ہے۔
کریون : اگر وہ یہ کہتا ہے تو اس سے آپ ہی بخوبی واقف ہوں گے۔ لیکن مجھے بھی سوال کر لینے کی اجازت ہو۔
اڈیپس : ہاں ہاں! خوب سوال کرو۔ تم ہمیں اس قتل کا مجرم ثابت نہیں کر سکتے ۔
کریون : یہ بتائیے کہ آپ نے میری بہن سے شادی کی؟
اڈیپس : اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔
کریون : اور آپ ان کے ساتھ مل کر برابر اختیارات کے ساتھ مملکت پر حکمرانی کرتے ہیں؟
اڈیپس : میں ان کی ہر خواہش پوری کرتا ہوں ۔
کریون : اور میں آپ دونوں کے درمیان مساوی حیثیت رکھتا ہوں؟
اڈیپس : ہاں ہاں! اور اسی لئے تم بے وفا دوست ہو ۔
کریون : جی نہیں! تردید دلیل سے کیجئے۔ میں نے بھی دلیل سے ایک بات کہی ہے اور ذرا پہلے اس پر غور فرمائیے۔ کیا کوئی ذی ہوش شخص یہ پسند کرے گا کہ وہ آرام کی نیند سونے کے بجائے شاہی ترددات لئے دہشت میں جاگتا رہے، جب کہ دونوں صورتوں میں اس کا اقتدار برابر ہی ہو۔ میں تو یقیناً یہ نہیں کروں گا۔ میری جو بھی خواہش ہوتی ہے آپ عطا کرتے ہیں اور میں جو کرنا چاہتا ہوں آپ اس کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں اور میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

اگر میں بادشاہ ہوتا تو مجھے مصلحتوں کا غلام بننا پڑتا، اپنی خواہش کے خلاف عمل کرنا پڑتا۔ میں شاہی تخت و تاج کی کیوں خواہش کروں گا؟ کیا بغیر خرخشے کے تمام تر اقتدار حاصل ہونا اس سے کہیں بہتر نہیں ہے؟ نہیں نہیں! میں پاگل نہیں ہوں! جو اعزاز مجھے اس وقت حاصل ہے، اس سے زیادہ مجھے کچھ بھی درکار نہیں۔ لوگ میرے لئے آنکھیں بچھاتے ہیں؛ جدھر میں نکل جاتا ہوں، تسلیمات و کورنشات بجا لاتے ہیں؛ آپ کی عنایات حاصل کرنے کے لئے لوگ مجھے وسیلہ سفارش بناتے ہیں کہ میں ان کی کار برآری کر سکتا ہوں۔ میں ان آسائشوں کو فکر و تردوات سے کیوں بدلنے لگا؟ کوئی بھی عقل مند آدمی دھوکہ باز نہیں ہو سکتا۔ میں بدامنی و انتشار سے متنفر ہوں اور کوئی بھی شخص جو اسے پسند کرتا ہے اس کا میرا کوئی ساتھ نہیں۔ میں کسی سازش میں ملوث نہیں اور کوئی سازش کرنے والا مجھ سے امداد و استعانت حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھئے ڈیلفائی کے دار الاستخارہ میں تشریف لے جایئے اور معلوم کیجئے کہ دیوتاؤں کی بات کو میں نے آپ تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا یا نہیں اور اس پر بھی اگر آپ کے علم میں یہ آئے کہ میں نے پیش گو کے ساتھ ساز باز کی ہے تو مجھے پکڑیئے اور قتل کر ڈالئے اور یہ حکم تنہا آپ کی زبان مبارک کا نہیں ہو گا، بلکہ دو زبانوں کا ہو گا آپ کی اور میری۔ لیکن محض کسی غلط فہمی کی بنا پر اور بغیر کسی شہادت کے مجھے ملزم نہ گردانیے، آپ کو یہ زیبا نہیں، نہ یہ اختیار ہے کہ ایک نیک شخص کو آپ بد اور بد کو نیک قرار دے دیں۔ سچے دوستوں سے منھ موڑ لینا ایسا ہی ہے جیسے زندگی سے منھ موڑ لینا۔ لیکن ان باتوں کا یقین آپ وقت آنے پر ہی کریں گے۔ بدمعاش تو ایک دن میں معلوم ہو جاتا ہے لیکن نیکوکار اور مخلص کے معلوم ہونے میں وقت درکار ہوتا ہے۔

طائفہ: باتیں تو پتے کی کہی گئی ہیں اور سوچ سمجھ کر کہی گئی ہیں۔ محتاط و دانا لوگوں کو ان کے بارے میں غور کرنا چاہئے۔ ناعاقبت اندیش بغیر سمجھے باتیں کرتا ہے۔ عجلت کے فیصلے اکثر خطرناک ہوتے ہیں۔

ایڈیپس: وہ اپنی مکاری میں کیسی چستی سے کام لے رہا ہے، ہم بھی اسی پھرتی سے اس کا

تور کریں گے ۔ سازشیں جاری ہیں ۔ ہمیں ان پر بہ عجلت ضرب لگانی چاہئے، ورنہ ہم بیٹھے رہ جائیں گے اور ہماری بے عملی کی وجہ سے وہ کامیاب ہو جائے گا ۔ اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور ہم بازی ہار جائیں گے ۔

کریون : پھر آپ کیا چاہتے ہیں ؟ مجھے ملک بدر کرنا ؟

ایڈیپس : نہیں ملک بدری نہیں ! تمہاری موت ہی اب ہماری خواہش ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بغاوت کا کیا انجام ہوتا ہے ۔

کریون : آپ اپنی ضد پر قائم ہیں ؟ میری بات کا یقین نہیں کریں گے ؟

ایڈیپس : ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں ؟

کریون : تو آپ بالکل احمق ہیں !

ایڈیپس : ہاں خود کو بچانے کے لئے ۔

کریون : انصاف سے کام لیجئے ۔ میرے بارے میں بھی سوچیے ۔

ایڈیپس : تم شیطان مجسم ہو ۔

کریون : لیکن فرض کیجئے آپ غلطی پر ہیں ؟

ایڈیپس : پھر بھی ہمیں حکمرانی کرنی ہے ۔

کریون : لیکن اگر اس ابتری کے ساتھ ہو تو ہرگز نہیں ۔

ایڈیپس : آہ تھیبی ! ہمارے شہر ! بدنصیب شہر !

کریون : تھیبی صرف آپ کا نہیں ، میرا بھی ہے ۔

طائفہ : والیان نعمت ذرا توقف کیجئے ۔ ملکہ عالیہ یوکاستا اپنی محلسرا سے تشریف لا رہی ہیں ۔ اور وہ بڑے موقع سے تشریف لائیں کہ آپ دونوں کے درمیان اس ہولناک قضیہ کا فیصلہ کر سکیں گی ۔

[یوکاستا داخل ہوتی ہے]

یوکاستا : نادانو اور بدنصیبو ! یہ سب شور و غوغا کیا ہے ؟ کیسی شرمناک بات ہے کہ تھیبی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے اور تم لوگ آپس کے جھگڑوں میں الجھ رہے ہو [ایڈیپس سے] آپ محل میں تشریف لے جائیں اور کریون تم بھی گھر جاؤ ۔ ان فضول باتوں پر اب کوئی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے ۔

کریون : فضول باتیں ؟ نہیں بہن ! یہ فضول باتیں نہیں ہیں ۔ آپ کے شوہر نامدار نے میرے لئے دو باتیں تجویز کی ہیں ۔ مجھے قتل کر دیا جائے یا میرے اجداد کی سرزمین سے مجھے نکال دیا جائے ۔

اڈیپس : جی ہاں ! ہم نے ان کو اپنے خلاف سازش کرتے ہوئے پکڑ لیا ہے ۔

کریون : مجھے موت ہی آئے اگر میں نے کوئی ایسی بات کی ہو ۔

یوکاستا : عالی جاہا ! اس کا یقین کر لیجئے ۔ دیوتاؤں کی خاطر اس کی قسم کو مان لیجئے ۔ میری خاطر ! ان لوگوں کی خاطر جو یہاں موجود ہیں ۔

طائفہ : شاہ والا مرتبت ! ان کی بات مان لیجئے ۔

اڈیپس : ہم کیا کریں ؟

طائفہ : کریون کی قسم کا یقین کر لیجئے ۔ کوئی ثبوت تو نہیں ۔ صرف افواہیں ہیں ۔ اس پر اہانت آمیز الزام نہ لگائیے ۔ وہ دوست ہے اور قسم بھی کھا چکا ہے ۔

اڈیپس : کیا تم چاہتے ہو کہ ہم جلاوطن کر دیئے جائیں یا قتل کر دیئے جائیں ؟

سردار طائفہ : نہیں ! سورج دیوتا کی قسم اور معبود اول کی قسم ! اگر ایسا خیال بھی ہو تو مجھے بیچارگی کی موت آئے ۔

میرے دل کو پاش پاش کرنے والی بات تو یہ ہے کہ ادھر عوام پر ایسی مصیبت ٹوٹی ہے اور ادھر آپ کے تنازعات ابھر کر اس کو اور بڑھا رہے ہیں ۔

اڈیپس : تو ٹھیک ہے ۔ اس کو جانے دو ۔ اگرچہ اس کے نتیجہ میں ہماری موت یا سرزمین تھیبس سے بے حرمتی کے ساتھ جلاوطنی ہمارا مقدر بن جائے گی ۔ ہمارا جذبۂ ترحم اس کی باتوں سے نہیں بلکہ آپ کے الفاظ سے بیدار ہوا ہے ۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے ، وہ جہاں بھی جائے گا ، ہماری نفرت اس کا پیچھا کرتی رہے گی ۔

کریون : آپ کی یہ رضامندی بھی ایسی ہی مکروہ ہے جیسا کہ آپ کا عتاب تھا ۔ ایسی طبائع خود اپنے ہی کو تباہ کرتی ہیں ۔

اڈیپس : کیا تم اب جاؤ گے نہیں ؟ جاؤ اور ہمیں تنہائی میں سکون سے رہنے دو ۔

کریون : میں چلا جاؤں گا ۔ لیکن مجھ سے آپ کی نفرت بے جا ہے ۔ آپ مجھے نہیں پہچان رہے ہیں لیکن شہر کا شہر مجھے جانتا ہے اور ان کی نگاہ میں میں حق پر ہوں ۔

[چلا جاتا ہے]

طائفہ : خاتون عالی، یوکاستا! آپ اپنے شوہر کو محل میں کیوں نہیں لے جاتیں؟

یوکاستا : میں ضرور لے جاؤں گی، لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا؟

طائفہ : کچھ تو شبہات تھے جو بغیر کسی ثبوت کے باتوں ہی باتوں میں پیدا ہو گئے اور کچھ غلط الزامات سے ان میں تلخی پیدا ہو گئی۔

یوکاستا : کیا دونوں طرف سے؟

طائفہ : ہاں دونوں طرف سے۔

یوکاستا : لیکن بات کیا ہوئی؟

طائفہ : اب جانے دیجئے، جو ہوا سو ہوا۔ ہم پہلے ہی کافی اذیت اٹھا چکے ہیں۔

یوکاستا : عالی جاہ! آپ کو دیوتاؤں کی قسم، بتائیے تو سہی آپ کیوں اتنے غضبناک ہو گئے؟

ایڈیپس : ہم تمھیں ضرور بتائیں گے۔ تم سے زیادہ ہمیں کسی پر اعتماد نہیں ہے۔ اس کا سبب کریون اور ہمارے خلاف اس کی سازش ہے۔

یوکاستا : ہاں کہے جائیے۔ ذرا اس بات کو مجھے بھی سمجھ لینے دیجئے۔

ایڈیپس : وہ مجھ پر لائس کے قتل کا الزام لگاتا ہے۔

یوکاستا : اس کو خود علم ہے یا محض سنی سنائی بات پر اس نے کہنا شروع کر دیا ہے؟

ایڈیپس : وہ اس الزام تراشی کا ذمہ دار خود نہیں ہونا چاہتا۔ اس نے اس ملعون غیب گو کو اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔

یوکاستا : آپ غم نہ کریں۔ اس کی بات میں کوئی صداقت نہیں۔ میری بات سنئے اور یقین کیجئے کہ کوئی بھی شخص جو بطن مادر سے پیدا ہوا ہے، نہیں بتا سکتا کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ میں آپ کو اس کا ثبوت دیتی ہوں۔ دیوتاؤں نے، میں نہیں کہتی کہ خود اپولو نے بلکہ اس کے متقرر کردہ پادریوں نے، استخارہ کے جواب میں لائس کو بتایا تھا کہ اس کی موت اس کے اپنے بیٹے کے ہاتھ سے واقع ہو گی ـــــ اس کا حقیقی بیٹا جو میرے بطن سے ہو گا۔ جب یہ بچہ تین دن کا ہوا تو لائس نے اس کے دونوں پیر باندھے، اس کے ٹخنوں کو توڑ ڈالا اور اسے ناقابل عبور پہاڑوں میں پھنکوا دیا کہ وہ اپنی موت خود مر جائے۔ اور جب لائس اس تراہے پر قتل کیا گیا، تو اس کے

قاتل جیساکہ افواہیں ہیں، پردیسی راہزن تھے۔ اپولو نے کہیں کبھی یہ نہیں کہا کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے اور نہ لائس کی موت، جیساکہ اس کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس کے بیٹے کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔ حالانکہ غیب گو کی پیش گوئی نے مستقبل کا ایسا ہی نقشہ کھینچا تھا۔ یہ ہے ان پیشین گوئیوں کی حقیقت۔ آپ بالکل خوف نہ کریں۔ قادر مطلق تو صرف خدا ہی ہے۔ جو وہ کرنا چاہے گا کرے گا۔ اس کو نہ کسی سہارے کی ضرورت ہے، نہ ذریعہ کی۔

ایڈیپس : کیسی عجیب یادوں کے سائے ہمارے ذہن سے گزر رہے ہیں؟ تمھاری گفتگو نے روح میں اضطراب اور ذہن میں خلفشار پیدا کر دیا ہے۔

یوکاستا : یہ کیسا نیا اضطراب ہے؟ آپ کو کس یاد نے تشویش میں ڈال دیا؟

ایڈیپس : تم نے کہا کہ لائس کو تراہے پر قتل کیا گیا؟

یوکاستا : ہاں! ایسا ہی کہا جاتا ہے۔

ایڈیپس : یہ مقام کون سا تھا؟

یوکاستا : اسے فوکس کہا جاتا ہے ـــــ جہاں ڈیلفائی اور ڈولیا جانے والی سڑکوں سے ا تھیبی کی سڑک جا ملتی ہے۔

ایڈیپس : یہ واقعہ کب ہوا؟ کتنے سال ہو گئے؟

یوکاستا : آپ کے یہاں آنے اور اقتدار پر قابض ہونے سے پہلے۔

ایڈیپس : اف زیوس! میرے لئے کیسا جال تیار کیا جا رہا ہے؟ اور میری تقدیر میں کیا لکھا ہے؟

یوکاستا : لیکن اس میں آپ کے لئے کون سی پریشانی کی بات ہے؟

ایڈیپس : ابھی یہ مت پوچھو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ لائس کس شکل وصورت کا آدمی تھا۔ اس کی عمر کیا تھی؟

یوکاستا : وہ دراز قد تھا۔ اس کے بالوں کو چاندی نے چھونا شروع کر دیا تھا۔ اس کی شکل آپ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ایڈیپس : میں بھی بڑا بدنصیب ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خود ہی نادانستگی میں اپنے اوپر عذاب مسلط کر لیا ہے۔

یوکاستا : آپ کیسی عجیب باتیں کر رہے ہیں عالی جاہ! آپ کو دیکھ کر میرا دل لرزنے لگا۔

ایڈیپس : ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ اندھا آدمی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن تم ایک بات اور بتاؤ تو میں ذرا بہتر طور پر سمجھ سکوں گا۔

یوکاستا : ہاں جو آپ پوچھیں ـــــ اگرچہ آپ کے سوال سے میرا دل لرز رہا ہے۔

ایڈیپس : اس کے ساتھ چھوٹا سا دستہ تھا یا شاہانہ آداب کے مطابق اس کے جلو میں بہت سے لوگ تھے؟

یوکاستا : کل پانچ آدمی تھے۔ جن میں ایک نقیب بھی تھا اور ایک ہی رتھ تھی جس میں وہ خود سوار تھا۔

ایڈیپس : اف! اب تو بات بالکل ہی واضح ہو گئی۔ اور اس واقعہ کی خبر کون لایا؟

یوکاستا : ایک خانہ زاد خادم۔ صرف وہی تنہا بچ پایا تھا۔

ایڈیپس : کیا وہ اب بھی ہمارے خدام میں ہے؟

یوکاستا : جی نہیں! کیوں کہ جب وہ یہاں لوٹ کر آیا اور متوفی بادشاہ کی جگہ آپ کو تخت پر متمکن دیکھا تو اس نے میرے ہاتھ چھو کر التجا کی کہ اسے سرحدی اضلاع کے میدانوں میں مویشیوں کی نگرانی کے لئے بھیج دیا جائے ـــــ شہر سے ممکن حد تک دور ـــــ میں نے اس کی یہ درخواست مان لی۔ وہ اگرچہ غلام تھا، لیکن اس کی خدمات ایسی تھیں کہ وہ اس سے زیادہ عنایات کا مستحق تھا۔

ایڈیپس : کیا اسے فوراً طلب کیا جا سکتا ہے؟

یوکاستا : بڑی آسانی سے ـــــ لیکن کیوں؟

ایڈیپس : ہم نے بہت کچھ کہہ ڈالا ہے۔ اب ہم اس سے کچھ تفتیش کرنا چاہتے ہیں۔

یوکاستا : وہ ضرور آ جائے گا، لیکن عالی جاہ! مجھے بھی تو حق ہے کہ آپ کے دلی خدشات کو معلوم کروں۔

ایڈیپس : ہاں ہاں! ہم اپنے خدشات و تردداتِ کو تم سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے۔ تم سے زیادہ ہمیں کوئی عزیز نہیں ہے۔ میری خوش نصیبی ہو یا بدنصیبی اس کو معلوم کرنے کا تم سے زیادہ حقدار کوئی نہیں ہے۔ خاص طور پر اس وقت کہ میری وحشت انتہا کو پہنچتی جا رہی ہے۔ میرا باپ کورنتھ کا باشندہ پولی بس تھا اور میری ماں

میروپ ڈوریا کی رہنے والی تھی ۔ بڑا ہوا تو شہر کے لوگوں نے مجھے اپنا سردار مان لیا۔ لیکن ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس سے کوئی بھی شخص چونک سکتا تھا، لیکن میں برہم ہو گیا ۔ ایک دعوت کے دوران نشہ کی مستی میں ایک شخص نے چلا کر کہا "تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو" مجھے بہت طیش آیا، لیکن اس دن میں برداشت کر گیا۔ دوسرے روز میں اپنے والدین کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا۔ وہ برہم ہو گئے اور اس بات کو دیوانہ کی بڑ قرار دیا اس سے مجھے اطمینان ہو گیا لیکن یہ افواہ سارے شہر میں اڑ چکی تھی ۔ اس شخص کے الفاظ میرے دل میں کچوکے لگاتے رہے اور میں بے چین ہوتا رہا۔ ایک روز اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر میں ڈیلفائی کے مہبط پر پہنچ گیا ۔ دیوتا نے میرے اس سوال کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن اور بہت سی باتیں بتائی گئیں ۔ ان میں سے بعض واضح تھیں لیکن نہایت دل خراش، ہیبت ناک اور ناقابلِ برداشت ، مثلاً یہ کہ میں اپنی ماں کے ساتھ مباشرت کروں گا ۔ اس سے اولاد ہو گی جس کی طرف مخلوق دیکھنے میں بھی کراہت محسوس کرے گی اور یہ کہ میں اپنے باپ کا قاتل بنوں گا۔ یہ الفاظ سنتے ہی میں کورنتھ سے بھاگ کھڑا ہوا اور اس روز سے مجھے معلوم نہیں کورنتھ کہاں ہے ۔ ہاں صرف ستاروں کی سمت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کدھر ہو گا ۔ میں دور اور دور بھاگتا رہا کہ کسی ایسی جگہ پہنچ جاؤں جہاں استخارہ کی بتائی ہوئی بدکاری سے بچ سکوں ۔ حتیٰ کہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں تم کہتی ہو کہ لائس کا قتل ہوا ۔ اب سنو کہ واقعہ کیا ہوا ۔ میں ایک ایسے مقام سے گزر رہا تھا جہاں تین سڑکیں ملتی تھیں ۔ مجھے ایک نقیب اور ایک شخص جیسا تم بیان کرتی ہو گاڑی میں بیٹھا ہوا ملا ۔ کوچوان اور خود وہ شخص بھی مجھے راستہ نہیں دینا چاہتا تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں ۔ مجھے طیش آ گیا اور میں نے کوچوان کو ایک کاری ضرب لگائی ۔ اس آدمی نے دیکھا تو اس نے اپنا گرز نکال لیا ۔ میں قریب آیا تو وہ چاہتا تھا کہ اسے میرے سر پر دے مارے ، میں نے اس کا منھ توڑ جواب دیا اور داہنے ہاتھ سے گرز گھما کر جو ضرب لگائی تو وہ گاڑی سے باہر آ پڑا اور

زمین پر لوٹنے لگا۔ میں نے اسے مار ڈالا اور اس کے سب ساتھیوں کو بھی مار ڈالا۔ اب اگر اس اجنبی اور لائس کے درمیان خونی رشتہ تھا تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون شخص ہوگا؟ مجھ سے زیادہ دیوتاؤں کی نفرت کا ہدف کون ہوگا؟ کوئی پردیسی، کوئی شہری مجھے اپنے گھر میں گھسنے نہیں دے گا۔ کوئی متنفس مجھ سے بات نہیں کرے گا۔ ہر شخص مجھ پر لعنت بھیجے گا کسی اور نے نہیں، خود میں نے ہی اپنے منہ سے اپنے لیے یہ سزا تجویز کی تھی۔ ذرا سوچو! ان ہاتھوں نے تمھارے جسم کو چھوا اور انھیں ہاتھوں نے تمھارے شوہر کو قتل کیا کیسی مکروہ بات ہے! کیا میں سرتاپا نجاست نہیں ہوں؟ یقیناً ایسا ہی ہے کیوں کہ مجھے تھیبس سے بھاگ جانا چاہیے اور پھر بھی اس خوف سے کہ میں اپنی ماں سے شادی کروں اور اپنے باپ پولی بس کو قتل کردوں، میں اپنے ہم وطنوں کے پاس اور اپنے وطن نہیں جا سکتا۔ اگر مجھے اسی لئے پیدا کیا گیا اور مقدر میں یہی لکھا گیا ہے تو دیوتاؤں کی بربریت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اے آسمان کی بزرگ و برتر قوتو! مجھے وہ دن دیکھنا کبھی کبھی نصیب نہ ہو اور قسمت کا ایسا لکھا دیکھنے سے پہلے ہی میں دنیا سے اٹھا لیا جاؤں۔

طائفہ: عالی جاہ! یہ باتیں واقعی لرزا دینے والی ہیں۔ لیکن ابھی امید کی ایک کرن باقی ہے۔ ابھی اس گڈریے کی بات سننا باقی ہے جس نے واقعہ کو دیکھا اور جو سب کچھ جانتا ہے۔

ایڈیپس: ہاں! اس کے علاوہ شاید کوئی امید باقی نہیں۔ ہم اس آدمی کے چراگاہوں سے آنے کا انتظار کریں گے۔

یوکاستا: اس سے آپ کو کیا معلوم ہونے کی امید ہے؟

ایڈیپس: اگر تمھارے اور اس کے بیان میں مطابقت ہو تو پھر ہمیں کوئی غم نہیں۔

یوکاستا: میرا کون سا بیان؟

ایڈیپس: تم نے کہا تھا کہ لائس کی موت راہزنوں کے ہاتھوں ہوئی! اور یہ بات اس نے تمھیں بتائی تھی۔ اگر وہ اب بھی اپنے اس بیان پر قائم ہے کہ قاتل کئی تھے تو ہم بے قصور ہیں... لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ یہ کام تن تنہا ایک شخص

نے کیا تو پھر اس کا اشارہ ہمارے علاوہ کسی اور شخص کی طرف نہیں ہو سکتا۔

یوکاستا: آپ یقین کیجیے۔ اس نے پہلے یہی کہا تھا کہ وہ کئی آدمی تھے۔ کیا وہ اب اس بات سے مکر سکتا ہے ___؟ قطعاً نہیں۔ صرف میں نے نہیں، سارے شہر نے اس کی بات سنی تھی۔ لیکن اگر اس کے بیان کی تفصیل کچھ بدل بھی جائے تو بھی لائس کے قتل سے یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوتی کیوں کہ اپولو نے کہا تھا کہ میرا زائیدہ بچہ اس کو قتل کرے گا لیکن بیچارہ بچہ ___ وہ تو پہلے ہی مر چکا تھا۔ آئندہ سے میں تو ان پیشین گوئیوں پر بالکل بھی دھیان نہیں دوں گی اور نہ ان سے خوف کھاؤں گی۔

ایڈیپس: تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ لیکن کسی کو بھیجو۔ اس گڈریے کو بلوا کر ہمارے پاس لاؤ۔ یہ معاملہ نمٹنا چاہیے۔

یوکاستا: میں ابھی بلواتی ہوں۔ میں آپ کی کوئی بات نہیں کاٹوں گی اور یہ تو خصوصاً نہیں۔ لیکن آیئے اندر چلیں۔

[دونوں محل میں چلے جاتے ہیں]

طائفہ: یہی بات قابل تعریف ہوگی کہ ہم اپنے قول اور اپنے عمل سے ان ضابطوں کو سربلند کرتے رہیں جو زیوس دیوتا اور دوسرے آسمانی دیوتاؤں نے بنائے ہیں۔ روشنی کی مملکت میں رہنے والوں کی آسمانی قوتیں سرپرستی کرتی ہیں اور ان کے قوانین نہ فرسودہ ہوتے ہیں، نہ ذہنوں سے محو کیے جا سکتے ہیں۔ نیند اور بیداری کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

فخر و غرور انسان کو ظالم بنا دیتا ہے وہ سرکشی و سرمستی کا جام پیے جاتا ہے اور عظمت کی سربلندیوں کو چھوتا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے۔ پھر دیوتا اسے وہاں سے سر کے بل پٹخ دیتے ہیں اور اس کی قوت اور اس کا فخر سب خاک میں مل جاتے ہیں۔

نیک اولوالعزم لوگوں کو کوئی خدشہ نہیں۔ ریاست کی فلاح کے لئے جد و جہد کرنے والوں کے، ان کی حکومت اور ان کے ارادوں کے محافظ دیوتا ان کی زندگی خوش نصیب اور ان کی موت سعادت و برکت ہے۔ وہ تمام لوگوں

کے احترام کے مستحق ہیں۔
تفاخر و تمکنت دیوتاؤں کے غضب کا سبب بنتے ہیں۔ فانی مخلوق جو غیر فانی قوتوں کو خاطر میں نہیں لاتی خود مصیبتوں کو دعوت دیتی ہے۔ اور اسے اپنے اس اوچھے پن کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ ہر شخص اپنا فریضہ انجام دیتا رہے اور اپنا نصیبہ پاتا رہے اور دیوتاؤں کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرے ورنہ آسمانی آفتیں اس کے سر اور اس کے محروم و مایوس دل پر ٹوٹ پڑیں گی۔ اگرچہ بے وقوف ایسے نجس لوگوں کا کبھی احترام کرتے ہیں لیکن کوئی کبھی شاعران کے لئے گیت نہیں لکھتا۔

کیا ڈیلفائی کے ان اغلاقات کو بھلا کر اور مرکز کائنات کی سرگوشیوں کو نظر انداز کر کے اور زیوس دیوتا سے بے نیازی اختیار کر کے ہم سزا سے بچ سکتے ہیں؟ تمام اشارات اور عجیب و غریب پیش گوئیاں کوئی نہ کوئی مفہوم رکھتی ہیں، جس کو سمجھنا چاہیے۔ اے زیوس دیوتا! اے سب کے آقا! تو کہ شب و روز نور کے تخت پر متمکن ہے! ذرا اپنے آئینہ خیال میں اس بات کو تو دیکھ کہ ہمارے حکام پیش گوئیوں کو بادہوائی اور ڈیلفائی کے القا کو مہمل بتاتے ہیں۔ ان کے قلوب اپولو سے ناآشنا ہو گئے ہیں اور دیوتاؤں کی عظمت ان کے ذہنوں سے محو ہو گئی ہے۔

[یوکاستا محل سے نمودار ہوتی ہے]

یوکاستا: تھیبی کے باشندو! میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ شاخ فریاد، پھول مالائیں اور بخورات لے کر دیوتاؤں کی قربان گاہوں پر جاؤں۔ خطرہ کی ہر علامت اڈیپس کی روح کو لرزا رہی ہے۔ وہ نئی پیش گوئیوں کا پرانی پیش گوئیوں سے موازنہ کرتے ہیں اور ہر ذی ہوش شخص کی طرح ہر اس بات سے متاثر ہو رہے ہیں جو خوفناک ہے۔ وہ میری باتوں کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں اور تباہی کا بول بولنے والی ہر آواز پر کان دھر رہے ہیں۔

[قربان گاہ کی طرف بڑھتی ہے]

اے اپولو! اے لیسیا کے آقا! تو کہ ہم سے قریب تر ہے، میں تیری دہائی دیتی ہوں۔ تجھ سے ہی التجا کرتی ہوں۔ ہماری اس نذر کو قبول کر، ہمیں اس ادبار

سے نجات دے، اپنے خداوند نعمت کو دل شکستہ دیکھ کر ہمارے دل بھی خوف سے معمور ہو گئے جیسے کشتی کے کھیون ہار کے اضطراب سے ملاحوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔

[قاصد داخل ہوتا ہے]

قاصد : معزز لوگو! آپ یقیناً مجھے بتا سکیں گے کہ شہنشاہ اڈیپس کا محل کہاں ہے، بلکہ خود بادشاہ سلامت کہاں ہیں!

طائفہ : یہی ان کا محل ہے اور وہ اندر تشریف رکھتے ہیں۔ یہ خاتون ان کی ملکہ اور ان کے بچوں کی ماں ہے۔

قاصد : اس محل میں ان کے لئے میں مسرتوں کی دعا کرتا ہوں۔ مبارک ہیں یہ کہ ان کو یہ رشتۂ ازدواج نصیب ہوا۔

یوکاستا : خدا تمھیں بھی خوشیاں نصیب کرے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تمھیں کیا کہنا ہے؟

قاصد : ملکہ عالیہ! آپ کے گھرانے اور آپ کے شوہر کے لئے بہت اچھی خبر ہے۔

یوکاستا : کیسی خبر؟ تم کہاں سے آئے ہو؟

قاصد : کورنتھ سے اور جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس سے آپ کو خوشی ہو گی لیکن شاید اس سے آپ کو صدمہ پہنچے۔

یوکاستا : بات کیا ہے؟ ایک ہی بات سے دو اثر کیسے ہو سکتے ہیں؟

قاصد : کورنتھ کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاہ اڈیپس کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔

یوکاستا : کیسے؟ کیا قدیم بادشاہ پولی بس اب حکمراں نہیں ہیں؟

قاصد : نہیں! موت نے ان کو اپنے آغوش میں لے کر ہم سے جدا کر دیا۔

یوکاستا : تم کیا کہہ رہے ہو؟ پولی بس کا انتقال ہو گیا؟

قاصد : یہ نادرست ہو تو مجھے ہی موت آئے

یوکاستا : [ایک کنیز سے] جاؤ! جلدی جاؤ! یہ خبر اپنے خداوند نعمت کو سناؤ! اے دیوتاؤں کی پیش گوئیو! اب تم کہاں ہو؟ یہی تو وہ شخص تھا جس کے قتل کے خیال سے شہنشاہ اڈیپس ایک عرصے سے خوف زدہ اور ترساں تھے۔ لیکن یہ شخص اڈیپس

کے ہاتھوں نہیں بلکہ اپنی فطری موت مرا ہے۔

[ایڈیپس داخل ہوتا ہے]

ایڈیپس : یوکاستا! میری عزیز ملکہ! تم نے مجھے کیوں بلایا؟

یوکاستا : اس آدمی کی بات سنئے اور پھر مجھے بتایئے کہ ان مقدس پیش گوئیوں کا کیا ہوا؟

ایڈیپس : یہ شخص کون ہے اور کیا پیغام لایا ہے؟

یوکاستا : وہ کورنتھ سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے والد پولی بس کا انتقال ہو گیا ہے۔

ایڈیپس : کیا یہ بات ٹھیک ہے اجنبی؟ ذرا پھر اپنی زبان سے بتاؤ!

قاصد : اگر مجھے پھر کہنا ہے تو میں یہی کہوں گا کہ پولی بس کا انتقال ہو گیا۔

ایڈیپس : کسی بیماری سے یا کسی بغاوت میں؟

قاصد : بوڑھوں کو تو آرام سے سلا دینے کے لئے تھوڑی ہی سی بات کافی ہوتی ہے۔

ایڈیپس : اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیماری کا شکار ہوئے؟

قاصد : جی ہاں! اور بڑھاپے کا۔

ایڈیپس : افسوس! صد افسوس! پھر کوئی شخص ان مہبطوں اور ان کے اوپر منڈلانے والی چڑیوں پر کیوں دھیان دے؟ انھوں نے تو بتایا تھا کہ ہم اپنے باپ پولی بس کو قتل کریں گے۔ لیکن ہم یہاں ہیں اور وہ مر گئے اور دفنا دیئے گئے۔ ہمارا اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ہاں یہ کہ جدائی کے غم میں ان کو موت آگئی ہو اور یوں ہم ان کی موت کا سبب بنے۔ وہ تمام پیش گوئیوں کو اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ اب وہ بالکل کھوکھلے الفاظ ہیں ـــــ مہمل اور بے معنی!

یوکاستا : کیا میں نے پہلے ہی آپ سے یہ بات نہیں کہی تھی؟

ایڈیپس : ہاں! تم نے کہا تو تھا لیکن ہمارے دل کی کمزوری نے ہمیں گمراہ کیا۔

یوکاستا : اب ان پریشانیوں کو دفع کیجئے اور ان باتوں کے بارے میں اب سوچیئے کبھی نہیں۔

ایڈیپس : یہ جرأت مندانہ الفاظ واقعی خوب تھے، اگر ہماری والدہ حیات نہ ہوتیں، لیکن چونکہ وہ حیات ہیں، ابھی خدشہ باقی ہے۔

یوکاستا : غیب کا حال معلوم نہیں! ہم پر مقدرات کی حکمرانی ہے، پھر کوئی شخص کیوں خوفزدہ رہے؟ انسان کو حال میں زندہ رہنا چاہیئے۔ آپ اپنی والدہ کے ساتھ ہم بستری کے خیال

سے متوحش نہ ہوں۔ خواب میں معلوم نہیں کتنے لوگوں نے اپنی ماؤں کے ساتھ ہم بستری کی ہوگی لیکن کوئی معقول شخص ایسی باتوں سے پریشان نہیں ہوتا۔

ایڈیپس : بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہماری والدہ حیات نہ ہوتیں۔ وہ ابھی حیات ہیں۔ میں اس خوف کو دل سے دور نہیں کرسکتا۔

یوکاستا : لیکن آپ کے والد کے انتقال کی خبر اس بات کی علامت ہے کہ سب ٹھیک ہی رہے گا۔

ایڈیپس : لیکن میں تو اس زندہ عورت سے خائف ہوں۔

قاصد : وہ کون عورت ہے جس سے آپ خائف ہیں؟ مجھے بھی تو بتائیے۔

ایڈیپس : میروپ! شاہ پولی بس کی ملکہ۔

قاصد : ان سے خائف ہونے کا سبب کیا ہے؟

ایڈیپس : دیوتاؤں کی ایک پیش گوئی۔ ایک خوف ناک بات!

قاصد : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے؟ یا آپ نے خاموش رہنے کی قسم کھائی ہے؟

ایڈیپس : اپولو نے بتایا تھا کہ ہم اپنی والدہ سے ازدواجی رشتہ قائم کریں گے۔ اسی لئے اس مدت میں ہم کورنتھ سے فرار اختیار کیے رہے۔ اگرچہ والدین سے ملاقات کرنا بڑا اطمانیت بخش ہوتا لیکن ہم نے ٹھیک ہی کیا۔

قاصد : کیا اسی خوف سے آپ نے کورنتھ سے جلاوطنی اختیار کی؟

ایڈیپس : کیا تم چاہتے تھے کہ ہم اپنے والد کے قتل کا ارتکاب کرتے؟

قاصد : لیکن حضور میری لائی ہوئی خبر سے تو اس بارے میں اطمینان ہوگیا ہوگا؟

ایڈیپس : اگر تم ہمیں یقین دلادو تو تمھیں انعام دیا جائے گا۔

قاصد : مجھے خود اس بات کا یقین تھا۔ اسی لئے میں یہاں حاضر ہوا کہ آپ کو وطن لے جاؤں اور پھر اپنا حق پاؤں۔

ایڈیپس : نہیں نہیں! اب ہم کبھی اپنے آبائی وطن نہیں جائیں گے۔

قاصد : لیکن عالی جاہ! یہی تو آپ نہیں جانتے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

ایڈیپس : تمھارا کیا مطلب ہے؟ خدارا بتاؤ۔

قاصد : کیا اسی خوف سے آپ وطن جانے سے گریزاں ہیں؟

ایڈیپس : ہمیں خوف ہے کہ کہیں فیبس کی پیش گوئی صحیح ثابت نہ ہو۔

قاصد : آپ اس سے خائف ہیں کہ میروپ کے ذریعہ آپ گنہ گار ہوں۔

ایڈیپس : یہی خوف ہر دم ہمارے دل پر ہے۔

قاصد : مگر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کا یہ خوف بے بنیاد ہے۔

ایڈیپس : بے بنیاد؟ کیا ہم اپنے والدین کی اولاد نہیں ہیں؟

قاصد : ان سے آپ کا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ پولی بس آپ کے والد نہیں تھے۔

ایڈیپس : تم کیا کہہ رہے ہو؟ پولی بس ہمارے والد نہیں تھے؟

قاصد : اس سے زیادہ نہیں جتنا کہ آپ کا مخاطب۔

ایڈیپس : تم تو ہمارے کوئی بھی نہیں ہو۔

قاصد : نہ ہی وہ کچھ تھے۔

ایڈیپس : نہیں نہیں! پھر وہ ہمیں اپنا بیٹا کیوں کہتے تھے؟

قاصد : میں بتاتا ہوں۔ عرصہ ہوا کہ ان ہاتھوں نے آپ کو انھیں تحفہ کے طور پر دیا تھا۔

ایڈیپس : اگر دوسرے کے ہاتھوں نے ہمیں ان تک پہنچایا اور اگر ہم ان کی حقیقی اولاد نہیں تھے، تو وہ ہمیں اتنا کیوں چاہتے تھے؟

قاصد : ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کا دل آپ کی طرف ملتفت ہو گیا۔

ایڈیپس : پھر ہم تمھارے کیا ہیں؟ اگر ہم تمھاری بھی اولاد نہیں ہیں تو تم نے ہمیں کہاں سے حاصل کیا؟ کیا تم نے ہمیں خریدا تھا؟ یا کہیں اتفاق سے ہم تمھیں مل گئے تھے؟

قاصد : کتھیرن کی وادی میں آپ مجھے ملے۔

ایڈیپس : تم وہاں کیا کر رہے تھے؟

قاصد : پہاڑی بھیڑوں کی نگرانی میرے سپرد تھی اور میں اپنے گلوں کی نگہبانی کر رہا تھا۔

ایڈیپس : ایک آوارہ گرد گڈریا۔
قاصد : لیکن اس روز آپ کا نجات دہندہ !
ایڈیپس : تم نے ہمیں کس سے نجات دلائی ؟
قاصد : یہ آپ کے ٹخنے بتائیں گے۔
ایڈیپس : تم بچپن کی اس تکلیف کا کیوں ذکر کر رہے ہو ؟
قاصد : میں نے اس کڑے کو نکال پھینکا جس سے آپ کے دونوں پیر جکڑے ہوئے تھے۔
ایڈیپس : جہاں تک ہمیں یاد آتا ہے ، ان کا کچھ نشان تو تھا۔
قاصد : اسی لئے آپ کا یہ نام[1] رکھا گیا جواب ہے۔
ایڈیپس : خدارا بتاؤ ! یہ کس نے کیا تھا ؟ ہمارے والد نے یا ہماری ماں نے ؟
قاصد : یہ میں نہیں جانتا۔ جس شخص نے آپ کو میرے حوالے کیا تھا ، وہ بہتر بتا سکتا ہے۔
ایڈیپس : کیا ؟ ہمیں پانے والے تم خود نہیں تھے ؟ کسی اور نے ہمیں تمھارے حوالے کیا ؟
قاصد : جی ہاں ! ایک اور گڈریے نے آپ کو میرے حوالے کیا تھا۔
ایڈیپس : وہ کون تھا ؟ تم بتا سکتے ہو وہ کون تھا ؟
قاصد : کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ اسے لائس کا خانہ زاد بتایا جاتا تھا۔
ایڈیپس : کون لائس ؟ کیا تمھارا مطلب اس لائس سے ہے جو عرصہ ہوا یہاں حکمراں تھا ؟
قاصد : جی ہاں ! وہی شاہ لائس اور وہ شخص ان کی ملازمت میں گلہ بان تھا۔
ایڈیپس : کیا وہ ابھی زندہ ہے ؟ کیا میں اس سے مل سکتا ہوں ؟
قاصد : اس کے بارے میں تو یہیں کے لوگوں کو معلوم ہوگا۔
ایڈیپس : تم لوگوں میں سے کوئی اس گڈریے کے بارے میں کچھ جانتا ہے ؟ کسی نے اسے جنگل یا شہر میں دیکھا ہے ؟ دیکھا ہو تو بتاؤ۔ سب باتیں اسی وقت صاف ہونی چاہئیں۔
طائفہ : ہمارا خیال ہے کہ یہ وہی گڈریا ہے جس کو ابھی بلا کر بھیجا گیا ہے۔ شاید یوکاستا

---

[1] یونانی میں ایڈیپس کے معنی "متورم پا" ہیں۔

اس سلسلے میں کچھ بتا سکیں۔

ایڈیپس: کیوں ملکہ؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟ کیا یہ وہی آدمی ہے جس کو ہم نے بلایا ہے؟ کیا اس گڈریے کا مطلب اسی آدمی سے ہے؟

یوکاستا: اب اس آدمی کو کیوں پوچھتے ہیں؟ اس کے بارے میں کیا پریشان ہونا! اس گڈریے کو بھول جائیے! اب یہ سب بھول جائیے۔ یہ باتیں محض تضیع اوقات ہیں۔

ایڈیپس: تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟ اب ہی تو ہماری حقیقی پیدائش کے سراغ ملنے والے ہیں۔

یوکاستا: خدا کے لئے اب یہ تفتیش بند کیجئے۔ کیا آپ کو اپنی زندگی کا کوئی خیال نہیں؟ میری ہی زندگی میرے لئے دوبھر ہو رہی ہے۔

ایڈیپس: تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم کسی غلام کی اولاد ہیں، بلکہ ہماری تین نسلیں بھی غلام ہوں تو تم پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔

یوکاستا: پھر بھی میں التجا کرتی ہوں، میری بات مانیے۔ اس جستجو کو ختم کیجیے۔

ایڈیپس: ہم اب کچھ نہیں سنیں گے۔ حقیقت حال معلوم ہونی چاہئے۔

یوکاستا: مجھے صرف آپ کی فلاح کا خیال ہے۔ میں نے آپ ہی کی بھلائی کے لئے مشورہ دیا ہے۔

ایڈیپس: ہماری بھلائی؟ تمھارے مشورے نے ہمیں اور بھی بے قرار کر دیا ہے۔ ہمیں ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں۔

یوکاستا: آپ زبردست غلطی کر رہے ہیں۔ خدا کرے آپ کو کبھی بھی معلوم نہ ہو کہ آپ کون ہیں!

ایڈیپس: تم میں سے کوئی جائے اور اس گڈریے کو بلا لائے اور ملکہ کو اپنے اعلیٰ حسب ونسب پر خوش ہونے کے لیے یہیں چھوڑ دیا جائے۔

یوکاستا: آہ بدنصیب!

آپ کے لیے میرے پاس اب صرف یہی ایک لفظ ہے اور ہمیشہ کے لیے اب صرف یہی ایک لفظ ہو گا۔

[محل میں چلی جاتی ہے]

طائفہ: یہ کیوں چلی گئیں؟ ایسے غمناک انداز میں چلے جانے کا کیا سبب ہوا؟ کیا اس

خاموشی سے غم کا کوئی طوفان آنے والا ہے ؟

ایڈیپس : جو ہونا ہے ہو جائے ۔ ہماری اصل و نسل کتنی بھی ادنیٰ کیوں نہ ہو، ہم اسے معلوم کر کے رہیں گے ۔ ہمارے ادنیٰ نسب کے خیال سے ملکہ تمام خواتین کی طرح شرم سے پانی پانی ہیں ۔ ہم خوش نصیبی کی اولاد ہیں ۔ ہماری کوئی تذلیل نہیں کر سکتا ۔ خوش نصیبی ہماری ماں ہے اور یہ گذرتے ہوئے ماہ و سال ہمارے بھائی ہیں، انھوں نے ہمیں عسرت میں بھی دیکھا ہے اور امارت میں بھی ۔ یہ ہماری اصلیت ہے ۔ اسے کوئی نہیں بدل سکتا ہم اپنی پیدائش کی تحقیق سے کیوں دست بردار ہوں ؟

طائفہ : اگر ہمارے دل پر آنے والے وقت کے انعکاسات ہونے لگتے ہیں تو آسمانوں کی قسم ہم اگلی پورنماشی کے تیوہار پر روشنیاں اور رقص دیکھ رہے ہیں اور آپ کے شریفانہ مزاج کی شان میں گائے جانے والے نغمے سُن رہے ہیں :
ایڈیپس کی پرورش کرنے والے پہاڑ ! وہ پہاڑ جو شرافت نسل کے محافظ ہیں اپولو کی مدد حاصل ہو اور ہمارے شہنشاہ کے جھولا جھلانے والی سرزمین پر شان و شوکت نازل ہو ۔

لازوال اپسرا کے بطن سے شہزادے کی پیدائش کا سبب کون بنا ؟
کوہستانی پان یا صحرائی گلوں کا محافظ اپولو یا ہرمیس ؟

ایڈیپس : حضرات ! اگرچہ ہم اس شخص کو نہیں جانتے، لیکن ہمارا خیال ہے ہم اس کو آتا ہوا دیکھ رہے ہیں ـــــ اس گڈریے کو جس کا ہمیں انتظار ہے ۔ وہ ہمارے اس دوست کی طرح ہی بوڑھا ہے اور اس کو لانے والے ہمارے خانہ زاد معلوم ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر تم لوگوں نے اس شخص کو پہلے دیکھا ہوگا تو ہم سے بہتر پہچان سکتے ہو ۔

[نوکروں کے ساتھ گڈریا داخل ہوتا ہے]

طائفہ : ہاں اس آنے والے شخص کو ہم جانتے ہیں ۔ یہ واقعی لائس کا خادم تھا اور اب بھی گڈریوں میں سب سے زیادہ لائق اعتبار ہے ۔

ایڈیپس : کورنتھ سے آنے والے ! ہم تم سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم اسی گڈریے

کے بارے میں بات کر رہے تھے ؟

قاصد : بالکل! یہی وہ آدمی ہے۔

ایڈیپس : [گڈریے سے] ادھر آؤ۔ ہماری طرف دیکھو۔ ہم جو کچھ پوچھتے ہیں اس کا جواب دو۔ کیا تم کبھی لائس کی خدمت میں رہے ہو ؟

گڈریا : جی ہاں! زرخرید غلام نہیں، بلکہ خانہ زاد۔

ایڈیپس : تمھارے سپرد کیا خدمت تھی ؟

گڈریا : زندگی کا بیشتر حصہ میں نے گلہ بانی میں گزارا۔

ایڈیپس : خاص طور سے کہاں ؟

گڈریا : کتھیرن یا اس کے قرب وجوار میں۔

ایڈیپس : تمھیں یاد ہے کہ کبھی اس شخص سے ملے ہو ؟

گڈریا : کون شخص ؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں ؟

ایڈیپس : یہ شخص جو یہاں کھڑا ہے۔ کیا تم کبھی اس سے ملے ہو ؟

گڈریا : نہیں۔ کم از کم مجھے یاد نہیں آتا۔

قاصد : حضور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں اسے یاد دلاتا ہوں۔ اسے یاد ہوگا کہ ہم دونوں مارچ سے ستمبر تک کے تین موسموں میں کتھیرن یا اس کے آس پاس ساتھ ساتھ رہتے رہے۔ اس کے پاس دو گلے تھے اور میرے پاس ایک۔ بہار سے خزاں تک ہم وہاں رہتے تھے۔ سردی آتی تھی تو میں اپنے گلے کو اپنے باڑے میں لے جاتا تھا اور وہ اپنے گلوں کو لائس کے باڑے میں۔ کیا یہ ٹھیک ہے ؟ میں نے غلط تو نہیں کہا ؟

گڈریا : ہاں ہاں! ٹھیک ہے۔ لیکن اسے تو بہت عرصہ ہوگیا۔

قاصد : اچھا یہ بتاؤ کہ تمھیں یاد ہے اسی زمانے میں تم نے مجھے ایک لڑکا دیا تھا کہ اسے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کروں۔

گڈریا : تم کیا کہہ رہے ہو ؟ یہ سب تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ؟

قاصد : حضور والا پر نظر ڈالو۔ یہی تو وہ چھوٹا سا بچہ تھا۔

گڈریا : تم پر لعنت! کیا تم اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتے ؟

ایڈیپس : بکومت! اپنی زبان سنبھالو۔ اسے الزام مت دو۔

گڈریا : میرے مالک! مجھ سے کیا خطا ہوئی؟

ایڈیپس : تم نے لڑکے کے بارے میں اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

گڈریا : وہ خود نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ خواہ مخواہ کی پریشانی پیدا کر رہا ہے۔

ایڈیپس : تم ڈھنگ سے ٹھیک ٹھیک نہیں بتاؤ گے تو تمھارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

گڈریا : خدارا بوڑھے آدمی کو نہ ستائیے۔

ایڈیپس : کوئی ہے؟ اس کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دو۔

گڈریا : افسوس! آپ اور کیا جاننا چاہتے ہیں؟

ایڈیپس : جس لڑکے کی بات یہ کر رہا ہے، تم نے اسے دیا تھا؟

گڈریا : جی ہاں! میں نے دیا تھا۔ کاش میں اسی دن مر گیا ہوتا۔

ایڈیپس : ٹھیک ٹھیک نہیں بتاؤ گے تو اب مر جاؤ گے۔

گڈریا : لیکن اگر سچ بولتا ہوں تو میری حالت مردے سے کبھی بدتر ہوگی۔

ایڈیپس : کیا کہتے ہو؟ تم ٹالے ہی جاؤ گے یا بتاؤ گے بھی؟

گڈریا : نہیں سرکار! میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ یہ بچہ میں نے ہی اسے دیا تھا۔

ایڈیپس : تمھارے پاس وہ کہاں سے آیا تھا؟ تمھارا بچہ تھا یا کسی اور کا؟

گڈریا : جی نہیں میرا بچہ تو نہیں تھا، کسی نے مجھے دیا تھا۔

ایڈیپس : کیا وہ اِن لوگوں میں سے کوئی ہے؟ کس گھرانے کا تھا؟

گڈریا : مالک! خدا کے لئے اب آگے نہ پوچھئے۔

ایڈیپس : اگر ہمیں پھر پوچھنا پڑا تو تم سلامت نہیں رہو گے۔

گڈریا : وہ بچہ لائس کے محل کا تھا۔

ایڈیپس : کوئی غلام تھا یا اسی کی نسل سے تھا؟

گڈریا : غضب! ہائے غضب! بہت ہی دل خراش بات کہنے والا ہوں۔

ایڈیپس : ہم سننے والے ہیں اور ہمیں سننی ہی پڑے گی۔

گڈریا : لوگ کہتے ہیں یہ لائس کا بیٹا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں آپ کی ملکہ ہی بتا سکتی ہیں۔

ایڈیپس : کیسے ؟ کیا انھوں نے اسے تمھیں دیا تھا ؟
گڈریا : ہاں سرکار !
ایڈیپس : معلوم ہے کیوں ؟
گڈریا : کہ میں اسے ٹھکانے لگا دوں ۔
ایڈیپس : ایسی سنگ دل ماں ! یہ اسی کا بچہ تھا ؟
گڈریا : جی ہاں ! لیکن بعض پیش گوئیوں کے خوف سے ۔
ایڈیپس : کیسی پیش گوئیاں ؟
گڈریا : کہا جاتا تھا کہ یہ لڑکا اپنے باپ کو قتل کر ڈالے گا ۔
ایڈیپس : پھر تم نے اسے اس بوڑھے آدمی کو کیوں دے دیا۔
گڈریا : عالی جاہ ! مجھے اس بچے پر رحم آگیا۔ میں نے سوچا کہ یہ بچے کو دور دراز اپنے دیس میں لے جائے گا۔ اس نے بچے کو محفوظ رکھا، لیکن کس بدنصیبی کے لیے۔ اگر آپ وہی ہیں جو یہ آپ کو بتاتا ہے تو آپ سے زیادہ بدنصیب کوئی بھی شخص نہیں ہوگا۔

ایڈیپس : اف خدایا ! سب سچ ہوگیا۔ تمام پیشین گوئیاں ! اب اے روشنی تجھ پر آخری نظر ڈالتا ہوں۔ آہ ایڈیپس ! جس کی پیدائش منحوس، جس کی شادی ملعون اور جو اپنے ہاتھ سے بہائے ہوئے خون کی بدولت مردود !

[تیزی سے محل میں چلا جاتا ہے]

طائفہ : یہ پرچھائیوں کی مانند نسل انسانی سوائے اس کے کیا حاصل کرسکتی ہے کہ چکا چوند کر دینے والی خوشیوں کا ایک محل تعمیر کرے جو ان کے چھوتے ہی پگھل کر بے نمود ہو جائے ۔ ایڈیپس کو خوش نصیب کہا جاتا تھا لیکن انسانوں میں کوئی بھی خوش نصیب نہیں ہے ۔ اس کی غضب آلود ابرو اور اشک بار آنکھیں دیکھیے تو انقلاب عظیم نظر آتا ہے ۔

وہ دماغ ایک مضبوط کمان کی مانند تھا جسے خوب کھینچا گیا اور جب ستم گر تیر انداز نے تیر چلایا تو اس کا نشانہ بڑا خطرناک تھا۔ تمھاری ساری عظمت تباہ ہوگئی ۔
ایڈیپس اس نسوانی سینہ والی بلا اسفنکس پر غالب آیا اور موت کے مقابلے

میں وہ ایک مینارۂ قوت معلوم ہونے لگا ۔ وہ تھیبی کے قدیم تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو ہمارے مصائب کے خلاف ایک مضبوط قلعہ ثابت ہوا عظیم ایڈیپس ایک حقیقی بادشاہ تھا۔ اس نے نظم وضبط پیدا کیا۔ شاہان تھیبی میں سے کسی کو بھی اتنی شہرت حاصل نہیں ہوئی ۔ سب اس کی عظمت کے قائل ہو گئے ۔

لیکن اب تمام انسانوں میں اس سے زیادہ بدبخت بھی کوئی نہیں اس کی تقدیر بدل گئی اور بدنصیبی نے اب اسے غلاموں سے بھی بدتر کر دیا۔ شادی کے بستر کی تلاش میں وہ اپنی پیدائش کے بستر پر پہنچ گیا۔ اسی کھیت میں ہل چلا ڈالا جس میں اس کے باپ نے ہل چلایا تھا اور اسی زمین میں تخم ریزی کر دی ۔ وہ اسی دروازے سے داخل ہو گیا جس سے روتا ہوا نکلا تھا۔

وہ ملکہ جس پر لائس کو تسلط حاصل تھا اور جس باغ کی اس نے اپنے عروج کے دور میں باغبانی کی تھی، جب یہ عمل انجام پذیر ہوا تو وہ کیوں خاموش رہی ؟ جننے والی اور جنوانے والی ایک ہی ہو گئی۔ لیکن یہ بات پوشیدہ کیسے رہ سکتی تھی ۔ اس بستر شادی پر کیسے بھی تاریکی کے پردے پڑ جاتے اور یہ سب آنکھوں سے اوجھل بھی ہو جاتا، لیکن وقت کی عقابی آنکھوں سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی ۔ خواہ تم پسند کرو یا نہ کرو ، خواہ یہ کتنی ہی پرانی بات ہو جائے ، لیکن ہر کام کی جواب دہی کرنی ہو گی اور ہر روح اپنے کیفر کردار کو پہنچے گی ۔

کاش تم کبھی تھیبی نہ آئے ہوتے ۔ نہ اس محل میں آئے ہوتے ، نہ اس نسوانی سینہ والی بلا سے مقابلہ کر کے موت پر فتح حاصل کی ہوتی اور نہ ہمیں نجات دلائی ہوتی ۔ اے مظلوم و دل شکستہ ایڈیپس ! کاش ہمیں یہ نغمہ سرائی کرنے کی ضرورت نہ آئی ہوتی ۔

[محل سے دوسرا قاصد آتا ہے]

دوسرا قاصد : تھیبی کے معزز باشندو ! اگر لیب دے کس گھرانے کی عزت و محبت اب بھی تمہارے دل میں ہے تو کیسی خوف ناک باتیں ابھی تمھیں سننے اور دیکھنے کو ملیں گی اور کیسے غم ابھی تمھیں سہنے ہوں گے ۔ الیسترا اور فیسس جیسے عظیم دریاؤں کے پانی بھی ان نحوستوں کو نہیں دھو سکتے جو اس گھرانے پر مسلط

ہو گئی ہیں یا کرائی گئی ہیں۔ انجانے میں نہیں، بلکہ جان بوجھ کر۔ اور بدترین نحوستیں وہ ہیں جو ہم خود اپنے لیے پیدا کر لیتے ہیں۔

طائفہ: ہم پر پہلے ہی غم کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں۔ کیا تم کسی اور نئی مصیبت کی داستان لائے ہو؟

دوسرا قاصد: کہنے کو ایک مختصر سی کہانی ہے۔ ہماری ملکہ یوکاستا چل بسیں۔

طائفہ: آہ بدنصیب ملکہ! ان کی موت کس کے ہاتھوں ہوئی؟

دوسرا قاصد: خود انھیں کے ہاتھوں! اس واقعہ کی ہولناکی کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے، کیوں کہ تم نے دیکھا نہیں۔ میں نے دیکھا ہے اور میں صراحت سے بتاتا ہوں کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی۔ جب وہ جذباتی خاموشی میں ہمارے پاس سے گئیں تو صحن سے گزر کر وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچ لیے۔ اندر جا کر دروازے بند کر لیے اور بستر کے پاس جا کر جہاں اس قاتل بیٹے کا نطفہ قرار پایا تھا جو اپنے باپ کو قتل کرنے والا تھا، انھوں نے لائس کو آواز دی جسے مرے ہوئے بھی عرصہ گذر چکا ہے۔ اس بیٹے کی دہائی دی جس نے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا اور اپنی ماں سے ملعون اولاد پیدا کی اور اپنی اس ازدواجی زندگی کا ماتم کیا جس میں انھوں نے دوہری نسل چلائی — شوہر سے شوہر اور اپنی اولاد سے بچے۔ پھر وہ کیسے مر گئیں مجھے ٹھیک معلوم نہیں۔ کیوں کہ اسی دوران ایڈیپس دہاڑتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ وہ بے تابی میں ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے اور تلوار طلب کر رہے تھے۔ وہ اپنی بیوی کو تلاش کر رہے تھے جو ان کی بیوی نہیں تھی، بلکہ ماں تھی جس کے بطن سے ان کے بچے اور وہ خود پیدا ہوئے تھے۔ کسی نے بھی ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم سب گونگوں کی طرح کھڑے تھے۔ لیکن دیوتاؤں نے ان کی مدد کی۔ ایک خوفناک نعرہ مار کر انھوں نے خود کو اس دوہرے دروازے سے ٹکرا دیا۔ دروازہ چکنا چور ہو گیا اور وہ اندر گھس گئے۔ اور ہم نے دیکھا کہ ملکہ عالیہ کا جسم لٹکا ہوا ڈوری کے پھندے میں جھول رہا ہے۔ انھوں نے ایک دل دوز چیخ ماری اور پھندے کو ڈھیلا کر کے مردہ جسم کو زمین پر اتار لیا۔ وہ بدنصیب

خاتون زمین پر پڑی ہوئی تھیں کہ آنکھوں نے ایک اور بھیانک منظر دیکھا۔ ایڈیپس نے ان کے لباس سے سونے کے کانٹے کھینچے۔ ان کو اوپر اٹھایا اور سیدھا اپنی آنکھوں کے ڈھیلوں میں گھونپ لیا۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہے تھے۔ "بس بس! میری مصیبتوں کو، میرے اعمال کے گھناؤنے پن کو تم اور نہیں دیکھو گی۔ تم نے ان کو بہت دیکھ لیا جن کو تمھیں ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ اور ایک عرصے تک ان کو نہیں پہچانا جن کو پہچان لینا چاہیے تھا۔ اس لمحہ کے بعد سے تم بالکل تاریک ہو جاؤ۔" وہ یہ کہتے جاتے تھے اور آنکھوں کو پھوڑتے جاتے تھے۔ خون بہنے لگا ــــ قطرہ قطرہ نہیں، بلکہ تیز دھار میں، ان کی داڑھی کو تر کرتا ہوا۔ ان دونوں کے اعمال سے یہ نحوست نازل ہوئی اور ایک پر نہیں بلکہ مرد و عورت دونوں پر ہی لعنت ہوئی۔ ان کو وراثت میں بہت سی خوش بختیاں حاصل ہوئی تھیں، لیکن یہ سب آج کیا ہوئیں؟ آج صرف تباہی، ذلت و رسوائی، موت اور وہ تمام انسانی لعنتیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے، ان کا مقدر ہیں اور ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر ہو گئی ہیں۔

طائفہ : کیا وہ اب بھی کرب میں مبتلا ہیں یا کچھ سکون ہو گیا ہے؟

دوسرا قاصد: وہ چلا رہے ہیں کہ کوئی دروازے چوپٹ کھول دے تاکہ تھیبس کے سارے باشندے دیکھ لیں کہ یہ ہے اپنے باپ کا قاتل اور اپنی ماں کا ــــ نہیں نہیں! میں وہ الفاظ نہیں دہرا سکتا۔ پھر وہ تھیبس سے چلے جائیں گے، خود جلا وطن ہو جائیں گے تاکہ یہ ادبار اس گھرانے سے دور ہو جائے لیکن اب ایسا کرنے کی بھی قوت ان میں نہیں ہے۔ کوئی ان کو سہارا دے اور ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ وہ بڑے درد ناک عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ تو دروازے کھل رہے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں آپ وہ منظر دیکھیں گے کہ پتھر دل بھی پاش پاش ہو جائے۔

[ایڈیپس لایا جاتا ہے]

طائفہ : یہ بڑا خوفناک منظر ہے۔ چشم انسانی نے ایسا بھیانک نظارہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ایڈیپس! آپ پر کیا دیوانگی طاری ہوئی ہے؟ کس شیطان نے آپ کی زندگی پر یہ عذاب مسلط کر دیا جو فانی انسان کی برداشت سے باہر ہے۔ آہ پامال ہستی! تمھیں تو دیکھنا بھی

دشوار ہے۔ ذرا سنبھل سکیں تو آپ سے کچھ پوچھیں۔

ایڈیپس : افسوس! وائے افسوس! میں بڑا ہی بدنصیب ہوں۔ میں کہاں ہوں؟ میں کہاں جارہا ہوں؟ کیا کہیں دنیا میں مجھے پناہ ملے گی؟ کیا میری آواز کوئی سن رہا ہے؟

سردار طائفہ : آنکھوں اور کانوں دونوں ہی کے لیے بڑی بھیانک صورت حال ہے!

ایڈیپس : آہ دوست! تمھیں ایک میرے دوست باقی ہو۔ ایک اندھے آدمی کے دوست۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں ہو۔ اگرچہ میں اندھا ہوں لیکن تمھاری آواز پہچانتا ہوں۔

سردار طائفہ : یہ ہمت کہاں سے ملی کہ تم نے دونوں آنکھیں نکال ڈالیں۔ کون سی غیر زمینی قوت نے تمھیں اس پر مجبور کیا؟

ایڈیپس : اپولو! اپولو! میرے عزیزو! یہ اپولو دیوتا تھا جس نے یہ بدبختی مجھ پر مسلط کردی۔ لیکن مجھ بدنصیب کے اپنے ہاتھ تھے جنھوں نے ان آنکھوں کو تاریک کردیا۔

طائفہ : اس طرح اندھا ہوجانے سے تو مرجانا بہتر تھا۔

ایڈیپس : نہیں نہیں! مجھے مشورے مت دو۔ میرے لیے یہی سزا مناسب تھی۔ میرا اندھا ہوجانا ہی بہتر ہے۔ دیکھ کر خوش ہونے کے لیے کون سی چیز رہ گئی ہے۔ میں مردوں میں شامل ہوجاتا تو اپنے باپ سے کیسے نظر ملاتا، ایسے ہی اپنی بدنصیب ماں سے ـــــ میں تو دونوں ہی کا ایسا گنہ گار ہوں کہ پھانسی کی سزا بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ اور میری اولاد، جس طرح وہ پیدا ہوئی کیا میری آنکھوں کے لیے خوش کن ہوتی؟ نہیں نہیں! کبھی نہیں! نہ یہ اونچی دیواروں والا شہر، نہ دیوتاؤں کے مجسمے۔ کیڈمس کی نسل کا شریف ترین انسان ایڈیپس مردود و ملعون ہے۔ میں نے اپنے ہی فرمان سے ان تمام چیزوں کی دید اپنے اوپر حرام کرلی۔ میں نے حکم دیا تھا کہ اس شخص کو ملک سے نکال باہر کیا جائے جس نے لائس کے وطن کو نجس کردیا ہے۔ میں ان لوگوں سے کیسے آنکھیں چار کرسکتا تھا، نہیں، قسم سے کبھی نہیں!

آہ کتھیرن تو نے مجھے کیوں پناہ دی! مجھے وہاں ڈال دیا گیا تھا تو مجھے مرنے دیا جاتا۔ میری منحوس پیدائش کا دنیا کو علم ہی نہ ہوا ہوتا۔

آہ پولی بس! میں کورنتھ کو اپنے آبا کی سرزمین سمجھ رہا تھا۔ میں تیری اولاد معلوم ہوتا تھا لیکن یہ سرطان تو میرے اندر بڑھ رہا تھا۔ آہ وہ تین سڑکیں۔ وہ جنگل اور وہ راستہ جہاں یہ تینوں سڑکیں ملتی ہیں تم نے میرا بہایا ہوا خون پی لیا۔ میرا خون۔ میرے باپ کا خون! یاد تو کرو وہاں میں نے ناقابل بیان باتیں کیں اور پھر کیا کرنے چلا۔

آہ وہ ازدواج! جس نے مجھے جنا اور پھر اپنی ہی اولاد سے اولاد پیدا کی! اف! وہ مباشرت محرمات کا جال جس میں باپ، بھائی، بیٹے، دلہنوں، بیویوں اور ماؤں کے ساتھ گڈمڈ ہو گئے۔ انسانی علم کا بدترین گناہ، کوئی زبان کبھی نہیں بتا سکتی کہ کس قدر غلیظ اور گھناؤنا!

سردار طائفہ: میرا دل لرز رہا ہے۔ میں اب تاب نہیں لا سکتا۔ میں چلا۔

ایڈیپس: ذرا ٹھیرو! اس بدنصیب کو ہاتھ لگاتے ہوئے مت ڈرو۔ میری یہ نحوست میرے علاوہ کسی کو نہیں چھو سکتی۔ خدا کے لیے مجھے اس سرزمین سے باہر کہیں روپوش کر دو۔ یا مجھے مار ڈالو، یا مجھے سمندر میں غرق کر دو، جہاں سے تم مجھے پھر کبھی نہ دیکھ سکو۔

[کریون خدام کے ساتھ آتا ہے]

طائفہ: لو وہ کریون آگئے۔ وہ عین وقت پر پہنچے۔ آپ کی خواہش کے بارے میں وہی کچھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اب تو آپ کے بجائے اس شہر کے محافظ وہی ہیں۔

ایڈیپس: آہ! میں ان سے کیا کہوں! میں نے ان کے ساتھ بڑی ناانصافی کی۔ اب کچھ کہنے کا میرا کیا منھ ہے؟

کریون: حضور! میں نہ آپ کا مذاق اڑانے آیا ہوں اور نہ آپ کو ملامت کرنے۔ [خدام سے] ان کو فوراً گھر لے جاؤ۔ اجنبیوں کے سامنے اس دردناک حالت کا اظہار بالکل مناسب نہیں ہے۔

ایڈیپس: مجھے آپ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ لیکن جب آپ نے اتنی مہربانی فرمائی ہے تو پہلے میری بات سن لیجیے۔

کریون: ضرور کہیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

ایڈیپس: مجھے معلوم ہے کہ آپ اس اندر پڑی ہوئی خاتون یعنی اپنی بہن کو اس کی حسب حیثیت دفنائیں گے لیکن کریون مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ میرے بیٹے مرد ہیں۔ وہ اپنی نگہداشت خود کرلیں گے۔ لیکن میری بیٹیاں! آہ بدنصیب دو بیٹیاں! جنھوں نے ہمیشہ میرے ساتھ کھانا کھایا ہے، ان کی نگہداشت آپ کے سپرد ہے۔ اور اگر قانون اس کی اجازت دے تو انھیں مجھے اپنے ہاتھ سے چھونے دیجیے۔ رحم دل ولی عہد میری یہ التجا منظور کیجیے۔ میں ان کو چھوؤں گا تو سمجھوں گا کہ میں نے ان کو دیکھ لیا [خدام اسمینی اور اینٹی گونی کو لے آتے ہیں] کیا میں ان کی آہ وزاری سن رہا ہوں؟ کیا کریون نے میرے حال پر ترس کھا کر میرے بچوں میرے جگر گوشوں کو میرے پاس بلا دیا ہے؟

کریون: ہاں میں نے ہی یہ حکم دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ان کو کتنا عزیز رکھتے تھے۔

ایڈیپس: تم پر رحمتیں نازل ہوں۔ آسمانی دیوتا تم پر مجھ سے کبھی زیادہ مہربان رہیں میرے بچو! تم کہاں ہو؟ آؤ ادھر آؤ! اس شخص کے ہاتھوں کے پاس آؤ جس کی ماں تمھاری ماں تھی۔ وہ ہاتھ جنھوں نے تمھارے والد کی آنکھیں نکال لیں۔ وہ آنکھیں جو کبھی تمھاری آنکھوں کی طرح روشن تھیں۔ وہ جس نے نہ سمجھا، نہ جانا اور اس عورت سے تمھاری ولادت کا سبب بنا جس نے خود اس کو جنا تھا۔ مجھے یہ سوچ کر رونا آتا ہے کہ لوگ تمھاری زندگی اجیرن کر دیں گے اور کیسے برے دن آنے والے ہیں۔ تم جس کسی بھی محفل میں، جس کسی بھی تقریب میں جاؤ گی، وہاں سے خوشیوں کے بجائے اشک بار آنکھیں لے کر آؤ گی۔ جب تم شادی کے قابل ہو جاؤ گی تو کون شخص اس لعنت کی تاب لا سکے گا جو تم پر اور تمھاری اولاد پر مسلط رہے گی۔ کون سی مصیبت اب باقی رہ گئی ہے؟ تمھارے باپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اس نے اپنے وجود کے سر چشمے سے تمھیں پیدا کیا۔ یہ طعن تم پر برابر کیا جاتا رہے گا اور اس شخص پر بھی جو تم سے شادی کرے گا۔ مگر تم سے کون شادی کرے گا! تمھیں تو شوہر ہی نہیں ملیں گے۔ تمھاری زندگیاں یوں ہی برباد ہو جائیں گی۔ آہ مینیکیس کے بیٹے کریون! اب تم ہی میری بیٹیوں کے باپ ہو۔ ان کے والدین تو دونوں ہی کے دونوں ختم

ہوئے۔ ان کا کوئی سہارا نہیں۔ یہ تمھارا ابھی خون ہیں۔ ان کو تنہائی اور مفلسی میں مبتلا نہ ہونے دینا۔ ان کو ان لعنتوں سے الگ رکھنا جن میں میں گرفتار رہا۔ ان پر رحم کرنا۔ وہ لاوارث بچیاں ہیں۔ تمھارے علاوہ ان کا کوئی بھی غم خوار نہیں ہوگا۔ عالی قدر شہزادے! لاؤ اپنا ہاتھ دو اور مجھ سے وعدہ کرو [کریون اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے] میری بیٹیو! تمھاری سمجھ داری کی عمر ہوتی تو میں تمھیں اور بھی نصیحتیں کرتا۔ اب صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ تم جہاں بھی رہ سکو خوش رہو اور تمھاری زندگی اپنے باپ کی زندگی سے بہتر ہو۔

کریون : بس بس! تم بہت رو چکے۔ اب اندر جاؤ۔

ایڈیپس : میں حکم بجا لاؤں گا لیکن ایک شرط پر۔

کریون : شرط؟

ایڈیپس : مجھے اس ملک سے نکلوا دو۔ میں جانتا ہوں کوئی چیز بھی مجھے تباہ نہیں کر سکتی۔ ابھی تو قسمت کے کرشمے مجھے دیکھنے ہیں۔ مجھے کتھیرن پر پھنکوا دو جہاں میرے ماں باپ نے میری قبر کا انتخاب کیا تھا۔

کریون : اس کا فیصلہ تو دیوتا ہی کر سکتے ہیں۔

ایڈیپس : نہیں نہیں! دیوتا مجھ سے متنفر ہیں۔

کریون : اگر ایسا ہے تو تمھاری خواہش اور بھی جلدی پوری ہو جائے گی۔ جس سے وہ نفرت کرتے ہیں اسے ضرور جلاوطن کرا دیں گے۔

ایڈیپس : کیا تمھیں اس کا یقین ہے؟

کریون : اگر یقین نہ ہوتا تو میں بالکل نہ کہتا۔

ایڈیپس : تو پھر مجھے اندر لے چلو۔

کریون : آؤ، لیکن اپنی بیٹیوں کو چھوڑ دو۔

ایڈیپس : ان کو مجھ سے جدا مت کرو۔

کریون : اب حکمرانی کو بھول جاؤ۔ جب تم حکمراں تھے تو حکمرانی نہ نبھا سکے اسے برباد کر دیا۔

[کریون ایڈیپس کو محل میں لے جاتا ہے۔ اکمینی، اینٹی گونی اور خدام پیچھے پیچھے چلے جاتے ہیں]

طائفہ : تھیبی کے باشندو! ایڈیپس کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ یہی وہ شہنشاہ ہے جس نے پہیلی بوجھی اور عظمت کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ ہر فانی آنکھ نے اس کو رشک سے دیکھا اور ہر زبان نے کہا: "یہ بڑا خوش نصیب شخص ہے"۔ لیکن آخر میں تباہی کا طوفان اس کو لے ڈوبا۔ لازم ہے کہ آدمی اپنے انجام پر نظر رکھے اور جب تک انجام بخیر نہ ہو خود کو خوش نصیب تصور نہ کرے۔ خوش انجام شخص ہی خوش نصیب ہے۔

یوریپڈیز

یوریپڈیز ۴۸۵ ق م میں سلامی میں پیدا ہوا۔ اس نے غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچپن عسرت و فلاکت میں گزرا۔ نامساعد حالات نے مزاج میں شدت اور ضد پیدا کر دی۔ شعور سنبھالنے کے بعد یہی ضد باغیانہ خیالات میں تبدیل ہو گئی۔

اس نے پہلوانی کی تربیت حاصل کی اور پھر مصوری سیکھی، لیکن کارکنان قضا و قدر اس کے لیے ادبی مشغلہ مقدر کر چکے تھے۔ اسے اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور اپنی ادبی حیثیت قائم کرنے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ اپنے تمام تر کمال فن کے باوجود اسے حالات و زمانہ کے ساتھ زندگی بھر نبرد آزما رہنا پڑا۔ آخر عمر میں وہ میسی دونیا چلا گیا جہاں اسے شاہی سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔ یہیں ۴۰۶ ق م میں اس نے انتقال کیا۔

وہ ۲۹ سال کا تھا جب اس نے ڈرامائی مقابلوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اس کے عقائد و نظریات کی آزادی سے اس کے ہم وطن بدظن تھے۔ دیگر امور کے علاوہ یہ بدظنی بھی اس کے کمال فن کے اعتراف میں رکاوٹ بنی رہی اور ان مقابلوں میں اسے صرف پانچ مرتبہ اوّل انعام حاصل ہوا حالانکہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً ۹۰ ڈرامے لکھے جن میں سے اب صرف ۱۸ باقی ہیں۔ میڈیا، ہپّولِتس، ترودجنی خواتین، الیکٹرا اور دلیو داسیاں (BACCHAE) اس کے مشہور ڈرامے ہیں۔

یوریپڈیز اپنی صاف گوئی، روشن خیالی اور عقلیت پرستی کے لیے مشہور رہا۔ وہ اندھی عقیدت کے مقابلے میں عقلیت پسندی پر زور دیتا رہا۔ اس نے نہ صرف خود ہی زندگی اور اس کے مسائل پر غور و فکر کیا بلکہ اپنے ہم وطنوں کو بھی غور و فکر کی دعوت دی۔ انھیں عقیدت محض کی تاریکی سے نکال کر عقل و دانش کی روشنی میں لانے کی کوشش

کی۔ اس کے غیر روایتی انداز نے ہی اس کے ہم وطنوں کو اس سے بدظن کر دیا۔ انھوں نے اس کے خیالات کو ناپسند کیا، ان کا مذاق اڑایا اور اسے گمراہی کا مرتکب خیال کر کے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے۔ وہ مذہب کی اندھی تقلید کے خلاف تھا۔ وہ روایتی صنمیات میں کبھی یقین نہیں رکھتا تھا۔ دیوتاؤں کے لامحدود اختیارات پر وہ ہمیشہ نکتہ چینی کرتا رہا۔ یہاں پیش کردہ ڈرامے (دیوداسیاں) میں کبھی اس نے ڈایونسس کو شر اور قہرمانی قوت کا مظہر دکھایا ہے جس کے مقابل پینیتھیس خیر اور نوع انسانی کی فلاح کی نمائندگی کرتا ہے مگر المناک انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ جبر و استبداد کی قوت سے پہلی بار ٹکرانے والوں کا انجام بالعموم یہی ہوتا ہے لیکن وہ اپنی قربانی سے دوسروں کے دلوں میں حریت طلبی اور باطل شکنی کی وہ چنگاری روشن کر جاتے ہیں جو ایک دن شعلہ جوالہ بن جاتی ہے اور کوہ استبداد کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

اس کی عقل پرستی کی زد میں آنے والے عقائد کی جڑیں اس معاشرے میں بہت گہری تھیں۔ خود یوریپیڈیز کی ذہنی تشکیل ان کے اثرات سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہو سکتی تھی اسی لیے کشمکش ذات کا تصور ہمیں اس کے یہاں بہت گہرا نظر آتا ہے۔ اس کے ڈراموں میں متضاد خیالات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ کبھی یہ تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کسی خاص مسئلہ پر مصنف کا خیال کیا ہے۔ وہ بیک وقت مختلف نقطہ ہائے نظر کی تائید و تردید کرتا نظر آتا ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ غیر جانبدار رہ کر اپنے کرداروں کی سچی عکاسی کرنا چاہتا ہے۔ یوں وہ تضاد کا بھی شکار ہوتا ہے اور سخت ذہنی کرب و اضطراب کا بھی۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ میسی دونیا کے قیام کے دوران اس نے ڈایونسس کے پرستاروں کو ذوق و شوق اور جذب و کیف کے ساتھ پرستش میں مصروف دیکھا اور یہی مشاہدہ اس ڈرامے کی تخلیق کا محرک ہوا۔

ایک خاص ہیئت کذائی کے ساتھ رہنا، مے نوشی، جنسی آزادہ روی اور رقص و سرود ڈایونسس کی پرستش کا حصہ بن گئے تھے۔ اس سے شہری آبادی میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونا شروع ہوئیں۔ سماجی بے راہ روی حکومت وقت کے لیے دردسر بننے لگی۔ سماجی اقدار کا تحفظ اور باشندگان ملک کے ننگ و ناموس کی حفاظت حکومت کا فرض

۷۔ بادشاہ وقت پینتھیس ان قبیح رسوم کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے جو سماج کی درہمی کا سبب بن رہی ہیں۔ یہ اصلاحی تحریک نادانستہ طور پر اسے ڈایونسس سے برگشتہ کردیتی ہے اور دیوتا کا منکر ہو جاتا ہے اور یوں اس کی برہمی اور مخالفت مول لے لیتا ہے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی آسمانی اور فوق بشری قوتوں کے مقابلے میں بے بضاعت انسان کی خوفناک تباہی۔ پینتھیس کی ماں ڈایونسس کے پرستاروں میں شامل ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کی تکا بوٹی کر دیتی ہے اور خوش ہوتی ہے کہ اس نے ایک زبردست شیر کو شکار کیا ہے۔ اس تمام عمل کے دوران اس پر بے خودی کی سی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ سمجھ نہیں پاتی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ بے خودی اس تشکیک کی سزا ہے جو ڈایونسس کے بارے میں کسی وقت اس کے ذہن میں پیدا ہوئی تھی۔ اس طرح ڈایونسس نے ہر دو سے انتقام لیا۔ انکار کرنے والے سے بھی اور دل میں شک رکھنے والے سے بھی۔ ماں عالم ہوش میں آتی ہے تو حقیقت آشکار ہوتی ہے اور اس کو اپنی تباہی کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس بے رحمی کا بھی جو اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ روا رکھی۔

دیوداسیاں (BACCHAE) ان تین ڈراموں میں سے ایک ہے جو مصنف نے جلاوطنی کے زمانے میں لکھے اور جن کو مصنف کی وفات کے بعد منظر عام پر لایا گیا۔ اپنی تکمیلیت، پُرجوش انداز بیان اور شاعرانہ تخیل کی بدولت اس نے یونان کے عظیم المیوں میں جگہ پائی۔

ڈیوڈاسیاں

۴۰۷ ق م

کردار

ڈایونسس

کیڈمس

اگوے — کیڈمس کی بیٹی

پینتھیس — تھیبی کا بادشاہ اور اگوے کا بیٹا

پیش گو

دو قاصد

محافظ

طائفہ — ڈایونسس کی پجارنوں پر مشتمل

کتھیبی میں پینتھیس کے محل کے سامنے کا حصہ۔ ڈایونسس کی ماں سیملی کا انگوروں کی بیلوں سے ڈھکا ہوا مقبرہ درمیان میں ہے۔ ڈایونسس داخل ہوتا ہے۔

ڈایونسس: میں ہوں ڈایونسس ــــ زیوس کا بیٹا۔ آج اپنی جائے پیدائش پر آیا ہوں۔ کیدمس کی بیٹی سیملی میری ماں ہے ــــ شعلہ ہائے برق نے اس کی دایہ گیری کی تھی۔ میں نے قلب ماہیت کر لی ہے اور اپنی شکل سماوی کو ارضی و فانی انسانوں کی شکل سے بدل لیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر میں ان چشموں اور رود بار اسمینس کے قریب کھڑا ہوں۔ اس محل کے سامنے مجھے اپنی ماں کا مقبرہ نظر آ رہا ہے جہاں وہ ذات ابدی نیند سو رہی ہے جسے برق نے خاکستر کر ڈالا تھا ــــ خانۂ ویران پر ابھی تک زیوس کی آتش غضب سلگ رہی ہے اور لامتناہی طور پر ہیرا کے اس غیض و غضب کی یاد دلا رہی ہے جو اس نے میری ماں کے لیے روا رکھا۔ لیکن میں کیدمس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نے اس مقام کو پاک و صاف رکھا ہے اور اسے زیارت گاہ بنا دیا ہے اور میری منشا کے عین مطابق خوشہ دار انگوروں کی بیلیں اس خطہ میں ہر طرف پھیل گئی ہیں۔

اپنی سیاحت کے دوران میں کہاں کہاں سے گذرا ہوں۔ فرجیا اور لیڈیا کی زرخیز سرزمین سے تو میں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ وہ علاقے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ میں سرزمین فارس کے ان گھاس کے میدانوں سے گذرا جہاں خورشید جہاں تاب کی کرنیں جسموں کو جھلسا دیتی ہیں۔ پھر بیدیا اور بکتریا کے شہروں سے گذر کر عرب کے خوش بخت علاقوں سے گذرا۔ اور

پھر ایشیا کے ان کھاری سمندروں کے پاس سے گزرا جن کے ساحلوں پر عالی شان عمارتوں والے شہر آباد ہیں جن میں یونانی اور دوسری بہت سی قومیں شیر و شکر ہو کر رہتی ہیں۔ ان تمام علاقوں میں میں نے انسانوں کو رقص کا فن سکھا دیا اور ایسے عقائد و رسوم کی بنیاد ڈال دی جن سے اہل زمین پر میری الوہیت آشکار ہو جائے۔

اور اب سرزمین تھیبس پر آیا ہوں۔ یہیں میں نے سب سے پہلے اپنی سرخوشی کی صدا بلند کی تھی اور اب یہاں کی عورتوں کو پوست آہو میں جکڑ بند کر دیا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں میں عشق پیچاں کی ہتھ کڑیاں ڈال دی ہیں کیوں کہ میری ماں پر اس کی بہنوں نے ایسا بہتان لگایا تھا جو ان کے لیے بالکل نازیبا تھا۔ وہ کہتی پھرتی تھیں کہ ڈایونسس زیوس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے، بلکہ سیملی اپنی محبت میں اندھی ہو کر کسی فانی انسان کے ساتھ ہم صحبت ہوئی اور اپنی اس بدنامی کے داغ کو زیوس کے سر تھوپ دیا۔ اور کیڈمس نے اپنی بیٹی کے ناموس کو بچانے کی خاطر یہ سازش کی تھی۔ اب چوں کہ اس نے جھوٹ بولا تھا، زیوس نے غضب ناک ہو کر اس کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔

میں نے انتقاماً ان پر جنون مسلط کر دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں سے نکل کر میری محبت کا لباس زیب تن کیے پہاڑوں میں پاگلوں کی طرح سرگرداں پھرتی رہیں۔ تھیبس کی ایک ایک عورت کو ـــــ مگر صرف عورتوں کو ـــــ میں نے دیوانہ بنا کر گھروں سے نکال دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک امیر ہو یا غریب، کیڈمس کی بیٹیوں کے ساتھ سرسبز و شاداب درختوں کے سایہ میں بے چھتی چٹانوں پر زندگی بسر کرتی ہے۔ خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، لیکن شہر تھیبس کو سبق ضرور مل جانا چاہیے۔ وہ میرے رسوم مقدسہ کو کبھی پورے طور پر بجا لاتے۔ میں اپنی ماں کی بے گناہی ثابت کر دوں گا اور چشم انسانی پر یہ بھی آشکارا کر دوں گا کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بیٹا زیوس ہی کا تھا اور اس لیے اسے بھی درجۂ الوہیت حاصل ہے۔

کیڈمس اپنی سلطنت سے دست بردار ہو چکا ہے اور اس نے اپنا

تاج وتخت اپنے نواسے پینتھیس کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ میری الوہیت سے منکر و باغی ہو گیا ہے۔ وہ نذر و نیاز سے مجھے محروم رکھتا ہے اور عبادت میں میرا نام تک نہیں لیتا۔ لہٰذا اب اس سے اور تمام اہل تھیبی سے مجھے اپنی الوہیت تسلیم کرا لینی ہے۔ یہاں ایک بار میرا یہ استحقاق قائم ہو جائے اور پرستش شروع ہو جائے تو پھر میں دوسری سرزمینوں میں جاؤں گا تاکہ وہاں کے باشندوں کو باور کرا سکوں کہ میں کون ہوں۔ لیکن اگر اہل تھیبی اپنی نادانی میں میرے نام لیواؤں کو بزورِ شمشیر پہاڑوں سے خارج کرنے پر ضد کر بیٹھے تو میں اپنی فوج لے کر اٹھوں گا، جنگ سے گریز نہیں کروں گا اور میدانوں پر قبضہ کر لوں گا۔ اسی مقصد سے میں نے دیوتاؤں کا روپ چھوڑ کر انسانوں کا بہروپ بھر لیا ہے۔

[ہاتھوں میں دف اور بانسریاں لیے، پوست آہو زیب بدن کیے اور عشق پیچاں میں لپٹی ہوئی لیڈیائی دیوداسیوں کا طائفہ داخل ہوتا ہے۔]

اے عورتو! میری پجارنو! تم نے اپنے کوہستانی مکانوں کو چھوڑ دیا تاکہ میرے ساتھ آسکو اور میری اس سیاحت میں میری ہم سفر بن سکو۔ آؤ۔ اپنے فریجیائی دف اٹھا لو اور اپنا کوہستانی نغمہ چھیڑ دو اور اس نغمہ کو اتنا بلند کر دو کہ پینتھیس کا محل گونج اٹھے اور تھیبی کے تمام باشندے جمع ہو جائیں اور تھیس بچشم خود دیکھ لیں اور اب میں کتھیرن کے جنگلوں کی طرف جاتا ہوں جہاں دیوداسیاں میری منتظر ہیں کہ میں ان کے رقص میں شامل ہو جاؤں۔

سردار طائفہ: میں اپنے سریع رفتار قدموں سے ایشیا سے آئی ہوں کہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو سکوں۔ اس کی خدمت گزاری سخت مشکل ہے۔ لیکن اس میں لطف بھی کیسا ہے۔ اس کی پرستش کرنا اور اس کی حمد و ثنا کے نغمے گانا کیسا دلچسپ مشغلہ ہے۔

جو شاہراہوں پر ہیں، جو گلیوں میں ہیں، راستہ صاف کر دیں، ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالیں، بالکل خاموش ہو جائیں کہ اب میں ڈایونسس کا

بھجن شروع کرتی ہوں۔

خوش بخت و مبارک ہیں وہ لوگ جو عبادات کے اسرار سے واقف ہیں اور جن کے باطن پاک وصاف ہیں اور جو مکروہات سے بچ کر پورے روحانی انہماک سے عبادت میں مصروف ہیں۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو فرازِ کوہ پر مقدس رقص میں مصروف ہیں اور تزکیہ نفس کی حامل ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو کُبیل دیوی کی پرستش میں مصروف ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو ربانی عصا کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جن کے ہاتھوں پر عشق پیچاں لپٹی ہوئی ہے۔ اور جن کے سروں پر بھی عشق پیچاں کا تاج ہے۔ مبارک ہیں وہ جو ڈایونسس کو اپنا معبود مانتے ہیں۔

آؤ! باخوس کے پجاریو! آؤ اور اپنے معبود برومیس کو سربلندی کے ساتھ فریجیائی سرزمین سے اس کے اصلی وطن میں واپس لے آؤ۔ وہ معبود جو دیوتا ہے اور دیوتا کی اولاد ہے، اس معبود ڈایونسس کو اس کے گھر میں واپس لے آؤ۔ تھیبی کی شاہراہوں پر ایک بار پھر اس کے نام کو سربلند کر دو۔

وہ بطنِ مادر سے عالمِ آب و گل میں اس وقت آیا جب زیوس کے غضب کی بجلیاں گر چکی تھیں۔ اس برق زنی نے اس کی ماں کو جلا کر خاکستر کر دیا اور زچہ خانہ سے قبر میں پہنچا دیا۔ لیکن جس زندگی کو اس نے جنم دیا تھا اس کو زیوس کے زانو میں ایک خفیہ پناہ گاہ مل گئی جہاں اس نے بچہ کو زنجیر طلائی سے باندھ دیا۔ وہ ہیرا کی آنکھوں سے پوشیدہ رہا اور ایسا محفوظ جیسا رحم مادر میں۔

اور جب قضا و قدر کا مقرر کیا ہوا وقت آ پہنچا تو زیوس کے اس لڑکے کی پیدائش ہوئی —— اس کے بیل جیسے سینگ تھے —— جوشِ مسرت میں اس نے اپنے بیٹے کے سر پر اژدہا کا تاج رکھ دیا۔ اس کی یادگار میں ہم اس کی پجارنیں اپنے بالوں کے ساتھ سانپ گوندھے رکھتی ہیں۔

اے ہمارے معبود کی ماں کی دایہ گیری کرنے والے تھیبی تو کبھی اپنے

سر پر عشق بیچاں کا تاج پہن لے اور ایسی بیلوں سے سرسبز و شاداب ہو جا جن پر سرخ پھل آتے ہوں۔ صنوبر اور شاہ بلوط کے درختوں سے تجھے زندگی کی تب و تاب حاصل ہو اور پھر تو رقص کناں ہو جا ــــ بوقلموں پوست آہو پر سفید پشمینہ کا کام ہو ــــ عصائے ربانی سے ڈرتے رہو اور تقویٰ و پاکبازی اختیار کرو۔ جب باخوس اپنے معتقدین کو لے کر پہاڑوں پر چلا جائے گا تو سارا تھیبی ہمارے ساتھ رقص کرنے لگے گا۔ تھیبی کی تمام گھرستنیں اپنے ہانڈی چولھوں کو چھوڑ کر اور اپنے کرگھوں اور پارچہ بانی کو تج کر دیوانہ وار وہاں چلی جائیں گی جہاں ڈایونسس ان کو لے جانا چاہے گا۔

میں نیم دیوتاؤں کے رقص کی تعریف کرتی ہوں۔ میں کریٹ کے مقدس غاروں کی تعریف کرتی ہوں جہاں زیوس کی پیدائش واقع ہوئی۔ یہ دف جو میں بجا رہی ہوں، کیبیل کی پجارنوں کے پاس تھا۔ انھوں نے ہی اسے چمڑے سے مڑھا اور اسے بے تحاشا زور زور سے بجایا کہ اس کی شدید آواز بانسری کی سریلی آواز کے ساتھ مل گئی اور پھر کیبیل کو دے دیا کہ باخوسیوں کی سرمستی میں اور بھی اضافہ کر دے۔ اس کے ہاتھوں سے سیطورنے لے کر مجھے دے دیا کہ رقص کے ساتھ اس کی تال بھی شامل کی جائے۔ تب سے اس کے ذریعہ ہم رب الخمر ڈایونسس کی خوشی و خوشنودی حاصل کرتی ہیں۔

وہ کوہستانوں میں خوش رہتا ہے۔ وہ اپنے خزانوں میں سے زمین پر ثمر افشانی کرتا رہتا ہے۔ وہ ہرن کا مقدس پوست پہنے، بکریوں کا تعاقب کرتا ہے اور ان کو ہلاک کر کے ان کا گرم خون پی ڈالتا ہے اور ان کے گوشت سے لذت کام و دہن حاصل کرتا ہے۔ وہ لیڈیا اور فریجیا کے پہاڑوں کے درمیان رواں دواں رہتا ہے۔ وہ ہمارا آقا برومیس ہے۔

یہ اسی کا کرم ہے کہ زمین پر دودھ، شراب اور شہد کی فراوانی ہے اور اسی کے فیض سے ہر طرف اجالا ہے۔ اس کے عصا سے مشرقی بخورات کی خوش بوئیں پھوٹ پھوٹ کر ہر طرف بکھر جاتی ہیں۔ اس کے رقص کی تیز روی اور اس کی ملہمانہ آواز سست رفتاروں کو بھی تیز رو بنا دیتی ہے۔ اس کی

زلفیں ہوا میں لہراتی ہیں اور پجارنوں کی آوازوں کے درمیان اس کی بلند آواز واضح سنائی دیتی ہے۔ ہاں میری پرستارو! ہاں ہاں میری پرستارو! نازش سرزمین تمولس! چنگ و دف کی آواز کے ساتھ ڈایونسس کے بھجن بلند آواز سے گاؤ۔ خوشیاں مناؤ اور مسرت کے دیوتا کی تعریف میں بانسری کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملا دو اور اس کی تقدیس کے گیت گاؤ جو پہاڑوں کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔

جذبۂ عبادت سے سرشار تب یہ پجارنیں خوشی سے اس طرح اچھلتی ناچتی ہیں۔ جیسے اپنی ماں کے ساتھ کوئی بچھڑا چراگاہ میں کلیلیں کرتا ہے۔

[پوست آہو میں ملبوس اور عشق پیچاں کا تاج سر پر دھرے پجارنوں کے روپ میں ترسیاس داخل ہوتا ہے۔ وہ اپنی لاٹھی سے ٹٹول کر راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔]

ترسیاس: دروازہ پر کون پہرہ دے رہا ہے؟ ایگنر کے بیٹے کیڈمس کو بلاؤ جس نے سیدون سے ترک وطن کر کے تھیبی کو آباد کیا اور وہاں فلک بوس مینار تعمیر کرائے۔ کوئی جائے اور اس سے کہہ دے کہ ترسیاس اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کو میرے آنے کی غرض و غایت معلوم ہے۔ ہم دونوں ہم عمر ہی ہیں بلکہ عمر میں وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ ہم دونوں ہی پوست آہو زیب تن کرتے ہیں۔ عشق پیچاں اپنے عصا سے لپیٹتے ہیں اور اسی کی شاخوں کو اپنے سر کا تاج بناتے ہیں۔

[کیڈمس جس کی کمر عمر کے بوجھ سے دہری ہو گئی ہے، اسی ہیئت کذائی کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔]

کیڈمس: آہ میرے حبیب لبیب! میں نے محل میں ہی تمھاری آواز سن لی تھی — وہ آواز جس سے دانشمندی ظاہر ہوتی ہے — دیکھو تو سہی میں نے بھی خداوند کے حسب منشا لباس زیب تن کیا ہوا ہے کہ تیاری میں وقت ضایع نہ ہو۔ اس کی عظمت و شان کو حتی الامکان بلند کرنا ہمارا یوں بھی فریضہ ہے کہ ڈایونسس جس کی الوہیت اب آشکار ہو چکی ہے میرا دختر زادہ ہی تو ہے۔ ترسیاس! تم تو ان معاملات میں بڑی بصیرت کے مالک ہو، بتاؤ اب کدھر جانا ہے؟ کہاں رقص کرنا ہے کہ میں اس مقدس رقص میں اپنے سفید سر کی جنبش سے حظ

حاصل کرسکوں۔ یقین جانو اس عصا کے ساتھ دن رات کبھی رقص کرتا رہوں تو میں تھکوں گا نہیں۔ بڑھاپے کو بھول جانا بھی کیسا خوشگوار ہوتا ہے۔

ترسیاس : بس یہی میرا حال ہے۔ اس مقدس رقص کا ذوق و شوق مجھے بھی شباب کی منزل میں لا کھڑا کرتا ہے۔

کیڈمس : خوب! تو پھر اب رتھ میں سوار ہو کر کوہستان کی طرف چلیں؟

ترسیاس : نہیں! سواری میں چلنے سے تو دیوتاؤں کے احترام میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ پیدل چلنا چاہیے۔

کیڈمس : ٹھیک ہے۔ میں آگے آگے چلتا ہوں۔ ایک بوڑھا دوسرے کی رہنمائی کرے گا۔

ترسیاس : دیوتا خود ہماری رہنمائی کرے گا اور ہمیں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔

کیڈمس : کیا ہمارے علاوہ تھیبی کا اور کوئی بھی شخص باخوس کے اس رقص میں شامل نہیں ہوگا؟

ترسیاس : عقل و فراست تو ہمارے ہی حصہ میں آئی ہے۔ باقی سب لوگ تو اندھے ہیں۔

کیڈمس : اب ہم دیر کر رہے ہیں۔ تم میرا ہاتھ تھام لو اور چلو۔

ترسیاس : لو میرا ہاتھ پکڑ و۔ اب یہ کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے۔

کیڈمس : میں تو انسان ہی ہوں۔ دیوتاؤں کی تحقیر میرے حلقۂ خیال میں نہیں آسکتی۔

ترسیاس : یقیناً! ہم دیوتاؤں کے ساتھ استہزا نہیں کرتے۔ ہم تو اپنے اسلاف کے عقائد و رسوم کے وارث ہیں۔ زمانہ کیسا ہی تخیل آفرینیاں کرتا رہے اور منطق چھانٹتا رہے لیکن دیوتاؤں کو ان کے منصب سے فروتر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے لوگ ہنسیں اور کہیں "تم کو اس عمر میں عشق پیچاں سر سے لپیٹے رقص کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" لیکن مجھے کوئی ندامت نہیں۔ ہمارے معبود نے اس رقص عبودیت میں جوان اور بوڑھے کا تو کوئی امتیاز قائم نہیں کیا۔ وہ تو جملہ انسانوں سے پرستش کا طالب ہے اور بلا استثنا ہر شخص اس کا مکلف ہے۔

کیڈمس : ترسیاس! تم تو بینائی سے محروم ہو۔ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، تمھیں بتاتا چلوں۔ ایکن کا بیٹا پینتھیس جس کو میں نے تھیبی کی زمام حکومت سپرد کی تھی، محل کی

طرف تیز تیز قدموں سے چلا آرہا ہے۔ وہ مضطرب اور پریشان سا نظر آتا ہے۔ ذرا اس کی بھی سنی جائے۔

[پینتھیس قوی الجثہ نوجوان شخص یونانی روایتی لباس میں ملبوس، داڑھی مونچھ صاف اضطراب کے عالم میں اپنے خادموں سے گفتگو کرتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ دونوں بوڑھوں پر اس کی نظر نہیں پڑتی۔]

پینتھیس: میں اتفاق سے شہر سے باہر گیا تھا۔ ایک عجیب صورت حال کی اطلاع مجھے ملی اور میں پریشان ہو کر فوراً واپس آگیا۔ ہماری خواتین اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر، کسی پراسرار عبادت کے بہانے دیوانہ وار کوہستانی جنگلات میں بھاگی چلی جارہی ہیں اور کسی نو ساختہ معبود ڈایونسس کی پرستش میں رقص کر رہی ہیں۔ معلوم نہیں یہ کون ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ درمیان میں لبالب شراب کے جام رکھے ہوتے ہیں۔ سرشار ہو کر ایک ایک کر کے یہ عورتیں پنہاں تاریک گوشوں میں چلی جاتی ہیں اور وہاں اپنے عشاق مردوں کی ہوس ناکیوں کی تسکین کرتی ہیں۔ وہ خود کو باخوس کی عبادت گزار اور اسے باخوسی عبادت کہتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایفرودیت کی پرستار ہیں۔ ان میں سے جو ہاتھ آسکیں ان کو میں نے گرفتار کر لیا ہے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر قید خانہ میں ڈال دیا ہے جہاں میرے سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ جو باقی ہیں ان کا بھی تعاقب کیا جائے گا جیسے چھپے ہوئے شکار کو تلاش کر لیا جاتا ہے۔ بس ایک بار ان کو فولادی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تو سب خرافات ختم ہو جائے گی۔

مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قصبے میں لیڈیا سے کوئی اجنبی ساحر بھی آن پہنچا ہے۔ اس کی سنہری زلفوں میں دل موہ لینے والی خوشبو ہے۔ اس کے رخسار سرخیٔ مے سے تمتمائے ہوئے ہیں اور اس کی آنکھوں میں ایفرودیت کی موہنی ہے۔ وہ شب و روز ہماری خواتین اور دوشیزاؤں کے ساتھ گزارتا ہے اور ان کو پراسرار مسرتوں سے ہم کنار کرنے کا لالچ دیتا ہے۔ وہ کبھی میرے ہاتھ لگ جائے اور ایک بار اس چہار دیواری میں آجائے تو میں اس کا سر تن سے جدا کر کے اس کی ان سب حرکتوں کا خاتمہ کر ڈالوں گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس کا سر قلم کر کے رہوں گا۔ یہ شخص ڈایونسس کو معبود دیوتا کہتا ہے

اور کہتا ہے کہ وہ زیوس کے زانو میں سی دیا گیا تھا جب کہ اس کو اور اس کی ماں دونوں کو زیوس نے اپنی برق پاشی سے جلا کر بھسم کر ڈالا تھا کیوں کہ اس نے زیوس پر اتہام لگایا تھا کہ وہ اس کے عشق میں گرفتار ہے اور وہ اس کے بوستان شباب سے خوشہ چینی کر چکا ہے ۔ یہ اجنبی کوئی بھی ہو لیکن کیا اس طرح کے نابکار لوگ سزاوار قتل نہیں ہیں ؟

[دونوں بوڑھوں پر اس کی اچانک نظر پڑتی ہے]

ارے ! یہ تو اور بھی عجوبہ ہے ! پیش گو ترسیاس بھی رنگ برنگے پوست آہو میں ملبوس ہے اور میرے نانا ـــــ کیا مضحکہ خیز صورت حال ہے ـــــ عشق پیچاں کا عصا لیے ہوئے اسے نچا رہے ہیں ۔ بزرگوار ! میں نہیں سمجھتا کہ اس عمر میں آپ ایسی حماقت میں مبتلا ہوں گے ۔ نانا جان ! اس عشق پیچاں کو اتار پھینکیے ۔ اس عصا پر لعنت بھیجیے ، میں کہتا ہوں اس کو پھینک دیجیے ۔

[ترسیاس کی طرف متوجہ ہو کر]

او ہو ! ترسیاس ! یہ تمھاری ہی کارستانی معلوم ہوتی ہے ۔ ہاں ہاں تم تو ضرور چاہتے ہو گے کہ اب انسانوں کے لیے ایک اور نیا معبود پیدا کر دو تا کہ اس کی نذر و نیاز سے اور طائروں کے تفادل سے فائدہ اٹھا سکو ۔ قسمیہ کہتا ہوں کہ اگر تمھاری عمر اور تمھارے سفید بالوں کا خیال نہ ہوتا تو تمھیں بھی ان دیوداسیوں کے ساتھ جیل میں سڑا دیتا جنھوں نے ایسی ناپاک اور قبیح رسوم کو تھیبی میں پھیلا دیا ۔ جب خواتین کی محفلوں میں فروغ مے کی تابانی نظر آنے لگے تو سمجھ لیجیے کہ وہاں خرابی اور بدکاری ضرور ہے ۔ میری نگاہ میں اس طرح کی ہر تقریب مشکوک ہے ۔

سردار طائفہ : اے اجنبی شخص ! تم کیسی بد زبانی سے کام لے رہے ہو ۔ کیا تمھیں آسمانی دیوتاؤں کا خوف اور احترام کچھ بھی نہیں ؟ کیا تم دندان اژدر بونے والے کیڈمس کا بھی احترام نہیں کرتے ؟ کیا تم اپنے ہی آبا و اجداد کی تحقیر پر کمربستہ ہو گئے ہو ؟

ترسیاس : ذہین آدمی کو مناسب موقع مل جائے تو وہ اپنی خوش گفتاری کے جوہر دکھا سکتا ہے ۔ تم بھی بڑے لسان ہو ۔ فقرے اور جملے تمھاری زبان پر خوب رواں ہیں ، جیسے تم بھی کوئی عقلمند آدمی ہو ۔ لیکن آدمی کیسا ہی چرب زبان ہو ، اس کی

گفتار سے اس کی اصلیت آشکار ہو جاتی ہے۔ تمھاری ان باتوں میں عقلمندی کا شائبہ تک بھی نہیں۔ ایک پرجوش خود اعتماد خطیب بھی عقل سے کام نہ لے تو اپنے برادرانِ شہر کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ دیوتا جس کا آج تم مذاق اڑا رہے ہو، ایک دن عظیم قوت و قدرت کا مالک ہوگا اور اسے یہ اقتدار پورے یونان پر حاصل ہوگا۔ میرے عزیز نوجوان! انسان کی زندگی میں دو قوتوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اولاً دیمیتر یا پرتھوی دیوی ـــــ یا جو بھی نام تم اس کو دینا چاہو ـــــ اسی نے انسان کو نباتات بخشیں کہ ان سے وہ توانائی حاصل کرے۔ اس کے بعد سیملی کا بیٹا آتا ہے جس نے اس کے تکملہ کے طور پر انسان کو شیرۂ انگور بخشا کہ جب یہ رگ و پے میں اترتا ہے تو انسان اپنے تمام غموں کو فراموش کر دیتا ہے اور دن بھر کی کلفتوں کو بھول کر گہری نیند سو جاتا ہے۔ پریشانیوں کا کوئی اور مداوا نہیں ہے۔ دیوتاؤں پر اس کی نذر چڑھائی جاتی ہے کہ اولادِ آدم کو آسمانی برکات حاصل ہوں۔

کیا تم واقعی اس روایت پر طعنہ زن ہو کہ ڈایونسس زیوس دیوتا کے زانو میں پیوست کر دیا گیا تھا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے۔ جب زیوس نے اپنے بیٹے کو شعلہ برق سے بچا لیا اور وہ اسے لے کر اولمپس پر گیا تو ہیرا کی یہ نیت ہوئی کہ وہ اسے آسمان سے پھینک دے لیکن زیوس کی دانش کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اس نے عالم پر محیط ایتھر کا تھوڑا سا حصہ لیا اور ڈایونسس کا ایک بت بنا کر ہیرا کو دے دیا اور اس طرح ہیرا کی آتش غضب سے اسے بچا لیا۔ زمانہ گزرا تو انسانوں نے یہ روایت گھڑ لی کہ وہ زیوس کے زانو سے پیدا ہوا تھا۔ اس طرح پوری روایت مسخ ہو گئی۔ حالانکہ ہیرا کے قبضۂ قدرت میں اس ایک ریاحی ہیولے کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا، جو زیوس نے اپنے بیٹے کے فدیہ کے طور پر اسے دے دیا تھا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ یہ دیوتا غیب دانی کی قوت کا بھی حامل ہے۔ اس کے پجاری جو بظاہر مخبوط الحواس اور دیوانے معلوم ہوتے ہیں، غیب دانی کا ملکہ

رکھتے ہیں۔ جب یہ دیوتا جسم انسانی میں حلول کر جاتا ہے تو ان کو علم غیب کا حامل بنا دیتا ہے۔ یہی نہیں اس نے جنگجو ایریس کے بعض اختیارات کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ چناں چہ بعض اوقات تم دیکھتے ہو کہ جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوئی مسلح فوجیں اپنا نیزہ اٹھانے سے پہلے ہی خوف و دہشت کا شکار ہو کر بھاگ کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ ہراس ڈائیونسس ہی طاری کرتا ہے۔ ایک روز تم دیکھو گے کہ ڈیلفائی کی وادیوں میں، بلند چٹانوں سے گھری ہوئی چراگاہوں میں، وہ اپنا عصا لہراتا ہوا آئے گا اور پورے یونان میں اس کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔

پینتھیس! میری بات یاد رکھنا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ محض طاقت کے بل بوتے پر انسان پر حکمرانی کی جا سکتی ہے۔ اپنے ذہن کے اس واہمہ کو عقلمندی سے تعبیر کرنے کی غلطی مت کرنا۔ تھیبی میں دیوتا کا استقبال کرو۔ اس پر مشروبات کی نذر چڑھاؤ اور خود کو مستی و سرخوشی کے حوالے کر دو۔

ڈائیونسس کسی بھی عورت کو پاک دامن رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ تو صرف عورت کی سرشت اور اس کا دل ہے جو اسے پاکدامن رکھتا ہے۔ ڈائیونسس کے رسوم کی ادائیگی میں کوئی عورت بدراہ نہیں ہو سکتی۔ باخوسی مے گساروں کی محفل کسی پاک روح کو داغدار نہیں کر سکتی۔

ذرا سوچو تو جب لوگ تمھارے دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں اور پورا شہر تمھاری مدح و ثنا کے گیت گاتا ہے تو تم کتنے خوش ہوتے ہو۔ یہی حال دیوتاؤں کا بھی ہے؛ وہ بھی اپنی تعظیم سے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن میں اور کیڈمس جن کا تم مذاق بھی اڑا رہے ہو اپنے سروں پر عشق پیچاں کا تاج پہنیں گے اور دیوتا کے رقص میں شامل ہوں گے۔ ہم اگرچہ دونوں بڈھے ہیں لیکن رقص ضرور کریں گے۔ تمھارے الفاظ ہمیں اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ نہ آسمانی قوت سے ٹکرانے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ تم تو بالکل دیوانہ ہو گئے ہو۔ دوا سے بھی تمھارا علاج نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ شاید کسی دیوانے نے ہی تمھیں دیوانگی میں مبتلا کر دیا ہے۔

طائفہ : تمھارے الفاظ اپولو کے شایان شان ہیں۔ تم واقعی عقلمند ہو کہ اس عظیم آقا کی تعظیم و تقدیس کرتے ہو۔

کیڈمس : بیٹا! ترسیاس کا مشورہ بہت خوب ہے۔ تم ہمارے ساتھ رہو۔ تمام رسوم و رواج کی پابندی کرو۔ قانون سے باہر مت جاؤ۔ تمھارے حواس مجتمع نہیں ہیں اور تم پراگندہ خیالی میں مبتلا ہو۔ اگر، جیسا تم کہتے ہو، ڈایونسس کو درجہ الوہیت حاصل نہیں ہے تو بھی انکار مت کرو بلکہ ظاہر کرو کہ وہ معبود ہے۔ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ وہ سیملی کا حقیقی بیٹا ہے۔ وہ ایک دیوتا کی ماں ہو گی تو ہمارے پورے خاندان کے لیے شرف و مجد کا باعث ہو گا۔

تمھیں یاد ہو گا کہ تمھارے عم زاد ایکٹیون کی کیسی دردناک موت واقع ہوئی تھی کہ اس کے پروردہ آدم خور کتوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اس کی ایک ایک بوٹی نوچ ڈالی کیوں کہ اس کے سر میں یہ سودا سما گیا تھا کہ وہ ملکہ ارتمیس سے زیادہ طاقتور اور ہوشیار شکاری ہو گیا ہے۔ اس کے مقدر کو اپنا مت بناؤ۔ آؤ میں تمھارے سر کو عشق پیچاں کی پتیوں سے مزین کر دوں اور پھر تم ہمارے ساتھ چل کر دیوتا کی تعظیم و تقدیس کرو۔

پینتھیس : مجھ سے تو آپ ہاتھ دھو رکھیں، جائیے اور اپنے دیوتا کی خوب پرستش کیجیے لیکن اپنی ان حماقتوں کی میرے اوپر بارش نہ کیجیے۔ مگر جس شخص نے یہ خرافات آپ کو سکھائی ہیں، اس کی میں ابھی خبر لیتا ہوں۔

[خدام کی طرف متوجہ ہو کر]

تم میں سے ابھی کوئی جائے اور اس غیب گو کے مکان کو مسمار کر دے، اسے بالکل تہس نہس کر دیا جائے۔ اس کے مقدس سر بند کو برباد کر دیا جائے۔ اس سے تو وہ تڑپ ہی اٹھے گا۔

باقی لوگ تھیبی کی شاہراہوں پر نکل جائیں اور اس نسوانیت شعار اجنبی کو ڈھونڈ نکالیں جس نے خواتین میں یہ عجیب و غریب روگ پھیلایا ہے اور ہماری خواتین کی عصمت و ناموس کو تباہ کر ڈالا ہے۔ وہ ہاتھ آجائے تو اس کے فوراً بیڑیاں ڈال کر یہاں لایا جائے تاکہ اسے سنگسار کر کے کیفر کردار کو پہنچا دیا جائے۔

تھیبی کی رنگ رلیوں کا انجام کبھی اسے معلوم ہو جائے۔

[کچھ خدام چلے جاتے ہیں۔]

ترسیاس : آہ اے نادان! تم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو اور جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ پہلے کبھی تم اپنے آپے میں نہیں تھے، لیکن اب تو بالکل ہی جنون کی کیفیت ہو گئی ہے۔ آؤ کیدمس! ہم چلیں اور اس معبود کے حضور میں گڑگڑائیں۔ اس شخص کے لیے بھی جو بالکل بے گانۂ ہوش ہو چکا ہے اور پورے تھیبی کے لئے دعا کریں کہ وہ ان کو اپنے غضب ناک انتقام سے محفوظ رکھے۔ اپنا عصا اٹھاؤ اور میرے ساتھ آؤ۔ اپنے ہاتھوں سے مجھے سہارا دو اور میں تمھیں سہارا دوں گا۔ ایسا نہ ہو ہم ٹھوکر کھائیں اور گر پڑیں — یہ بھی کیسی مضحک صورت ہو گی کہ دو بوڑھے آدمی ساتھ ساتھ اس طرح گریں۔ لیکن خیر، جو بھی ہو، ہمیں جانا تو ضرور ہے۔ زیوس کے بیٹے باخوس دیوتا کی تعظیم و تقدیس ہمارا فرض ہے۔ اس کی بجا آوری لازم ہے۔ لیکن بھائی کیدمس! اس بات کا بھی خیال رہے کہ کہیں پینتھیس کے ان کرتوتوں کی وجہ سے تمھارے پورے خاندان کو پچھتانا نہ پڑے۔ یہ کوئی غیب دانی یا غیب گوئی کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے احمقانہ فعل اور اس سے بھی زیادہ احمقانہ قول سامنے کی باتیں ہیں جن کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

[دونوں بوڑھے چلے جاتے ہیں، پینتھیس محل میں چلا جاتا ہے]

طائفہ : آسمانوں کی مقدس ملکہ اور اپنے سنہرے بازوؤں سے زمین کا احاطہ کرنے والی مقدس دیوی! تو نے پینتھیس کی باتیں سنیں؟ تو نے سنا کہ وہ سیملی کے بیٹے، آسمانوں کے مکین دیوتا کی شان میں کفر کے کیسے کلمات اپنی نامبارک زبان سے نکال رہا ہے۔ حالانکہ اس نے کیسی نعمتیں بخشی ہیں۔ جب بانسری کی آواز پر قہقہوں کے سوتے پھوٹتے ہیں تو ہماری روحیں کس قدر متحد ہو جاتی ہیں اور جب دیوتاؤں کی ضیافت میں شراب کا دور چلتا ہے تو ہم اپنے تفکرات کو کس طرح بھول جاتے ہیں اور جامِ مے ہمیں کیسی سرور آمیز نیند سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

بے لگام زبان، سرتابی و نافرمانی اور بے عقلی کا نتیجہ سوائے تباہی کے

اور کچھ نہیں ہوتا لیکن خاموش نیکی اور پرسکون عقل و خرد جو ان قوتوں پر ایمان لے آئیں ان کو کوئی خوف و خطر نہیں۔ وہ اپنے مساکن میں اطمینان کے ساتھ رہتے ہیں۔ آسمانی دیوتا اگرچہ دور آسمانوں کی فضاؤں میں رہتے ہیں لیکن وہ انسان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ دنیاوی عقل حماقت کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہوا و ہوس اور فخر و غرور انتہائی نادانی کی باتیں ہیں۔ انسان کو اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ زندگی بہت مختصر ہے اور موت اس سے بھی زیادہ مختصر! اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ خواہشات کا بندہ جو حدود سے تجاوز کرتا ہے اور مافوق انسانی خواب دیکھنے لگتا ہے وہ خود ہی اپنی تباہی کے اسباب پیدا کر لیتا ہے۔ ایسا آدمی عقل سے بے بہرہ ہے اور اس کا مشورہ شر آمیز!

اب ذرا ایفرودیت کے جزیرہ سائپرس چلنا چاہیے جو عشق و مستی کی سرزمین ہے اور جہاں انسانی قلوب مسحور و سرشار ہو جاتے ہیں۔ جہاں کے میدانوں میں بارش نہ ہونے کے باوجود کثیر المخارج نیل کی وجہ سے کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہاتی ہیں۔ رقص و سرود کے دیوتا ڈایونسس مجھے پیریا پہنچا دے جو موسے کی پسندیدہ سرزمین ہے۔ جہاں ہر دم مسرت و شادمانی کی فضا چھائی رہتی ہے۔ جہاں لطافت و نظافت کی ہوائیں چلتی ہیں اور جہاں تیری محبت میں سرشار بندے جس طرح چاہتے ہیں تیری عبادت کرتے ہیں۔

زیوس کا بیٹا ضیافت اور تقریبات سے خوش ہوتا ہے۔ امن و امان کی دیوی سے اسے عشق ہے کہ وہ خیر پھیلاتی اور فزونی شباب کا سبب بنتی ہے۔ وہ افشردۂ انگور شراب کا تحفہ ہر غریب و امیر کو بلا تفریق عنایت کرتا ہے تاکہ ان کے غم غلط ہو جائیں۔ لیکن جو لوگ زندگی کی اس نعمت سے فیض یاب نہیں ہونا چاہتے جو شب و روز کی مسرتوں سے اجتناب کرتے ہیں، جو اس پر طنز و تمسخر کرتے ہیں ان سے وہ نفرت کرتا ہے۔ فخر و غرور کے تصورات اور دیوتاؤں سے سرکشی اس کی بیزاری کا سبب ہیں۔ بھئی ہم تو وہی مانتے ہیں اور وہی کرتے

ہیں جو عام لوگ مانتے اور کرتے ہیں ۔

[پینتھیس محل سے نکل کر آتا ہے ۔ محافظوں کا دستہ ڈایونسس کو حراست میں لیے داخل ہوتا ہے]

محافظ : [پینتھیس سے مخاطب ہوکر] آپ نے ہمیں جس مہم پر بھیجا تھا ہم وہ پوری کرکے ہیں ۔ جس شکار کو پکڑنے کا آپ نے حکم دیا تھا اسے ہم گرفتار کر لائے ہیں ۔ مگر یہ تو بڑا سدھا ہوا شکار تھا ، اس نے نہ فرار ہونے کی کوشش کی نہ خود کو چھپانے کی ۔ اس نے تو ہراساں ہوئے بغیر بڑی خوش دلی سے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور ہماری مہم کو آسان تر کر دیا ۔ اس کے رخسار شراب ارغوانی کی طرح تمتمائے ہوئے تھے ۔ وہ کھڑا ہوا مسکراتا رہا ۔ ہم نے اس کے ہاتھ باندھے اور لے کر چلے تو بھی اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوا ۔ مجھے تو خود ندامت ہونے لگی ۔ اور میں نے اس سے کہا " اے اجنبی ! میرا اس میں کوئی قصور نہیں ۔ تمھیں گرفتار کرنے میں میری مرضی و ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے ۔ ہم تو پینتھیس کے حکم کے بندے ہیں ، تمھاری گرفتاری کا حکم بھی اسی نے دیا ہے ۔"
لیکن وہ دیوداسیاں جن کو آپ نے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑا اور قید خانہ میں بند کر دیا تھا ، غائب ہوگئی ہیں ۔ زنجیروں سے آزاد ہوکر وہ پہاڑوں اور میدانوں میں اچھلتی کودتی اور برومیس کی شان میں نغمے گاتی پھر رہی ہیں ۔ ان کے پیروں کی بیڑیاں خود بخود گر پڑیں ۔ دروازوں کی زنجیریں کسی انسان کا ہاتھ لگے بغیر کھل گئیں اور دروازے خود بخود وا ہو گئے ۔ حضور والا ! اس اجنبی سے تو تھیبی میں عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں ۔ خادم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا ۔ باقی حضور فیصلہ کر سکتے ہیں ۔

پینتھیس : اس کے ہاتھ کھول دو ۔ اب تو وہ ہمارے پھندے میں ہے ۔ وہ کیسا ہی تیز و طرار کیوں نہ ہو ، اب بھاگ کر نہیں جا سکتا ۔

[محافظ ہاتھوں کو کھولنا شروع کرتے ہیں تو پینتھیس غور سے قیدی کا جائزہ لیتا رہتا ہے ۔ ملازم پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور پینتھیس اور ڈایونسس ایک دوسرے کے روبرو نظر آتے ہیں ۔]

ہوں ! تم تو خاصے خوب صورت معلوم ہوتے ہو ۔ کم از کم خواتین کے لیے اور شاید انھیں کے لیے تھیبی میں تمھارا ورود ہوا ہے ۔ میرا خیال ہے تم کشتی تو نہیں لڑتے !

رخساروں پر لہراتی ہوئی یہ دراز زلفیں، یہ شفاف رنگت اور چمکدار جلد! شاید سایہ میں ہی اس کی پرداخت ہوئی ہے اور دھوپ اس کو چھو کبھی نہیں گئی۔ اپنے اس جاذب نظر حسن کی بدولت ہی تم عشق کی دیوی ایفرودیت کو لبھا لیتے ہو۔ خیر! یہ تو بتاؤ تم ہو کون اور کہاں سے آئے ہو؟

ڈایونسس: ہاں ہاں ضرور! میں ابھی بتاتا ہوں۔ تم نے یقیناً کوہ تمولس کے گل پوش ڈھلانوں کے بارے میں سنا ہوگا۔

پینتھیس: خوب جانتا ہوں۔ یہ شہر ساردس کا احاطہ کیسے ہوئے ہیں۔

ڈایونسس: بس وہی میرا مولد ہے۔ لیڈیا میرا وطن ہے۔

پینتھیس: پھر یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کون سا دیوتا ہے جس کی پرستش کو تم نے یونان میں پھیلا دیا ہے؟

ڈایونسس: ڈایونسس ـــــ زیوس کا بیٹا۔ اس نے خود مجھے اس کی تلقین کی۔

پینتھیس: کیا وہاں کبھی کوئی زیوس ہے جو نئے دیوتا گھڑتا رہتا ہے؟

ڈایونسس: نہیں نہیں! وہی زیوس ہے جس کو تم مانتے ہو جس نے سیملی سے شادی کی تھی۔

پینتھیس: تم نے اسے کیسے دیکھا؟ خواب میں یا بالمشافہ؟

ڈایونسس: بالمشافہ جناب! اسی نے مجھے پرستش کے آداب و رسوم سکھائے۔

پینتھیس: یہ کیا آداب ہیں معلوم تو ہو؟

ڈایونسس: یہ صرف اسی کو بتائے جا سکتے ہیں جو باضابطہ طور پر ہمارے زمرہ میں شامل ہو جائے۔

پینتھیس: اس طرح پوجا پاٹ کرنے اور ان اسرار کو جاننے سے حاصل کیا ہے؟

ڈایونسس: میں یہ بھی نہیں بتا سکتا، اگرچہ وہ ہیں ایسے کہ ان سے واقفیت حاصل کی جائے۔

پینتھیس: تمھارے جوابات سے تو میرا تجسس اور بڑھتا جا رہا ہے۔

ڈایونسس: ہاں بڑھ رہا ہوگا لیکن یہ اسرار اس قلب پر منکشف نہیں ہو سکتے جو لذت یقین سے آشنا نہ ہو گیا ہو۔

پینتھیس: تم کہتے ہو کہ تم دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے، وہ کس شکل میں آشکار ہوا؟

ڈایونسس: کوئی بھی شکل جو اسے پسند آئی۔ یہ پسند اسی کی تھی میری نہیں تھی۔

پینتھیس: تم نے جواب سے خوب گریز کیا اور لفاظی میں اڑانے لگے۔

ڈایونسس: نادان کے سامنے دانائی کی بات کی جائے تو وہ الٹا اسی کو نادانی قرار دیتا ہے۔

پینتھیس : تم نے تھیبی ہی سے ابتدا کی ہے یا دوسرے شہروں میں بھی ان رسوم کی طرح ڈالی ہے؟

ڈایونسس : اب تو ہر کہیں اس کی پرستش ہو رہی ہے۔

پینتھیس : کیا وہ اہل یونان سے بھی زیادہ بے عقل ہیں؟

ڈایونسس : وہ ان سے زیادہ عقل و شعور کے مالک ہیں، اگرچہ ان کے طور طریقے مختلف ہیں۔

پینتھیس : پوجا کی رسوم دن میں ہوتی ہیں یا رات میں؟

ڈایونسس : اکثر رات میں۔ یکسوئی کے لیے تاریکی ہی مناسب ہے۔

پینتھیس : اور عیاشی کے لیے مناسب تر!

ڈایونسس : غلط کاری کے لیے تو دن میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

پینتھیس : تمھیں اس چرب زبانی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی اور اس چالاکی پر پچھتانا پڑے گا۔

ڈایونسس : اور تمھیں اپنی کورچشمی اور کفر پر!

پینتھیس : بڑے دیدہ دلیر ہو اور لفاظی کرنا خوب جانتے ہو۔

ڈایونسس : خیر! یہ بتایئے میرے لیے آپ کیا سزا تجویز کرتے ہیں؟

پینتھیس : سب سے پہلے تو میں تمھاری یہ لڑکیوں جیسی زلفیں کٹواؤں گا۔

ڈایونسس : میرے بال تو مقدس ہیں، یہ میں نے خدا کی راہ میں رکھے ہوئے ہیں۔

[ایک ملازم بال کاٹ دیتا ہے]

پینتھیس : اور پھر تم اپنا یہ مقدس عصا بھی مجھے دے دو۔

ڈایونسس : تم خود ہی لے لو۔ یہ تو خود ڈایونسس کا ہے۔

[پینتھیس عصا لے لیتا ہے]

پینتھیس : اور اب میں تمھیں محل میں مقید کر دوں گا اور تمھارے اوپر سخت پہرہ رہے گا۔

ڈایونسس : میں جب چاہوں گا خدا مجھے آزاد کر دے گا۔

پینتھیس : ضرور! مگر صرف اس وقت جب تم اپنی داسیوں کے درمیان گھرے ہوئے ہو۔

ڈایونسس : وہ تو یہاں بھی موجود ہے اور آپ کے ہاتھوں جو تکلیف مجھے پہنچ رہی ہے وہ خوب دیکھ رہا ہے۔

پینتھیس : وہ کہاں ہے ؟ میری آنکھیں تو اس کو کہیں بھی نہیں دیکھ رہی ہیں۔

ڈایونسس : میرے ساتھ، رگِ جاں کے قریب! تمھارے کفر و معصیت نے تمھاری آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔

پینتھیس : [خدام سے] اس کی مشکیں کس لو۔ وہ میری اور تھیبی دونوں ہی کی تحقیر کر رہا ہے۔

ڈایونسس : میں تمھیں متنبہ کرتا ہوں نادانو! مجھے باندھنے کی کوشش مت کرنا۔

پینتھیس : اور میں کہتا ہوں اس کی مشکیں کس دو! مجھے زیادہ قوت و اختیار حاصل ہے۔

ڈایونسس : تمھیں اپنی قوت و اختیار کے حدود معلوم ہی نہیں۔ تم نہیں جانتے تم کیا کر رہے ہو۔ تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کون ہو۔

پینتھیس : میں ـــــ ؟ ـــــ پینتھیس ہوں۔ اگوے اور ایکین کا فرزند!

ڈایونسس : پینتھیس ؟ خود یہ نام ہی غم و الم کا حامل ہے، تم اپنے نام پر ہی پچھتاؤ گے۔

پینتھیس : اسے لے جاؤ۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ڈال دو اور اسے محل سے ملحق اصطبل میں بند کر دو۔ اسے تاریکی کا مزا چکھنے دو کہ تاریکی ہی اسے پسند ہے۔ وہاں تاریکی میں یہ خوب رقص کرے گا۔

[خدام اس کے ہاتھ باندھنا شروع کرتے ہیں اور طائفہ اپنے دف اور تاشے زور زور سے بجانا شروع کرتا ہے۔]

اور یہ تمھاری وارفتہ عورتیں، ان کو کنیزیں بنا کر بیچ ڈالا جائے گا یا ہم ان کو اپنی کھڈیوں پر بٹھا دیں گے کہ ان کے ہاتھ طبلے بجانا بھول جائیں۔

ڈایونسس : شاید ایسا ہی ہو۔ میں بھی جاتا ہوں ـــــ صعوبت و عقوبت کے لیے نہیں کہ جو مقدر میں نہیں ہے وہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ڈایونسس جس کے تم منکر ہو اور جس کی تم بے حرمتی کر رہے ہو، تمھیں معاف نہیں کرے گا اور تم خود ملامت کا ہدف بن جاؤ گے۔ تم مجھے زنجیر نہیں پہنا رہے ہو، بلکہ دیوتا کو زنجیروں میں جکڑ رہے ہو۔

[محافظ ڈایونسس کو لے جاتے ہیں۔ پینتھیس پھر محل میں چلا جاتا ہے۔]

طائفہ : ڈِرکے! تیرے مقدس و مطہر پانی نے قدیم زمانے میں زیوس کے بیٹے کو اس قدر نہلایا جب اس کا آسمانی باپ اسے آتش سوزاں سے نکال کر اپنے ہی زانو میں رکھ لایا تھا۔ اس وقت وہ چلّایا "آ، آ، ـــــ ڈیتھائرمبس آؤ! اپنے باپ کے

رحم میں داخل ہو کر چھپ جاؤ۔ میں تجھے باخوس نام سے موسوم کرتا ہوں اور اسی نام سے سارا تھیبی تجھے پہچانے گا۔ لیکن اے بابرکت ڈرکے! آج جو عشق پیچاں کا تاج سر پر رکھے، نغموں کے ہجوم میں، میں تیرے کنارے آیا ہوں تو میں مردود و ملعون ہو گیا ہوں۔ میرا انکار کیا جا رہا ہے۔ تو نے مجھ سے آنکھیں پھیر لیں۔ لیکن میں خوشہ ہائے انگور کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک روز تجھے باخوس کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔

یہ اکین کا بیٹا پینتھیس جو اسی دھرتی کا جنا ہوا ہے اور جس کا وجود اس دھرتی اور اژدہا کے اختلاط کا مرہون منت ہے، طیش کے ہاتھوں لاچار ہے۔ یہ غضب ناکی اس کی اصل کی غمازی کرتی ہے ـــــ انسان بھی نہیں، بلکہ ایک وحشی درندہ اپنے جنگلی انداز میں غصہ سے بیتاب ہو کر آکاش دنشیوں سے منکر ہو رہا ہے۔ وہ باخوس کے غلام کو زنجیروں سے جکڑنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھیوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر تاریک قید خانوں میں ڈال دیا ہے۔ آہ مالک! زیوس کے بیٹے تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے نام لیواؤں پر کیسے ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور کیسی قید و بند کی صعوبتیں ان پر مسلط کر دی گئی ہیں۔ اے ڈایونسس! اولمپس سے نزول فرما۔ اپنے طلائی عصا کو گھما کر اس وحشی، کفر و معصیت میں مبتلا، انسانوں اور دیوتاؤں کی تذلیل کرنے والے شخص کو مزا چکھا دے۔

تو کہاں مستور ہے ڈایونسس! کیا تو ہم سے دور دیوتاؤں کی محفلوں میں مشغول و مصروف ہے؟ کیا تو اولمپس کے جنگلوں میں ہے جہاں کبھی اورفیس اپنی بانسری کے شیریں نغموں سے شجر و حجر اور وحشی جانوروں کو مسحور کر دیتا تھا۔ اے سرزمین پیریا! تو بڑی بابرکت ہے کہ خدائے انبساط تجھے سرفراز کرے گا۔ ڈایونسس کے حضور میں رقص کرنے والے دور دراز سے آ کر یہاں جمع ہوں گے۔ اس کی دیوداسیاں اس کے گرد رقص کناں ایکسیس کے میدانوں اور لیڈیس کی وادیوں تک پھیل جائیں گی جہاں اس کے جود و کرم کا پانی شادابی کا ضامن ہے اور جہاں گھوڑے آسودہ و خوش کام چرا کرتے ہیں۔

[برق و رعد کی گرج ہوتی ہے۔ زمین تھرا جاتی ہے]

ڈایونسس : [غیب سے] سنو! اے باخوسی دیوداسیو سنو! میری آواز سنو!

طائفہ میں سے ایک : یہ کس کی آواز ہے؟ یہ کس کی غیبی صدا مجھے پکار رہی ہے؟ تو کہاں ہے آقا؟

ڈایونسس : [غیب سے] ہاہا!! میں ـــــ زیوس اور سیملی کا بیٹا ـــــ پھر تم سے مخاطب ہوں۔

طائفہ میں سے دوسرا : آہ! میرے مالک میرے آقا ڈایونسس کا نزول ہے۔

ڈایونسس : [غیب سے] زلزلہ آئے۔ اس کرۂ ارض کو تہ و بالا کر دے۔

[زمین لرز جاتی ہے]

طائفہ : آہ! اب پینتھیس کا محل تھرتھرا کر دھڑام سے گر پڑے گا۔ ڈایونسس کو یاد کرو۔ ہم اس کے سامنے سربسجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ستون اور یہ پختہ چھتیں تڑخ تڑخ کر گری جا رہی ہیں اور اس کی دیواروں سے "ڈایونسس زندہ باد" کی آواز آ رہی ہے۔

ڈایونسس : [غیب سے] برق و رعد کی قوتو آؤ! پینتھیس کے محل کو شعلوں سے جلا کر بھسم کر دو۔

[برق کا ایک شعلہ محل میں ادھر سے ادھر تک نکل جاتا ہے۔ سیملی کے مقبرے سے شعلے لپکنے لگتے ہیں زوردار گرج ہوتی ہے]

طائفہ : دیکھو دیکھو! سیملی کے مقبرے سے شعلے لپک رہے ہیں۔ یہ غیبی آتش برق و رعد ہے۔ جہاں جہاں تک اس کی لپٹ پہنچ رہی ہے، جلا کر خاکستر کر رہی ہے۔ بندگانِ ڈایونسس سجدہ ریز ہو جاؤ۔ وہ خود اس ویرانہ کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے اس سربلند محل کو سرنگوں کر دکھایا۔ وہی ہمارا معبود ہے۔

[طائفہ محل کی طرف رخ کر کے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ سناٹا طاری ہے۔ ڈایونسس نمودار ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک پُر وقار سکون اور مسکراہٹ ہے]

ڈایونسس : ایشیا کی بیٹیو! تم خوف زدہ ہو کر سجدہ ریز ہو گئیں؟ تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ ڈایونسس نے شاہ پینتھیس کے محل کو کیسے چشم زدن میں تہس نہس کر دیا۔ اٹھو! اب اس مٹی پر سے اٹھو! خوف کو دل سے دور کر دو!

طائفہ : اے نورِ مجسم! اے ہمارے نغموں کی روح، اے جلالت وعظمت کے نشان، تیرے دیدار سے ہمارے مایوس، افسردہ دپژمردہ دل مسرت وانبساط سے معمور ہوگئے۔

ڈائیونسس : کیا یہ دیکھ کر کہ محافظ مجھے زنجیروں سے جکڑ کر پینتھیس کے بنائے ہوئے تاریک قید خانہ میں ڈالنے کے لیے لے گئے ہیں۔ تم دل شکستہ ہوگئے تھے؟

سردار طائفہ : اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا؟ آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا تو ہم مدد کے لیے کس کو پکارتے! لیکن یہ تو بتائیے کہ اس بدطینت شخص کے ظلم وجور سے آپ نے کیسے نجات پائی؟

ڈائیونسس : یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ جب ہم نے چاہا تاریکی سے روشنی میں آگئے۔

سردار طائفہ : لیکن اس نے تو آپ کے دونوں ہاتھوں کو مضبوط ہتھکڑیوں سے بندھوا دیا تھا؟

ڈائیونسس : یہ تو وہ خود ہی احمق بنا۔ صرف ایسا نظر آتا تھا کہ وہ مجھے بندھوا رہا ہے۔ ورنہ مجھے پکڑنا تو کجا، وہ مجھے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ محض اپنے گمان میں مبتلا تھا۔ اس اصطبل میں جہاں وہ مجھے مقید کرنا چاہتا تھا، اس کو صرف ایک بیل ملا جس کے ہاتھ پیر رسوں سے باندھنے کی کوشش کی گئی۔ وہ مایوسی کے عالم میں کچھتا رہا تھا اور دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ محنت اور ندامت سے اسے پسینے چھوٹ گئے اور میں اس کے قریب بیٹھا ہوا اس کو ملاحظہ کر رہا تھا۔ اسی وقت باخوس آیا، محل کو ہلا کر رکھ دیا اور اپنی ماں کے مقبرے کو آتشیں شعلوں سے روشن کر دیا۔ بادشاہ سلامت کو خوف ہوا کہ ان کا محل جل رہا ہے، اس خوف میں وہ ادھر ادھر دوڑنے لگے اور اپنے خادموں کو چلا چلا کر پانی کے لیے پکارنے لگے۔ ہر آدمی بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گیا، لیکن سب بے سود، پھر اس خوف سے کہ میں فرار نہ ہو جاؤں وہ تلوار لے کر محل کی طرف دوڑے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باخوس نے محل میں میری ایک وہمی شبیہ بنا دی تھی۔ عالم غیض میں پینتھیس اس شبیہہ پر ہی ٹوٹ پڑا۔ میرا تصور کر کے وہ اس پر پے بہ پے تیغ زنی کرتا رہا۔ جیسے وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے گا اور ایک بار پھر اسے منہ کی کھانی پڑی اور اب ڈائیونسس نے اس کو اس کی بدطینتی کا مزا چکھا دیا۔ محل کو اشارہ کیا تو وہ زمین پر آرہا —— تباہ و برباد —— جیسا تم دیکھ رہے ہو —— یہ ہے میرے قید

کرنے کا انعام۔ اس کے نیم جان ہاتھوں سے تلوار زمین پر گر پڑی۔ نادان! جو انسان تھا، محض ایک انسان! دیوتاؤں سے جنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تک بھی نہیں۔ خاموشی سے نکل کر تم لوگوں کے پاس چلا آیا۔ لیکن محل سے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ شاید وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔ ان کرشموں کو دیکھنے کے بعد بھی وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خیر دیکھیں گے۔ اسے بھی دل کی بھڑاس نکال لینے دو۔ میں خاموشی سے سنوں گا۔ صبر و تحمل عقل کا تقاضا ہے۔ ہوش مندی جذبات کو قابو میں رکھنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

[پینتھیس بھاری قدموں کے ساتھ محل سے نکلتا ہے]

پینتھیس : بڑے افسوس کی بات ہے۔ وہ اجنبی شخص جس کو میں نے زنجیر سے بندھوا کر قید میں ڈلوایا تھا فرار ہو گیا۔ [ڈایونسس پر نظر پڑتی ہے] تم؟ تم ہی تو ہو۔ یہ کیسے ہوا؟ تم کیسے بچ نکلے؟ اور اب میرے محل کے سامنے مٹر گشت کر رہے ہو۔ یہ سب کیا ہوا؟

ڈایونسس : ذرا صبر کیجیے۔ اتنے غضب ناک نہ ہو جیے۔

پینتھیس : لیکن تم قید خانہ کو توڑ کر فرار کیسے ہوئے؟

ڈایونسس : کیا میں نے نہیں کہا تھا اور تمھیں ضرور یاد ہو گا کہ وہ ذات مجھے آزاد کر دے گی۔

پینتھیس : وہ ذات! وہ کون ہے؟ تم پھر ایسے ہی اشاروں کنایوں میں بات کر رہے ہو۔

ڈایونسس : وہ ذات وہ ہے جس نے انسانوں کے لیے انگور کے خوشے پیدا کیے۔

پینتھیس : خوب! کیا بات کہی ہے۔

ڈایونسس : تم اس کی عظیم نعمت کی تحقیر کر رہے ہو۔

پینتھیس : اگر میں اب اس کو گرفتار کر لوں تو بچ کر نہیں جا سکتا۔ [محافظوں سے] شہر پناہ کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں اور ان کو مقفل کر دیا جائے۔

ڈایونسس : کیا فائدہ ہے؟ کیا دیواریں دیوتاؤں کو محصور کر سکتی ہیں؟

پینتھیس : تم بہت عقل مند ہو لیکن تمھاری عقل موقع و محل نہیں جانتی۔

ڈایونسس : جی نہیں! میں اپنی عقل کا بہت برمحل استعمال کرتا ہوں۔

[قاصد داخل ہوتا ہے جو وضع قطع سے کوہستانی گوالا نظر آتا ہے۔]

پہلے اس قاصد کی بات سنو جو کوہستان سے تمھارے لیے پیغام لایا ہے۔ تم پریشان

نہ ہو۔ ہم بھاگیں گے نہیں۔ جہاں ہیں وہیں رہیں گے۔

قاصد: سرزمین تھیبس کے فرماں روا پینتھیس! میں کوہستان کتھیرن سے آرہا ہوں جہاں سفید چمکدار برف کے گالے اس کی چوٹیوں کو ڈھکے رہتے ہیں۔

پینتھیس: مطلب کی بات کرو! کیا خاص خبر لے کر آئے ہو؟

قاصد: حضور! وہاں میں نے ان خواتین کو دیکھا جو تھیبس سے فرار ہوگئی ہیں۔ وہ برہنہ پا دیوانہ وار اس علاقے میں گھومتی ہیں۔ میں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ ان سے کیسی عجیب وغریب کرامات، بلکہ شاید کرامات سے بھی کچھ زیادہ چیزیں ظہور میں آرہی ہیں۔ لیکن پہلے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ آیا میں صاف گوئی سے کام لے سکتا ہوں یا مجھے محتاط ہو کر اپنی بات کو مختصر کر دینا چاہیے؟ کیوں کہ حضور میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں کہ آپ بہت جلد ناراض ہو جاتے ہیں اور اتنا غضبناک ہو جاتے ہیں جو بادشاہوں کو زیب نہیں دیتا۔

پینتھیس: کہو۔ تمھیں کھلی چھوٹ ہے۔ تمھاری جان بخشی کا ہم قول دیتے ہیں۔ ایمان دار اور راست گو لوگ غصہ کا ہدف نہیں بنتے۔ لیکن تمھاری داستان جس قدر مہیب ہوگی اسی قدر شدید سزا اس شخص کو دی جائے گی جس نے ان خواتین کو برائی کی طرف مائل کیا ہے۔

قاصد: اس وقت کہ آفتاب جہاں تاب کی روشنی نمودار ہونا شروع ہوئی تھی اور ہماری گایوں کے گلوں نے پہاڑوں پر چڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک مجھے رقاصاؤں کی تین ٹولیاں نظر آئیں۔ ان میں سے ایک کی سرغنہ اوتونے تھی، دوسرے کی آئنو اور تیسری ٹولی آپ کی والدہ اگوے کے پیچھے تھی۔ وہاں وہ سب کی سب دراز ہوگئیں جیسے بہت تھکی ہوئی ہوں اور آرام کرنا اور سونا چاہتی ہوں کسی نے صنوبر کے درخت سے ٹیک لگائی، کسی نے شاہ بلوط کے پتوں کو تکیہ بنالیا، لیکن یہ سب کچھ بڑی سنجیدگی کے ساتھ ہوتا رہا۔ ایسا نہیں جیسا آپ کا خیال ہے کہ ان پر دیوانگی طاری ہو اور وہ شراب کے نشے میں مدہوش ہوں یا بانسری کے نغمے نے ان کو بے حال کر دیا ہو اور وہ جنگل میں جان دادۂ عشق ومستی ہو رہی ہوں۔

لیکن تب آپ کی والدہ نے ہمارے جانوروں کے ڈکرانے کی آواز سنی، وہ ایک دم

اچھل کر کھڑی ہوگئیں اور دوسروں کو جگانے کے لیے انھوں نے آواز دی۔ وہ سب بھی آنکھوں کو ملتی اٹھ کھڑی ہوئیں ـــــ لیکن ان سب کا بڑا پروقار انداز تھا ـــــ ان میں عمر رسیدہ بھی تھیں اور کم عمر بھی اور نوخیز دوشیزائیں بھی انھوں نے اپنی زلفوں کو اپنے شانے پر بکھیر دیا۔ پوست آہو کو اپنے جسموں پر لپیٹ لیا اور اس زنگار رنگ کھال پر سانپوں کے پٹکے باندھ لیے جو ان کے رخساروں کو چوم رہے تھے۔ ان میں بعض مائیں بھی تھیں جو اپنے شیر خوار بچوں کو گھروں پر چھوڑ آئی تھیں۔ اور فشار شیر سے ان کے پستان ابھرے ہوئے تھے۔ وہ ہرنوں یا بھیڑیوں کے بچوں کو اپنی آغوش میں لیے ان کو دودھ پلا رہی تھیں۔ انھوں نے صنوبر اور عشق پیچاں کی پتیوں اور پھولوں سے اپنے بالوں کو سجالیا۔ ایک خاتون نے چٹان پر اپنا عصا مارا تو وہاں صاف و شفاف ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ دوسری نے اپنی لاٹھی زمین پر ماری اور وہیں شراب کا چشمہ بہنے لگا۔ بعض کو دودھ کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنی انگلیوں سے زمین کو کریدا اور وہیں دودھ کی دھار نکل پڑی۔ ان کے عصاؤں سے شہد ایسے ٹپکا پڑ رہا تھا جیسے ان میں شہد کا چھتہ بنا ہو۔ اگر آپ وہاں موجود ہوتے اور ان مناظر کو بہ چشم خود ملاحظہ فرمایا ہوتا تو آپ بھی سر بہ سجود ہوگئے ہوتے اور جس دیوتا کا آپ انکار کر رہے ہیں، اس کے پرستار ہوگئے ہوتے۔

ہم تمام چرواہے اور گوالے اکٹھا ہوئے اور ان عجیب و غریب واقعات اور کرامات کے بارے میں اپنی حیرت و استعجاب کا اظہار کرنے لگے۔ ہم میں ایک شیریں گفتار شہری ساتھی بھی تھا۔ وہ اٹھ کر کہنے لگا۔" ساتھیو! فراز کوہ پر رہنے والو! تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا ہم اس عیش و طرب کی محفل سے بادشاہ سلامت کی والدہ اگوے کو گرفتار کرلیں؟ شاید جہاں پناہ خوش ہو کر ہم پر عنایت کی نظر کریں!" ہمیں یہ تجویز مناسب معلوم ہوئی۔ ہم جھاڑیوں میں چھپ کر گھات میں بیٹھ گئے۔ یہ شاید ان کی عبادت کا وقت تھا۔ ایک اشارہ پاتے ہی تمام دیوداسیوں نے اپنے عصا گھما گھما کر ایک آواز میں چلانا شروع کر دیا۔" اے برومیس! زیوس کے بیٹے! عظیم و برتر!" اور ایسا معلوم ہوا تمام پہاڑوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، تمام چرند و پرند مست و بے خود ہوگئے اور ان کے رقص میں شریک ہوگئے۔

پھر یہ ہوا کہ اگوے اس جھاڑی کی طرف سے گذریں جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ میں ایک دم کود کر نکلا کہ ان کو گرفتار کر لوں۔ ان کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ چلائیں "میرے پیچھے چلنے والے شکاری کتو! انسان میرا شکار کرنے پر تلے ہیں۔ آؤ۔ آؤ! اور اپنے عصا سے ان کی خبر لو!"

اس پر ہم خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور بال بال ہی بچے کہ وہ تینوں ہماری تکا بوٹی کر ڈالتیں۔ وہ نہتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ چراگاہ میں چرنے والے مویشیوں کے گلوں پر ٹوٹ پڑیں اور پھر آپ دیکھتے کہ ایک تنہا عورت نے اپنے خالی ہاتھوں سے ایک موٹی تازی گائے کو چیر ڈالا۔ کسی نے ایک بچھیا کو پکڑا اور دوسری نے اس کے ایک ایک عضو کو الگ الگ کر ڈالا۔ ہر طرف پسلیاں، ٹوٹے ہوئے کھر اور کٹی پھٹی ٹانگیں بکھری پڑی تھیں اور خون آلود لوتھڑے درختوں کی شاخوں پر جھول رہے تھے اور طنطنہ والے بجار جن کے سینگوں میں غضبناکی بھری ہوتی تھی، سر کے بل زمین پر آ رہے اور ان کنوارے ہاتھوں نے ان کے گوشت اور کھال اور ہڈیوں کو اتنی سرعت سے نوچ نوچ کر پھینک دیا کہ حضور اتنی دیر میں پلک بھی نہ جھپکا سکیں۔ اور پھر وہ پرندوں کی سی تیز رفتاری سے ایسپس کے بہاؤ کی سمت میں ان میدانوں کی طرف چلی گئیں جہاں کی زمینیں نہایت زرخیز ہیں اور تھیبی کے باشندوں کے لیے غلہ فراہم کرتی ہیں اور کتھیرن کے دامن میں آباد ہیشیا اور ایریتھری پر وہ حملہ آوروں کی طرح ٹوٹ پڑیں اور جو چیز ان کے سامنے آئی اس کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ بچوں کو ان کے گھروں سے گھسیٹ لیا اور اس سب مال غنیمت کو اپنی کمروں پر رکھ لیا۔ انھوں نے اس کو باندھا نہیں لیکن یہ ان کی پیٹھ پر چپک کر رہ گیا۔ پیتل، لوہے، تانبے کی طرح کی بھی کوئی چیز پھسل کر زمین پر نہیں گری۔ ان کے بالوں کی لٹوں سے شعلے لپک رہے تھے، لیکن ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں تھا۔ دیہاتی ان عورتوں کی حرکتوں سے طیش میں آ گئے، انھوں نے ہتھیار نکال لیے۔ اور حضور! پھر بہت ہی وحشت ناک منظر دیکھنے میں آیا۔ ان لوگوں کے نیزے تیز اور چمکدار تھے، لیکن ان کا کوئی بھی اثر نہ ہوا۔ ایک قطرہ خون تک ان سے نہ نکل سکا۔ عورتوں نے ڈنڈے چلائے

توسب کو زخمی کر ڈالا۔ ان عورتوں نے مردوں کو مار مار کر بھگا ڈالا۔ میں تو سوچتا ہوں ان کے ساتھ کوئی آسمانی قوت تھی۔ یہ دیوداسیاں پھر اسی جگہ لوٹ گئیں، جہاں سے وہ آئی تھیں اور جہاں کراماتی چشمے ابل رہے تھے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ دھوئے اور سانپوں نے ان کے رخساروں پر لگے ہوئے خون کے دھبوں کو چاٹ ڈالا۔

حضور والا! یہ دیوتا کوئی بھی ہو، لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ اسے تھیبی میں خوش آمدید کہا جائے۔ وہ بڑی قوت والا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کی عظمت مسلم ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسی دیوتا نے فانی انسان کو شراب کی وہ نعمت بخشی جس سے اس کے بہت سے غم دور ہو گئے۔ اور اگر شراب نہ ہو تو عشق بھی نہیں ہوگا اور زندگی کی کوئی بھی مسرت باقی نہیں رہے گی۔

[قاصد چلا جاتا ہے]

سردار طائفہ: مجھے تو خوف محسوس ہوتا ہے کہ شاہ عالی وقار کے روبرو ایسی بے باکانہ گفتگو کی گئی لیکن حقیقت کو تو ماننا ہی پڑے گا کہ ڈایونسس سے عظیم تر کوئی دیوتا نہیں ہے۔

پینتھیس: یہ باخوسی بدکاری تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی جا رہی ہے اور بالکل ہمارے سروں پر آ پہنچی ہے۔ ہمارے لیے بڑی شرم و ذلت کی بات ہے۔ اس وقت کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ [ایک غلام سے مخاطب ہو کر] تم فوراً باب الیکترا پر جاؤ اور وہاں مسلح فوجوں کی تیاری کا حکم دو۔ صبا رفتار سواروں کو تیار کرو۔ تیر اندازوں اور نیزہ برداروں کو بلاؤ۔ ہم ابھی ان باخوسی عورتوں پر یلغار کرتے ہیں۔ اب پانی سر سے اونچا ہوا جا رہا ہے۔ اب ہم ان عورتوں کے اس رویّہ کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔

ڈایونسس: پینتھیس! تم میری بات نہیں سننا چاہتے؟ یا سن کر بھی اسے نظر انداز کرتے ہو؟ تم نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا، لیکن میں ایک بار پھر تمھیں متنبہ کرتا ہوں کہ دیوتاؤں کے خلاف ہتھیار اٹھانا بالکل بے سود ہوگا۔ بہتر ہے خاموش ہو رہو۔ برومیس اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ تم اس کی داسیوں کا پہاڑوں میں تعاقب کر کے ان کو پریشان کرو۔

پینتھیس: بس اپنی پند و نصیحت کو بند کرو۔ تم قید خانہ سے فرار ہو کر نکل آئے ہو، اسی پر اکتفا کر دیا پھر تمھیں ازروئے انصاف سزا دینی پڑے گی؟

ڈالیونسس : میں تمھاری جگہ ہوتا تو اس پر نذر چڑھاتا ، نہ کہ اس طرح بے سود مقابلہ آرائی کر کے نقصان اٹھاتا ـــــ ایک انسان دیوتا کے منھ آ رہا ہے ؟!

پینتھیس : نذر ؟! ہم ابھی تمھارے دیوتا پر اس کے شایان شان نذر چڑھائیں گے ۔ انھیں عورتوں کا خون اس پر نذر چڑھایا جائے گا ۔ ہم کتھیرن کے جنگلوں میں ابھی ان کی تکا بوٹی کرتے ہیں ۔

ڈالیونسس : تم اپنی تمام فوج فرا کے ساتھ بھاگتے نظر آؤ گے ۔ کیسی ذلت کی بات ہوگی کہ عورتوں کے ڈنڈوں کے سامنے پیتل کی ڈھالیں مات کھائیں اور بے کار ہو کر رہ جائیں ؟

پینتھیس : اس سے کوئی نہیں جیت سکتا ۔ یہ آزاد ہو یا مجبوس ، اس کی زبان کو لگام نہیں ۔

ڈالیونسس : درست ۔ اب بھی موقع ہے ۔ ابھی کچھ بگڑا نہیں ۔ چاہو تو بات کو بنی ہی رہنے دو ۔

پینتھیس : کیسے ؟ کہ ہم اپنے غلاموں کی تابعداری شروع کر دیں ؟

ڈالیونسس : نہیں ! میں بغیر خون خرابے کے ان خواتین کو تھیبس میں ان کے گھروں کو واپس لے آتا ہوں ۔

پینتھیس : خوب ! اب ہمارے اوپر نیا جال پھینک رہے ہو ؟ ہمارے خلاف نئی چال چل رہے ہو ؟

ڈالیونسس : کیسی چال ؟ میں تمھیں بچانے کی تدبیر کر رہا ہوں ۔

پینتھیس : ہم خوب جانتے ہیں ! تم نے ان کے ساتھ مل کر سازش کر لی ہے کہ ان رسومات کو قائم کرنا ہے ۔

ڈالیونسس : بالکل درست ! میں نے تو اس بات کی دیوتاؤں کے حضور قسم کھائی ہے ۔

پینتھیس : ہمارے اسلحہ لاؤ ۔ تم اپنی بکواس بند کرو ۔

[پینتھیس ایک طرف کو جاتا ہے ۔ ڈالیونسس اس پر نظریں جمائے ہوئے ہے ۔ پر وقار انداز میں اسے آواز دیتا ہے ۔]

ڈالیونسس : ٹھیرو ! کیا تم پہاڑوں میں ان کا اجتماع دیکھنا چاہتے ہو ؟

پینتھیس : ہاں ضرور ! خواہ ہمیں اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے ۔

ڈالیونسس : کیا واقعی تم اس قدر مشتاق ہو ؟

پینتھیس : ان کو شراب کے نشے میں مست دیکھ کر ہمیں جلال آجائے گا۔

ڈایونسس : تمھیں یہ بات کیسی بھی ناگوار کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی شاید تم اس منظر کو دیکھنا چاہو۔

پینتھیس : ہاں ہاں ضرور! ہم ان کی نظروں سے اوجھل ہو کر جھاڑیوں میں چھپ کر ان کو دیکھیں گے۔

ڈایونسس : تم چھپنے کی کوشش کرو گے اور وہ تمھیں ڈھونڈ نکالیں گی۔

پینتھیس : تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم اب کھلم کھلا جائیں گے۔

ڈایونسس : کیا میں آپ کو لے چلوں ؟ آپ تیار ہیں ؟

پینتھیس : فوراً! اب ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

ڈایونسس : مگر پہلے آپ کو زنانہ لباس پہننا ہوگا۔

پینتھیس : کیا مطلب ؟ تم مجھ مرد کو زنانہ لباس پہنوانا چاہتے ہو ؟ لیکن کیوں ؟

ڈایونسس : اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ مرد ہیں تو وہ آپ کو فوراً مار ڈالیں گی۔

پینتھیس : ٹھیک ! تم خاصے چالاک ہو۔

ڈایونسس : میں جو کچھ جانتا ہوں، ڈایونسس کی دین ہے۔

پینتھیس : تمھارا مشورہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس پر عمل کیسے ہو ؟

ڈایونسس : آیئے محل میں چلتے ہیں وہاں میں آپ کو کپڑے پہنا دوں گا۔

پینتھیس : کپڑے ؟ زنانے کپڑے ؟ میں تو شرم سے گڑ جاؤں گا۔

ڈایونسس : کیا ان دیوداسیوں کو دیکھنے کا آپ کا ذوق و شوق ختم ہو گیا ؟

پینتھیس : یہ کیا پوشاک ہو گی جو تم مجھے پہناؤ گے ؟

ڈایونسس : اولاً تو آپ کے سر پر ٹوپی اڑھا دوں گا جس میں دراز زلفیں ہوں گی۔

پینتھیس : اور پھر ؟ کل بہروپ کیسے ہو گا ؟

ڈایونسس : ایک سربند باندھا جائے گا اور پیروں تک لٹکتا ہوا چوغہ پہنا دیا جائے گا۔

پینتھیس : بس یا اور بھی کچھ ؟

ڈایونسس : عشق پیچاں کا عصا اور رنگ برنگا پوست آہو۔

پینتھیس : یہ نہیں ہو سکتا۔ میں خود کو زنانہ لباس میں ملبوس نہیں کر سکتا۔

ڈایونسس : تو پھر تمھیں ان دیوداسیوں سے جنگ کرنا ہو گی اور اس کا مطلب ہو گا خون خرابہ!

پینتھیس: یہ تو ہے! تو پہلے ہمیں چھپ کر جانا چاہیے۔

ڈایونسس: یہ اس سے تو بہتر ہی ہے کہ برائی سے برائی پیدا کی جائے۔

پینتھیس: لیکن تھیبی کی سڑکوں سے میں لوگوں سے بچ کر کیسے جاؤں گا؟

ڈایونسس: سنسان گلیوں سے ہو کر ــــ میں تمھیں لے چلوں گا۔

پینتھیس: اچھا جیسا تم چاہو۔ لیکن یہ دیوداسیاں میرا تمسخر نہ اڑائیں۔ میں ذرا سوچ لوں کہ ہمیں جانا چاہیے یا نہیں؟

ڈایونسس: جیسا تم چاہو۔ میں بہر حال خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

پینتھیس: ہوں! تو ذرا میں اندر ہو آؤں۔ پھر یا تو پہاڑوں پر فوج کشی کر دوں گا یا تمھارا مشورہ مان لوں گا۔

[پینتھیس محل میں چلا جاتا ہے]

ڈایونسس: خواتین! اب یہ شخص جال میں پھنسا۔ دیوداسیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہو گی اور وہ اپنی موت سے اس کی قیمت چکائے گا۔ ڈایونسس ــــ اب بات تیرے ہاتھ ہے۔ اس شخص کو کیفر کردار کو پہنچا۔ لیکن پہلے اس کی عقل سلب کر لے اس پر دیوانگی مسلط کر دے کیوں کہ بہ قائمی ہوش وحواس یہ شخص زنانہ لباس تو نہیں پہنے گا لیکن اس کی روح کو مسخر کر دیا جائے تو اسے مجال انکار نہیں ہو گی۔ وہ بڑا غراتا اور دھمکاتا تھا۔ اب زنانہ لباس میں سڑکوں پر گھومے اور تھیبی کے باشندے اسے دیکھ دیکھ کر ہنسیں تو یہ اپنے کیے کا مزا چکھے۔ اب میں چل کر اسے وہ لباس پہنا دوں جو وہ اپنی ماں کے ہاتھوں قتل کیے جانے کے وقت پہنے ہو گا۔ اس کو معلوم ہو جائے گا کہ زیوس کا بیٹا ڈایونسس جو انسانوں پر بے حد مہربان ہے کس قدر قہار بھی ہے۔

[ڈایونسس محل میں جاتا ہے]

طائفہ: ہم بھی اب صبح تک برہنہ پا رقص کرتے رہیں گے ــــ شبنم کی خنکی اور تری کی مسرت سے سرشار ہو کر ــــ اس غزال خوش خرام کی طرح جو اپنے ہر طرف سبزہ زار دیکھ کر خوشی سے چوکڑیاں بھرتا ہے کہ اسے نہ شکاری کا خوف ہوتا ہے، نہ جال میں پھنس جانے کا اندیشہ، نہ شکاری کتوں کا غم ــــ شادمانی سے ہم کنار وہ کنجوں میں دوڑتا

پھرتا ہے ــــ وہ ان مرغزاروں کی شادابی سے مست ہے جن پر انسان کا سایہ تک نہیں پڑا۔

خرد کیا ہے ؟ ــــ اس سے بڑھ کر عطیہ خداوندی اور کیا ہو سکتا ہے کہ قوت سے اس مغرور سر کو جھکا دیا جائے جو تمھارے درپے آزار ہو اور جس سے تم نفرت کرتے ہو۔ عزت و ناموری بڑی شے ہے اور بے حد قیمتی۔

خدائی قوت آہستہ لیکن بتیقن انداز میں آگے بڑھتی ہے اور یہ اس شخص کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتی جو سرکشی میں خدائی عظمت و قوت کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ دیوتا بھی بڑے استاد ہیں۔ وہ ان ناہنجار لوگوں کی گرفت کرنے کے لیے عرصے تک تاک لگائے رکھتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عملاً اور عقیدتاً انکار سے اجتناب کیا جائے۔ قدیم الایام سے جو عقیدے چلے آرہے ہیں، ان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عقیدے یوں بھی بہت کم ارز ہیں۔ تقدیر خداوندی یقینی ہے، امتداد زمانہ نے جس چیز پر مہر تصدیق ثبت کر دی وہ قانون ہے ــــ دائمی اور ناقابل تغیر! روایت سے جو قانون بنتا ہے، قانون فطرت ہوتا ہے۔

خرد کیا ہے ؟ اس سے بڑھ کر عطیہ خداوندی اور کیا ہو سکتا ہے کہ قوت سے اس مغرور سر کو جھکا دیا جائے جو تمھارے درپے آزار ہو اور جس سے تم نفرت کرتے ہو۔ عزت و ناموری بڑی شے ہے اور بے حد قیمتی!

مبارک ہے وہ جو سمندری طوفانوں میں سے گزر کر صحیح و سلامت ساحل پر پہنچ جائے۔ مبارک ہے وہ جو مصائب کی گراں باری سے نکل آئے۔ حصول قوت و دولت کی دوڑ میں ہر آدمی دوسرے سے کسی نہ کسی طور پر آگے نکل جاتا ہے۔ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسایہ پر سبقت لے جاتا ہے۔ ہمارے قلوب امیدوں سے پر رہتے ہیں۔ دس ہزار افراد ہوں تو دس ہزار ہی امیدیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ چند ایک کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ باقی مایوسی و محرومی کا شکار۔ مبارک ہے وہ جو روزمرہ کی زندگی میں نیکی کا ذخیرہ کر لیتا ہے۔

[ڈایونسس محل سے برآمد ہوتا ہے۔ دہلیز پر ٹھیرتا اور پینتھیس کو آواز دیتا ہے۔]

ڈایونسس : پینتھیس ! اگر تم اب بھی ممنوعہ چیزوں کو دیکھنے کے مشتاق ہو اور ابھی تک آمادہ شر

ہو تو باہر آؤ۔ ہم بھی تو تمھیں زنانہ لباس میں دیو داسیوں کی حالت میں دیکھیں۔ پھر
تم اپنی ماں اور اس کی سنگی ساتھیوں کو خود جاکر دیکھنا۔

[پینتھیس محل سے برآمد ہوتا ہے۔ وہ لمبا سا ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں عصا، سر پر بالوں
کی ٹوپی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپے میں نہیں ہے بلکہ مسحور و مسرور چلا آرہا ہے۔]

ہاں اب تم کیڈمس کی بیٹیوں کی طرح معلوم ہو رہے ہو۔

پینتھیس : مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان میں دو سورج چمک رہے ہیں اور تھیبی کے دو شہر ہیں جن میں سے ہر ایک میں سات دروازے ہیں —— اور تم —— تم سانڈ کی طرح چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہو جس کے سر پر دو سینگ ہیں۔ کیا تم ہمیشہ سے ہی جانور تھے یا ابھی ایسے معلوم ہونے لگے ہو؟

ڈایونسس : تم خود خدا کو دیکھ رہے ہو —— وہ پہلے غضبناک تھا، لیکن اب مہربان ہو کر ہمارے ساتھ ہے۔ تم وہ دیکھ رہے ہو جو تمھیں دیکھنا چاہیے، لیکن جو تم پہلے اپنی بے بصری کی وجہ سے نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

پینتھیس : میں کیسا معلوم ہو رہا ہوں؟ کچھ آنو جیسا یا اگوے کی طرح؟

ڈایونسس : ہو بہو وہی! تمھیں دیکھا تو ان میں سے کسی ایک کو بھی دیکھا۔ لیکن دیکھو ایک لٹ تمھارے سر بند سے نکل کر اڑ رہی ہے، میں نے اس کو اس طرح تو نہیں جمایا تھا۔

پینتھیس : میں جب خوشی سے ناچ ناچ کر سر ہلا رہا تھا تو ڈھیلی ہو کر نکل گئی ہوگی۔

ڈایونسس : تمھاری خدمت میرا فرض ہے۔ میں تمھاری کنیز بن جاتا ہوں، اس کو پھر جما دیتا ہوں۔ ذرا ٹھیرو، سر اوپر کو اٹھاؤ۔

پینتھیس : جو چاہو کرو۔ اس کو ٹھیک کر دو۔ اب تو میں تمھارے ہاتھوں میں ہوں۔

[ڈایونسس لٹ کو سر بند میں اٹکا دیتا ہے]

ڈایونسس : تمھاری پیٹی پھسلی جا رہی ہے اور تمھارا جبہ ٹھیک سے ٹخنوں تک نہیں پہنچ رہا ہے۔

پینتھیس : [سر گھما کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے] ہاں ذرا دائیں طرف ٹھیک نہیں معلوم ہوتا لیکن بائیں طرف تو یہ ایڑیوں تک پہنچ رہا ہے۔

ڈایونسس : تم دیو داسیوں کو دیکھ لوگے کہ وہ کس قدر با عصمت و مقدس ہیں تو مجھے اپنا بہترین

دوست قرار دو گے اور میرے شکر گزار ہو گے۔

پینتھیس: لیکن یہ تو بتاؤ عصا اپنے داہنے ہاتھ میں لوں یا بائیں میں؟ باخرسی طریقہ کیا ہے؟

ڈایونسس: دائیں میں! اور جب تم اپنا دہنا پیر اٹھاؤ تو اسے بھی اٹھانا ہوگا۔ تمھارے خیالات کی تبدیلی بڑی خوش آیند ہے۔

پینتھیس: کیا خیال ہے؟ کیا اب میں کتھیرن کی چٹانوں اور ان میں موجود دیوداسیوں سب کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکتا ہوں؟

ڈایونسس: ہاں اگر تم چاہو۔ پہلے تمھارے دماغ میں خرابی تھی اب معلوم ہوتا ہے بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔

پینتھیس: سابر لینے کی ضرورت ہو گی یا میں یوں ہی انھیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر اچھال سکتا ہوں۔

ڈایونسس: کیا مطلب؟ کیا تم جل پریوں کی شکار گاہ کو اور مقدس کنجوں کو برباد کرنا چاہتے ہو؟

پینتھیس: تم ٹھیک سمجھے۔ میں خواتین کو متشددانہ قوت سے زیر نہیں کرنا چاہتا، بلکہ میں خود کو سمور میں چھپا لیتا ہوں۔

ڈایونسس: چھپا لیتا ہوں ___؟ گھبراؤ مت۔ دیوداسیوں کو دیکھنے کے لیے جیسی پوشیدگی کی ضرورت ہوگی تمھیں حاصل ہو جائے گی۔

پینتھیس: واہ وا!! میں تو ان کو ابھی دیکھ رہا ہوں۔ جھاڑیوں کے درمیان طائرانِ خوش پرواز کے مانند وہ سرشارانِ محبت ایک دوسرے سے بغل گیر ہیں۔

ڈایونسس: ٹھیک! یہی تو ہمارا مقصد تھا۔ اب ذرا دھیان سے انھیں دیکھتے رہو۔ تم ان کو پکڑ لوگے اگر خود نہ پکڑ لیے گئے۔ یا تم ان کو حیرانی میں ڈال دوگے یا وہ تمھیں حیرانی میں ڈال دیں گی۔

پینتھیس: اب مجھے لے چلو۔ تھیبی کے بیچ سے لے چلو۔ یہ جرأت میں اور صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔

ڈایونسس: اس کے محافظ اور نجات دہندہ بھی تو تم ہی ہو۔ اس شہر کے لیے قربانی بھی تمھیں ہی دینی ہوگی۔ قضا و قدر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تقدیر وہی دکھائے گی جس کے تم مستحق ہو۔ میں تمھیں وہاں حفاظت سے پہنچا دوں گا، لیکن تمھیں واپس لانے والا کوئی

اور ہوگا۔

پینتھیس : کیا میری والدہ ؟

ڈایونسس : ہاں! سب اس کو دیکھیں گے اور اس میں سب کے لیے ایک مثال ہوگی۔

پینتھیس : پھر تو میں ضرور جاتا ہوں۔

ڈایونسس : تمھیں سربلند کر کے لایا جائے گا۔

پینتھیس : واہ وا! کیا ٹھاٹ ہوں گے۔

ڈایونسس : ہاں اپنی ماں کی آغوش میں۔

پینتھیس : وہ تو بڑی نرم و ملائم ہوگی ؟

ڈایونسس : ہاں یقیناً نرم و ملائم۔

پینتھیس : میں سمجھا نہیں۔ تم مجھے برباد کر کے چھوڑو گے ؟

ڈایونسس : میرا مدعا تو یہی ہے۔

پینتھیس : اچھا تو میں چلتا ہوں۔

ڈایونسس : تم غیر معمولی نوجوان ہو اور ایک غیر معمولی مہم پر جا رہے ہو۔ تمھیں ایسی عظمت حاصل ہوگی جو آسمانوں کو چھولے۔

[پینتھیس جاتا ہے]

اگوے اور کیدمس کی دوسری بیٹیو! آؤ اور اپنے بازوؤں کو پھیلا دو۔ میں اس نوجوان کو اس کے تقدیری انجام تک پہنچانے کے لیے لا رہا ہوں۔ فاتح کون ہے؟ میں ہوں ڈایونسس! کیا ہونے والا ہے وقت ہی بتائے گا۔

طائفہ : دیوانگی کے تیز رفتار کتو! چلو پہاڑوں کی طرف چلو! دوڑ کر وہاں پہنچو جہاں کیدمس کی بیٹیاں پناہ گیر ہیں۔ ان کو ہوشیار کر دو ایک شخص زنانہ لباس میں ان دیوداسیوں کی مخبری کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک محفوظ جگہ پر بیٹھ کر ان کی دیکھ بھال کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ماں ہی اسے سب سے پہلے دیکھے گی اور چلا کر دوسری دیوداسیوں کو بھی چوکنا کر دے گی "یہ کون جاسوس ہے جو تھیبی کی خواتین کو ان کی کوہستانی پناہ گاہ میں دیکھنے کے لیے پہاڑوں میں آگیا ہے؟ اس کو کس نے جنم دیا؟ اس کا حسب و نسب کیا ہے ؟ وہ کسی عورت کے بطن سے تو ہے نہیں ـــــ یا تو کسی

شیرنی کی اولاد ہے یا کسی لیبیائی گارگن کی۔

عدل و انصاف کی قوتو آؤ! خود کو آشکار کر دو اور تیغ بکف ہو کر اٹھو اور اس ملحد شخص کا گلا کاٹ ڈالو جو ہمارا انداق اڑاتا ہے، رسم و رواج کا انکار کرتا ہے۔ اور دیوتاؤں کے غصہ کو بھڑکاتا ہے۔ اس خاک نژاد کو قتل کر ڈالو۔

یہ اپنی حماقت اور کفر و الحاد کے نشے میں سرکشی پر اتر آیا ہے اور روحانی قوتوں سے پنجہ کش ہونا چاہتا ہے۔ وہ اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے اور جب موت سے ٹکرائے گا تو اس کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ دیوتا ہمیں لقمۂ اجل بنا دیتے ہیں تاکہ ہمیں اپنی حیثیت معلوم ہو جائے یعنی یہ کہ ہم انسان ہیں دیوتا نہیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ انکسار ہی دانش مندانہ فعل ہے۔ مبارک ہیں وہ جو عجز و انکسار سے دیوتاؤں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ میں عقل مندی کی دعوے دار نہیں، لیکن میرا دل ان ہی چیزوں کو پسند اور اختیار کرتا ہے جو زندگی کے حقیقی انعام کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ میری تو دعا ہے کہ میں اپنے شب و روز دیوتاؤں کی تکریم و تسبیح میں گزار دوں اور میرا نفس شر اور معصیت سے محفوظ رہے۔

عدل و انصاف کی قوتو! آؤ! خود کو آشکار کر دو اور تیغ بکف ہو کر اٹھو! اور اس ملحد شخص کا گلا کاٹ ڈالو جو ہمارا انداق اڑاتا ہے، رسم و رواج کا انکار کرتا ہے اور دیوتاؤں کے غصہ کو بھڑکاتا ہے۔ اس خاک نژاد کو قتل کر ڈالو۔

ہاں اے ڈایونسس! ہمارے معبود! خود کو آشکار کر دے خواہ شعلہ چشم شیر کی شکل میں یا غضب ناک بیل کی شکل میں یا پھنکارتے ہوئے کثیر سر اژدہا کی شکل میں۔ اپنی پر غیض مسکراہٹ کے ساتھ اس شخص پر کمند ڈال دے جو تیری دیوداسیوں کو شکار کرنے چلا ہے۔ اس کے غرور کا سر نیچا کر دے اور اپنی دیوداسیوں سے اسے کچلوا کر رکھ دے۔

[کتھیرن سے قاصد آتا ہے]

قاصد : سرزمین یونان پر یہ محلات کبھی کیا شان و شوکت رکھتے تھے۔ سیدون کے بادشاہ کیڈمس نے آ کر ان کی داغ بیل ڈالی تھی اور اسی نے سانپوں کے خط میں اژدہا کے تخم بوئے تھے۔ میری حیثیت تو غلام سے زیادہ نہیں، لیکن اس گھرانے کی تباہی

پر میرا دل رو رہا ہے۔

سردار طائفہ: کیا بات ہے؟ کیا دیو داسیوں کے بارے میں کوئی خبر لائے ہو؟

قاصد: خبر یہ ہے کہ اگین کا بیٹا پینتھیس اس جہان سے گزر گیا۔

سردار طائفہ: برومیس سر بلند ہو۔ ہمارا معبود عظیم ہے۔ اس نے بالآخر خود کو آشکار کر دیا۔

قاصد: یہ کیسی عجیب بات ہے! تم میرے آقا کی وفات پر، اس گھرانے کی تباہی و بربادی پر خوشیاں منا رہی ہو۔

سردار طائفہ: میں یونانی تو ہوں نہیں! میں تو اپنے طور پر اپنے دیوتا کی تکریم و تقدیس کروں گی۔ مجھے تمھاری قید و بند کا کبھی خوف نہیں ہے۔

قاصد: لیکن کیا تمھارا خیال ہے کہ تھیبی میں اب کوئی بھی مرد نہیں رہا ہے کہ ...

سردار طائفہ: ڈایونسس کے علاوہ میں کسی اہل تھیبی کو نہیں گردانتی، وہی میرا معبود ہے۔

قاصد: تمھارا اپنا عقیدہ قابل غور ہو سکتا ہے، لیکن کسی کی تباہی پر اس طرح خوشی منانا تو کسی بھی طرح روا نہیں۔

سردار طائفہ: لیکن یہ تو بتاؤ وہ معصیت کار کس طرح مرا؟ موت نے اس کو کیسے زیر کیا؟

قاصد: جب تھیبی کے علاقہ سے نکل کر اور بحر ایسپس سے گزر کر ہم کتھیرن کی پہاڑیوں میں پہنچے تو ہم کل تین تھے۔ پینتھیس اور ان کے خدمت گار کی حیثیت سے میں اور وہ شخص جو ہماری رہ نمائی کے لیے ہمارے ساتھ گیا تھا۔ ہم ایک سبزہ پوش وادی میں رک گئے ـــــ مہر بلب اور بے حس و حرکت تاکہ ہم تو دوسروں کو دیکھ سکیں اور دوسرا کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔ اس مقام سے کوہستانی سلسلہ میں ہمیں ایک نشیب نظر آیا جس میں آب رود رواں تھی اور صنوبر کے بے شمار درختوں کے گھرے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ وہاں دیو داسیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھ مصروف تھے۔ کچھ اپنے عصاؤں پر عشق پیچاں کے تازے جھفتے لپیٹ رہی تھیں اور کچھ بے عنان بچھیروں کی طرح مستی و سر خوشی کے عالم میں لہک لہک کر بھجن الاپ رہی تھیں لیکن آہ بدنصیب پینتھیس! وہ عورتوں کے اس انبوہ کو وہاں سے پوری طرح نہ دیکھ سکا اور بولا۔ "اجنبی! جہاں ہم کھڑے ہوئے ہیں، یہاں سے میں ان دیو داسیوں کو ٹھیک سے نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔ لیکن اگر میں کسی اونچے درخت پر چڑھ جاؤں تو ان کی

مذموم حرکات کو اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔" جیسے ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اجنبی نے ایک کرشمہ دکھایا۔ اس نے ایک فلک بوس صنوبر کی چوٹی پر ہاتھ ڈالا اور اس کو نیچے لاتے لاتے زمین سے ملا دیا۔ یہاں تک کہ اس کا تنا کمان کی طرح یا پہیے کی گولائی کی طرح نظر آنے لگا۔ اس اجنبی نے ایسی قوت سے اس پہاڑی درخت کو جھکایا کہ کسی انسان کے بس کی تو بات تھی نہیں۔ تب اس نے پینتھیس کو ایک بلند ترین شاخ پر بٹھا دیا اور آہستہ آہستہ اس درخت کو سیدھا کرنا شروع کر دیا کہ کہیں بادشاہ سلامت اس پر سے گر نہ پڑیں۔ درخت پھر اسی طرح آسمان کو بوسے دینے لگا۔ بادشاہ سلامت اس کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے اور اب دیوداسیاں بھی ان کو صاف طور پر دیکھ سکتی تھیں۔ بادشاہ نے دیوداسیوں کو دیکھا اور جیسے ہی دیوداسیوں نے پینتھیس کو دیکھا اجنبی غائب ہو گیا۔ پھر آسمان سے ایک سامعہ شکن آواز آئی ــــ یہ یقیناً ڈایونسس کی آواز تھی۔ "خواتین! میں اس شخص کو یہاں لے آیا ہوں جو تمھارا اور میرا اور ہمارے تمام مقدس پراسرار افعال کا مذاق اڑاتا تھا۔ اب اس سے انتقام لے لو۔" اس کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ ایک عجیب وغریب خوف ناک آگ زمین سے بھڑک اٹھی۔ ہوا ساکت ہو گئی۔ پوری وادی میں ایک ایک پتا بے حس وحرکت ہو گیا۔ جنگلی جانوروں کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ دیوداسیوں کے کان میں یہ آواز تو پڑی اور اس کی گونج دیر تک ہوتی رہی لیکن وہ صحیح الفاظ نہ سن سکی تھیں اس لیے حیران وسرگرداں ادھر ادھر لوٹتی رہیں۔ یہی آواز پھر سنائی دی اور انھوں نے اس آواز کو پہچان لیا کہ یہ واضح طور پر خدائی حکم تھا۔ وہ عقاب کی طرح جھپٹ پڑیں۔ درختوں کے جھنڈوں، ندی، نالوں اور ناہموار چٹانوں کو انھوں نے عالم وجد میں دیوانہ وار طے کر ڈالا۔ اور جب انھوں نے میرے آقا کو درخت پر ٹنگے ہوئے دیکھا تو وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئیں جو اس درخت کی چوٹی کے مقابل ہی تھا اور وہاں سے پتھر برسانا شروع کر دیے۔ کچھ نے درختوں کے ٹھنے توڑ توڑ کر مارنا شروع کیے اور کچھ نے اپنے عصا گھما گھما کر حملے کیے۔ لیکن ان کا کوئی بھی وار نشانے پر نہ بیٹھا۔ بے چارہ پینتھیس اگرچہ ان کی رسائی سے باہر تھا مگر بڑی بے بسی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھاگ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ اور پھر انھوں نے شاہ بلوط کے

کے ٹہنے توڑ توڑ کر ان سے کلہاڑوں کا کام لینا شروع کیا۔ اس درخت کی جڑ پر ان کو برسانا شروع کر دیا۔ اس میں بھی ان کو کامیابی نہ ہوئی تو اگوے نے چلا کر کہا۔ "دیوداسیو! اس درخت کے گرد حلقہ ڈال دو اور اس کے تنے کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے لو۔ اگر ہم نے اس جانور کا کام تمام نہ کیا تو یہ اسرار خدائی کا انکشاف کر دے گا۔" فی الفور بے شمار ہاتھوں نے تنے کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کو زمین سے اکھاڑ پھینکا اور پینتھیس اپنی اس بلند نشست سے لڑھکتا ہوا زمین پر آ رہا۔ اس نے آہ و زاری شروع کر دی کیوں کہ اسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی ماں ہی اس پر جھپٹی۔ اس نے اپنا سر بند پھاڑ ڈالا کہ شاید اس کی ماں اسے پہچان لے اور اپنے بیٹے کی جاں بخشی کر دے۔ بادشاہ اس کے رخسار کو چھو کر چلایا "ماں! میں ہوں ——— تمھارا بیٹا ——— پینتھیس ——— ایکین کی اولاد ——— میرے حال پر رحم کرو۔ مجھے بخش دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ زبردست قصور ہوا۔ لیکن اس کے لیے میری جان مت لو۔ مجھے چھوڑ دو۔" مگر اس کے منھ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ وہ ڈایونسس کے زیر اثر عالم دیوانگی میں تھی۔ اس نے اس نالہ و زاری پر کان ہی نہ دھرا۔ اس کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے سینے پر اپنا پیر رکھ کر جو کھینچا تو کندھے پر سے اس کا بازو الگ ہو گیا۔ یہ بات قوت بشری سے باہر تھی۔ مگر اسے تو دیوتاؤں نے فوق بشری قوت عطا کر دی تھی۔ آئنو نے دوسری طرف سے زور لگا کر اس کا دوسرا بازو اکھیڑ ڈالا۔ اور پھر آٹونی، دیوداسیوں کے پورے غول کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑی۔ وہ ابھی تک زندہ تھا اور آہ و بکا کی دردناک چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور وہ خوش ہو ہو کر چلّا رہی تھیں۔ کسی نے اس کا بازو اکھاڑ ڈالا، کسی نے پیر کھینچا تو وہ اکھڑ آیا۔ اس کی ہڈی پسلی برابر ہو گئی۔ پسلیوں کے گوشت کو ایسے نوچ لیا گیا کہ صاف ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ بادشاہ کے تکے بوٹی کر کے اچھال دیے گئے۔ خون سے ان کے ہاتھ سرخ ہو گئے۔

بے چارے کی بوٹیاں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ایک لوتھڑا چٹان پر

تھا تو دوسرا درختوں کے پتوں میں۔ پہچان بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ بادشاہ یہاں تھا۔ اس کی ماں نے اس کے سر کو اپنے عصا کی نوک پر اٹھا لیا۔ وہ اس خیال میں تھی کہ یہ کسی پہاڑی شیر کا سر ہے جس کو انھوں نے مار ڈالا ہے۔ اپنی دونوں بہنوں کو دیوداسیوں کے ساتھ چھوڑ کر وہ کتھیرن سے ہوتی ہوئی اور اس سر کو اپنی فتح مندی کے نشان کے طور پر لیے تھیبی آ رہی ہے۔ وہ ڈایونسس کے نعرے لگا رہی ہے کہ وہی اس کا ہم شکار رہا ہے اور اسی کی بدولت ایسے جنگلی خونخوار جانور پر یہ فتح حاصل ہوئی ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کی فتح اس کے لیے کتنی الم ناک ہے۔

میں یہ دردناک منظر نہیں دیکھ سکوں گا، لہٰذا اگوے کے آنے سے پہلے ہی میں تو جاتا ہوں۔ آسمانی قوتوں کے سامنے عجز و انکسار اختیار کرنا اور ان کی تکریم کرنا ہی سچی عقل مندی ہے۔ یہی سب سے بہتر بات ہے۔

[قاصد چلا جاتا ہے]

طائفہ : آؤ! آؤ اور معبود کی حمد و ثنا میں رقص کرو۔ افعی نژاد پینتھیس کی موت پر رقص کرو اور اپنے نغمہ کی آواز کو بلند کر دو۔ اس نے زنانہ لباس پہن لیا، عصا بھی ہاتھ میں لے لیا، عشق پیچاں کا تاج بھی سر پر رکھ لیا اور پھر ایک قدسی بیل کشاں کشاں اسے موت کی طرف لے گیا۔

مبارک ہو! تھیبی کی خواتین تمھیں یہ فتح مبارک ہو کہ جس کا خاتمہ آنسو بہانے پر ہو گیا۔ کیا شاندار فتح ہے کہ اپنے ہی خون آلود بیٹے کو ماں بغل میں لیے ہوتے ہے۔

دیکھو دیکھو! پینتھیس کی ماں آ رہی ہے۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں محل پر جمی ہوئی ہیں۔ ہم خدائے مسرت کے نام پر اس کا استقبال کرتے ہیں۔

[اگوے آتی ہے۔ دوسری دیوداسیاں بھی ساتھ ہیں۔ اس کا جسم خون آلود ہے۔ پینتھیس کا سر عصا پر لٹکا ہوا ہے۔]

اگوے : ایشیائی دیوداسیو!

سردار طائفہ : ہاں ہاں کہو! ہم ہمہ تن گوش ہیں۔

اگوے : پہاڑوں سے ہم ایک نو بریدہ شاخ محل میں لے کر آئے ہیں۔ شکار بڑا ہی خوشگوار تھا۔ دیوتا بھی ہماری کامیابی پر مسکرائے۔

سردار طائفہ: خوش آمدید! خوش آمدید! ہماری سنگی پجارن۔

اگوے : میں نے بغیر جال کے اس جنگلی شیر کے بچے کو پکڑ لیا۔ دیکھو تو سہی مجھے کیسا انعام ملا ہے۔ [سر کو آگے بڑھاتی ہے]

سردار طائفہ: تم نے اسے کہاں پکڑا؟

اگوے : کتھیرن میں۔

سردار طائفہ: کتھیرن میں؟

اگوے : لیکن ہمارا شکار زندہ نہ رہ سکا، مارا گیا۔

سردار طائفہ: مگر کس نے مارا؟

اگوے سب سے پہلے تو میں نے ہی حملہ کیا۔ اور دیو داسیوں نے شاباش و آفرین کا شور مچا دیا۔

سردار طائفہ: اور کون تھا؟

اگوے : لڑکیاں۔

سردار طائفہ: لڑکیاں؟

اگوے : ہاں کیڈمس کی بیٹیاں! میرے بعد وہ شکار پر جھپٹیں! ہاں میرے بعد! بڑے مزے کا شکار رہا۔

سردار طائفہ: ہاں واقعی بڑا مزا رہا ہوگا۔

اگوے : اب آؤ میرے ساتھ ضیافت میں شرکت کرو۔

سردار طائفہ: کیا؟ شرکت؟ آہ بدنصیب خاتون۔

اگوے : کیوں؟ دیکھو تو کیسا جوان پٹھا ہے۔ اس کے موٹے رخسار کے نیچے کیسی جوانی پھوٹی پڑ رہی ہے۔

سردار طائفہ: ہاں ہاں تو کچھ جنگلی جانور جیسے ہی ہیں۔

اگوے : ہمارا معبود بڑی عقل رکھتا ہے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے دیو داسیوں کو اس شکار کے مارنے پر اکسا دیا۔

سردار طائفہ : ہمارا بادشاہ بڑا زبردست شکاری ہے۔

اگوے : تو اب تم میری تعریف کر رہی ہو؟

سردار طائفہ : ہاں ہاں! میں تو تمھاری تعریف ہی کرتی ہوں۔

اگوے : اور تھیبی کے باشندے بھی؟

سردار طائفہ : اور پینتھیس تمھارا بیٹا بھی۔

اگوے : ہاں وہ بھی اپنی ماں کی تعریف کرے گا کہ اس نے کس چابکدستی سے شیر کے بچہ کو پکڑ لیا۔

سردار طائفہ : اس کا تو جواب نہیں ہے۔

اگوے : ہاں واقعی جواب نہیں۔

سردار طائفہ : تو تم بہت ہی خوش ہو؟

اگوے : خوش کیوں نہ ہوں! میں نے فتح حاصل کی ہے۔ اپنی محنت کا صلہ پایا۔

سردار طائفہ : ہاں اے بدنصیب خاتون جاؤ اور اپنے ہم وطنوں، تھیبی کے باشندوں کو اپنا جیتا ہوا انعام دکھاؤ۔

اگوے : چمکدار میناروں کے شہر تھیبی کے باشندو! اپنی خواتین کے حاصل کردہ انعام کو دیکھو جو ہم کیڈمس کی بیٹیوں نے، بغیر کسی جال کے، بغیر ہتھیار کے محض اپنے ہاتھوں سے جنگلی درندے کا شکار کر کے حاصل کیا ہے۔ مردوں کو بڑا غرور ہوتا ہے کہ وہ اسلحہ سے اپنے دشمنوں کا قتل کرتے ہیں۔ ہم نے تو اس درندے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

میرے والد کیڈمس، کہاں ہیں؟ ان کو یہاں بلالاؤ۔ اور میرا بیٹا پینتھیس کہاں ہے؟ اس کو بھی بلاؤ کہ وہ سیڑھی لاکر محل کی اونچی دیوار سے لگائے اور اس جنگلی شیر کے سر کو جسے میں نے شکار کر کے حاصل کیا ہے کسی بلند مقام پر نصب کردے۔

[کیڈمس آتا ہے، اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ وہ تابوت اٹھائے ہوئے ہیں، جس میں پینتھیس کے کٹے پھٹے اعضا رکھے ہوئے ہیں۔]

کیڈمس : آؤ میرے عزیزو! میرے پیچھے پیچھے آؤ اور تمھارے کاندھوں پر جو المناک بوجھ ہے اسے محل کے سامنے رکھ دو۔

خدام تابوت رکھ دیتے ہیں

پینتھیس کا جسم کتھیرن کی گھاٹیوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہوا پڑا تھا۔ میں نے بہ دقت تمام ایک ایک بوٹی تلاش کر کے لخت لخت جمع کیا ہے۔ کسی ایک جگہ پر بھی تو دو ٹکڑے نہیں تھے۔ کوہستانی عبادت گاہ سے میں اور بوڑھا ٹیریسس جب واپس آئے اور ابھی تھیبی میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ مجھے اپنی بیٹی کے اس مجنونانہ اور سنگدلانہ فعل کی خبر ملی۔ میں فوراً ہی پہاڑوں کی طرف لوٹ گیا تاکہ اس نوجوان کی لاش تو حاصل کر لوں جسے دیوداسیوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ وہاں مجھے آٹنو اور آٹونی ملیں۔ ان پر بھی ابھی تک جنون کی کیفیت طاری تھی۔ انھوں نے ہی مجھے بتایا کہ اگوے اسی جنون کے عالم میں تھیبی کی طرف گئی ہے اور ان کا کہنا درست ہی تھا۔ وہ مجھے نظر آ رہی ہے، مگر کیسا خوفناک منظر ہے۔

اگوے : ابا جان! آپ انسانوں میں مفخر ترین شخص ہیں کہ آپ ایسی شجاع بیٹیوں کے باپ ہیں جن کا دنیا میں ثانی نہیں۔ آپ کی سبھی بیٹیاں بہادر ہیں، لیکن میں ان سب سے زیادہ بہادر ہوں کہ میں نے نہتے ہی جنگلی شیر کا شکار کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں؟ میرے شجاعانہ کارنامے کی نشانی میرے ہاتھ میں ہے جو ہمارے گھرانے کے لیے طغرائے امتیاز ہوگا۔ یہ لیجیے! ابا جان لیجیے! آپ میرے اس شکار کا جشن منائیے اور ضیافت فتح میں اپنے دوستوں کو بلائیے۔ میرے اس عظیم کارنامے سے آپ کے اعزاز میں بھی اضافہ ہوگا۔

کیدمس : اس اندوہ والم کی کوئی حد نہیں۔ میرے لیے تو یہ منظر ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ تمھارے ہاتھوں نے تو ایسا قتل کیا ہے کہ جو سنے لرز اٹھے۔ تم نے دیوتاؤں پر ایک نہایت شریف جان کو قربان کر ڈالا ہے اور اس کے جشن میں تم مجھے اور اہالیان تھیبی کو مدعو کرنا چاہتی ہو۔ تمھارے حال پر مجھے رونا آتا ہے اور خود اپنے اوپر بھی۔ اس میں کوئی ناانصافی نہ ہو، لیکن پھر بھی بڑی بے رحمی سے ڈایونسس نے ہمارے پورے گھرانے کو تباہ کر ڈالا۔

اگوے بڑھاپا بھی کیسی لعنت ہے! انسان کو کیسا چڑچڑا بنا دیتا ہے! میرا بیٹا بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلے گا اور جب وہ تھیبی کے نوجوانوں کے ساتھ شکار کے لیے

جائے گا تو وہ بھی اپنی ماں کی طرح فتح مند لوٹ کر آئے گا۔ لیکن وہ دیوتاؤں سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا ہے، اس کو تنبیہہ کی جانی چاہیے۔ ابا جان آپ اس کو تنبیہہ کر سکتے ہیں؟ ہاں کوئی اسے بلا کر لائے تاکہ وہ بھی اپنی ماں کے کارنامے کو دیکھ لے۔

کیڈمس : بس بس! جب تمھیں اندازہ ہوگا کہ تم نے کیسا اندوہ ناک کام کیا ہے تو تمھارے غم کا ٹھکانا نہ ہوگا۔ لیکن اگر تا مدت حیات تمھاری آنکھوں پر پردہ پڑا رہے اور تم اسی عالم جذب میں رہو تو خوش رہو گی اگرچہ واقعتاً خوش نہیں ہو گی۔

اگوے : ہوا کیا؟ آپ کس بات سے ناراض ہیں؟ اور کیوں مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں؟

کیڈمس : پہلے اپنی آنکھیں اٹھا کر اپنے سر پر آسمان کو دیکھو۔

اگوے : اچھا دیکھا، وہاں کیا ہے؟

کیڈمس : کیا یہ ویسا ہی نظر آ رہا ہے جیسا پہلے تھا، یا کچھ بدل گیا ہے؟

اگوے : پہلے سے کچھ زیادہ ہی شفاف اور چمکدار نظر آتا ہے۔

کیڈمس : کیا اب بھی تم اپنے اندر وہی کیفیت محسوس کر رہی ہو؟

اگوے : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔ لیکن مجھے تبدیلی سی محسوس ہو رہی ہے اور کچھ کچھ یادداشت لوٹتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔

کیڈمس : کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟ اور کیا میری بات کا صاف صاف جواب دے سکتی ہو؟

اگوے : ابا جان! مجھے یاد نہیں رہا! ہم کیا بات کر رہے تھے؟

کیڈمس : تم دلہن بن کر کس کے گھر میں آئی تھیں؟

اگوے : ایکین کے — جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ سانپ افعی سے پیدا ہوا تھا۔

کیڈمس : اور اس سے جو تمھارے بیٹا ہوا تھا اس کا کیا نام تھا؟

اگوے : ہمارے ازدواج سے جو بیٹا پیدا ہوا —؟— اس کا نام تو پینتھیس تھا۔

کیڈمس : اب تمھارے ہاتھوں میں کس کا سر ہے؟

اگوے : شیر کا سر — شکاریوں نے مجھے یہی بتایا تھا۔

کیڈمس : لیکن ذرا اس کو خود تو دیکھو — یہ تو کوئی مشکل بات نہیں۔

اگوے : ایں! یہ کیا ہے؟ میں کیا لیے پھر رہی ہوں؟

کیڈمس : ذرا اور غور سے دیکھو۔ اچھی طرح دیکھ لو تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

اگوے : ہائے معبود! یہ تو میں المناک ترین چیز دیکھ رہی ہوں۔

کیڈمس : کیا اب بھی یہ شیر ہی کا سر معلوم ہو رہا ہے ؟

اگوے : نہیں نہیں! یہ تو پنتھیس کا سر ہے۔ ہائے میں تو لٹ گئی۔

کیڈمس : اور میں تو اس کا ماتم اس وقت سے کر رہا ہوں جب تمھیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔

اگوے : مگر اس کو کس نے قتل کیا ؟ اس کا سر میرے ہاتھ میں کیسے آیا؟

کیڈمس : یہ کیسی تلخ حقیقت ہے جسے وقت پر نہیں پہچانا گیا۔

اگوے : خدارا بتاؤ! میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ کیا ہو کر رہے گا!؟

کیڈمس : اسے تم نے ہی مارا۔ تم نے اور تمھاری بہنوں نے۔

اگوے : وہ کہاں مارا گیا ؟ یہیں گھر پر یا کہیں اور ؟

کیڈمس : کتھیرن میں جہاں زمانہ گزشتہ میں ایکٹیون کو اس کے کتوں نے پھاڑ ڈالا تھا۔

اگوے : لیکن میرا بیٹا کتھیرن کس لیے گیا تھا ؟

کیڈمس : تمھاری پوجا پاٹ اور ڈایونسس کا مذاق اڑانے کے لیے۔

اگوے : لیکن خود ہم ہی وہاں پہاڑوں پر کیوں گئی تھیں ؟

کیڈمس : تم پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور سارا شہر ہی اس دیوانگی میں مبتلا تھا۔

اگوے : آہ! اب میں سمجھی! ڈایونسس نے ہمیں تباہ کر ڈالا۔

کیڈمس : تم نے ہی اسے بھڑکایا۔ اس کی الوہیت کا انکار کیا۔

اگوے : ابا جان! میرے پیارے بیٹے کی لاش کہاں ہے ؟

کیڈمس : یہ ہے! میں نے بڑی دقت سے اس کے جسم کے ٹکڑوں کو جمع کیا۔

اگوے : کیا اس کا پارہ پارہ جسم ٹھیک سے اکٹھا کر دیا گیا؟

کیڈمس : ہاں سوائے اس کے سر کے۔ اگرچہ سارے اعضا کٹ پھٹ گئے ہیں۔

اگوے : لیکن میرے جنون سے اس کا کیا تعلق تھا ؟ میرے گناہ کی سزا اسے کیوں ملی ؟

کیڈمس : تمھاری ہی طرح اس نے بھی دیوتا پر استہزا کیا اور منکر ہوا۔ اس نے ایک ہی وار میں تمھیں اور تمھاری بہنوں کو اور اس لڑکے کو تباہ کر ڈالا۔ ہمارے پورے شاہی گھرانے کو اور مجھے مٹا ڈالا۔ میرے تو کوئی بیٹا اور مرد وارث تھا ہی نہیں تمھارے بطن سے یہ بیٹا تھا، تمھارا جزد بدن ـــــ اس کا یہ المناک انجام دیکھنا پڑا۔ ایسا

سنگ دلانہ اور وحشت ناک قتل۔

آہ میرے بیٹے! میری اولاد کی اولاد! تو تو اس گھرانے کا چشم وچراغ تھا۔ تجھ سے اس گھرانے کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ تھیبی تیرے رعب سے لرزتا تھا۔ تیرا انتقام ایسا خطرناک تھا کہ جس نے تجھے ایک بار دیکھا، وہ میرے بڑھاپے کی تحقیر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اب مجھے جلا وطن ہو جانا چاہیے۔ نہایت بے آبروئی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے —— ہم کیڈمس اعظم جنھوں نے تھیبی نسل کی تخم ریزی کی تھی —— اب یہ فصل کاٹ رہے ہیں۔ کیا اچھی فصل ہے! آہ میرے بیٹے! اپنی موت کے بعد بھی تو مجھے عزیز ترین ہے۔ میں آج بھی تجھے سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔ اب کبھی تیرا ہاتھ میری داڑھی کو نہیں چھوئے گا۔ نہ اب تو اپنے ہاتھ میرے گلے میں ڈال کر مجھے نانا جان کہہ کر پکارے گا۔ نہ اب مجھ سے یہ پوچھے گا کہ "بڑے میاں آپ کو کون ستا رہا ہے؟ کوئی آپ کو پریشان یا دق تو نہیں کر رہا ہے؟ کوئی پریشان کر رہا ہو تو نانا جان بتائیے میں اسے ابھی سزا دیتا ہوں؟" لیکن اب! اب میرے لیے ماتم گساری کے علاوہ کیا ہے؟ تجھ پر ماتم کروں گا۔ تیری ماں کے لیے میرا دل کڑھے گا اور اس کی بہنوں کے لیے انتہائی رنج و ملال ہو گا۔

اگر اب بھی کوئی فانی انسان دیوتاؤں کی تحقیر و تنکیر کرتا ہے تو وہ آئے اور پینتھیس کا انجام دیکھے اور دیوتاؤں پر ایمان لے آئے۔

سردارِ طائفہ: کیڈمس! مجھے تم پر رحم آتا ہے۔ تمھارا نواسا ایسی ہی موت کا مستحق تھا اگرچہ یہ تم پر سخت گراں گزری۔

اگوے: آہ ابا جان! آپ دیکھ رہے ہیں، کیسی کایا پلٹ ہوئی ہے؟ میں ابھی کچھ لمحے پہلے اپنے شکار پر نازاں اکڑتی پھر رہی تھی اور اب میرے غم کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ جس چیز کو بڑے غرور کے ساتھ میں انعام کے طور پر گھر لائی تھی وہ تو میرے لیے عذاب ثابت ہوئی۔ ان ہاتھوں میں میں اپنے بیٹے کا خون اٹھائے پھر رہی تھی۔ اب ان ملعون ہاتھوں سے میں کیسے اس کی لاش کو چھوؤں۔ ایسی لعنت میں گرفتار ہونے کے بعد میں اس کو کیسے اپنے سینے سے لگاؤں؟ آہ دیکھا کے لیے

میں کہاں سے گیت لاؤں کہ اس کے ہر ہر عضو بریدہ کا نوحہ ہو سکے؟

اس کی لاش کے لیے کفن کہاں ہے؟ میرے بچے اب تو اپنے اس عذاب کو مجھے خود ہی اٹھانا پڑے گا، ورنہ اور کون تیری لاش کو ٹھکانے لگائے گا۔

[وہ پینتھیس کے ایک ایک عضو کو اٹھاتی اور نوحہ و بکا کرتی جاتی ہے]

ابا جان آئیے! اس بدنصیب لڑکے کے سر کو اس کی جگہ پر رکھ دیا جائے اور اس کے تمام اعضا لگا لگا کر اس کی لاش کو مکمل کر دیں۔

آہ میرے پیارے! تیرا یہ معصوم چہرہ! اب تیرے چہرے پر یہ نقاب ڈالتی ہوں اور خون آلودہ بریدہ اعضا کو یکجا کرتی ہوں۔ آہ! گوشت و پوست کا یہ وہ ڈھانچہ ہے جس کو میں نے جنم دیا تھا۔

سردار طائفہ: دیکھنے والے اس منظر سے عبرت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں کہ ڈایونسس زیوس کا بیٹا ہے۔

[ڈایونسس محل کی بلندیوں سے نمودار ہوتا ہے]

ڈایونسس: میں ڈایونسس ہوں۔ زیوس کا بیٹا! میں تھیبی میں آیا ہوں۔ انسانوں کے لیے دیوتا بن کر۔ لیکن تھیبی کے باشندوں نے میرا انکار کیا، میری تضحیک کی۔ انھوں نے مجھے فانی انسان بتایا اور صرف انکار و تضحیک پر قناعت نہ کر کے مجھے تضحیک کا نشانہ بنانے پر اتر آئے۔ یہ لوگ اپنے محسن سے بغض و عناد کے ساتھ پیش آئے۔ اب میں بتاتا ہوں کہ ان کے اس جرم کی پاداش کیا ہے۔ ان کو اس سرزمین سے نکال دیا جائے گا۔ جن دوسری سرزمینوں میں وہ پہنچیں گے وہاں غلام بنا لیے جائیں گے اور ذلت و خواری کی پرصعوبت زندگی بسر کرتے رہیں گے۔

[پینتھیس کی لاش کی طرف مخاطب ہو کر]

اس شخص کو وہ موت نصیب ہوئی جس کا وہ مستحق تھا ــــــ پہاڑیوں میں اس کے چیتھڑے اڑ گئے۔ تم گواہ ہو کہ وہ مجھے تباہ کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ باندھنے کی کوشش کی۔ مجھے گالیاں دیں اور وہ سب کچھ کر گزرا جو وہ کر سکتا تھا اور اس جرم میں وہ ان ہاتھوں سے مارا گیا جن سے مارا جانا

تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کو جو سزا ملی ٹھیک ہی ملی۔

اگوے! تم اور تمھاری بہنوں نے جو قتل کیا ہے اس کے کفارہ کے طور پر تمھیں بھی اس شہر سے نکلنا ہوگا۔ تم گنہ گار ہو۔ قاتلوں کا ان لوگوں کی قبر کے پاس رہنا جن کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے بڑی نامبارک بات ہے۔

[کیدمس کی طرف مخاطب ہو کر]

میں اب ان آزمائشوں کا انکشاف کرتا ہوں جن سے اس شخص کو گزرنا ہے کیدمس! تم اژدہا بن جاؤگے اور تمھاری بیوی، ایرس کی بیٹی، ہرمونیا جس نے کبھی اپنے فانی عاشق سے شادی کی تھی، وہ بھی سانپ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گی۔ معبد زیوس کے حکم سے تمھاری تقدیر یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ ایک بیل گاڑی میں سفر کروگے۔ پیچھے پیچھے وحشی جنگلیوں کا ایک انبوہ کثیر ہوگا — بے شمار لاتعداد — تم شہروں شہروں تباہی مچاتے پھروگے اور جب تمھاری یہ فوج اپولو کے مندر کو مسمار کر ڈالے گی تو اسے بڑی بربادی کے ساتھ اپنی اصل سرزمین کو لوٹنا پڑے گا۔ بالآخر ایرس تمھیں اور ہرمونیا کو بچائے گا اور پھر تمھیں اپنی مبارک سرزمین پر رہنا نصیب ہوگا۔

یہ ہمارا فرمان ہے — ڈایونسس کا جس کا باپ کوئی فانی انسان نہیں بلکہ زیوس ہے۔ اگر اس وقت تم اپنی نادانی میں اس طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے تو اب زیوس کے بیٹے کے حلقہ بگوش ہو جاؤ۔

کیدمس : ڈایونسس! رحم کر! ہم واقعی گنہ گار ہیں۔

ڈایونسس : اب وقت گزر چکا۔ جب وقت تھا، تم نے مجھے نہیں پہچانا۔

کیدمس : اب ہم نے پہچان لیا اور ہم اقرار کرتے ہیں۔ لیکن تیرا حکم بڑا سخت ہے۔

ڈایونسس : ہم کہ دیوتا ہیں تم نے ہمارا انکار کیا۔

کیدمس : لیکن دیوتاؤں کو انسانوں کی طرح غضب ناک نہیں ہونا چاہیے۔

ڈایونسس : عرصہ ہوا میرے باپ زیوس نے یہی مقدر کر دیا تھا۔

اگوے : ابا جان! یہ تو تقدیر کا لکھا ہوا ہے۔ ہمیں یہاں سے چلا ہی جانا چاہیے۔

ڈایونسس : یہ سب اسی طرح سے ہونا ہے۔ ٹال مٹول سے کوئی فائدہ نہیں۔

کیدمس : بیٹی! ہم پر کیسا ادبار مسلط ہوا ہے! تم اور تمھاری بہنیں اور میں خود کیسی دردناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ میں اس بڑھاپے میں جنگلیوں کے ساتھ زندگی گزاروں اور یونان پر فوجوں کے ساتھ چڑھائی کروں۔ میں اور میری بیوی ہرمونیا سانپ کے روپ میں ان فوجوں کی قیادت کریں اور یونان کے معبدوں اور مقبروں کو تباہ و برباد کرتے پھریں اور تب بھی شاید اس عذاب سے چھٹکارا نہیں ملے گا اور ہمیں سکون سے رہنا نصیب نہیں ہوگا۔

اگوے [کیدمس سے لپٹ جاتی ہے] اور ابا جان! میں آپ سے دور جلاوطنی کی زندگی بسر کروں گی!

کیدمس : بیٹی! اب مجھ سے لپٹنا بیکار ہے۔ بڈھا ضعیف ہنس نوعمر ہنس کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا۔

اگوے : یہاں سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی؟

کیدمس : بیٹا! میں نہیں جانتا۔ میں تمھارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

اگوے : الوداع اے محل! الوداع اے وطن!
میں تم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہی ہوں —— تنہا اور غمزدہ!

کیدمس : بیٹی! تم بھی وہیں چلی جاؤ جہاں پہلے ارستیوس گیا تھا۔ اس کے گھر تمھیں پناہ مل جائے گی۔

اگوے : مجھے آپ پر ترس آتا ہے ابا جان!

کیدمس : اور بیٹی مجھے تم پر اور تمھاری بہنوں پر بھی ترس آتا ہے۔

اگوے : ڈایونسس نے اس گھرانے پر بڑا ہی شدید عذاب مسلط کر دیا ہے۔

ڈایونسس : تھیبی میں میرا انکار بھی اسی شدت سے کیا گیا تھا اور میرے نام کی تذلیل کی گئی تھی۔

اگوے : الوداع ابا جان! الوداع!

کیدمس : میری بدنصیب بیٹی الوداع! نہ جانے تمھیں کبھی کیسے کیسے ابتلا سے گزرنا پڑے گا۔

[کیدمس چلا جاتا ہے]

اگوے : ہاں اے رہبرو! اب مجھے لے چلو۔ میری بہنیں جو میری ہی طرح جلاوطن کر دی گئی ہیں میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں اب کتھیرن نظر نہ آئے۔ جہاں یہ ملعون پہاڑی اب مجھے نہ دیکھ سکے۔ جہاں عصا کا نام و نشان نہ ہو۔ جہاں دیو داسیوں کی یاد کبھی میرے ذہن میں نہ آسکے۔ یہ سب میں دوسروں کے لیے چھوڑتی ہوں۔

[اگوے چلی جاتی ہے]

طائفہ : منشائے خداوندی متنوع شکلوں میں نمودار ہوتا ہے۔ دیوتا جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے، چاہے وہ لوگوں کے خواب و خیال میں کبھی نہ ہو اور لوگ جو کچھ سوچتے ہیں، اگر دیوتا نہ چاہیں، وہ نہیں ہوتا۔

بس یہ قصہ تمام ہوا

ایرسٹوفنیز

یونان کا طربیہ نگار شاعر ایرسٹوفنیز ۴۵۰ قم میں ایتھنا (ایتھنز) میں پیدا ہوا۔ یونانی المیہ نگاری اپنے عروج کو پہنچ کر عوامی مقبولیت حاصل کر چکی تھی تو ایرسٹوفنیز نے سنجیدہ طربیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس نے اساطیری قصوں کے بجائے زندگی سے مواد اخذ کیا اور معاشرہ، حکومت وقت اور بر سر اقتدار افراد کو طنز و تمسخر کا موضوع بنایا۔ اپنے پہلے ڈرامے (۴۲۷ قم) میں ہی اس نے اپنے عہد کے تعلیمی نظام پر طنز کیا اور دوسرے انعام کا مستحق قرار پایا۔ اس کا یہ ڈراما ڈائی ٹیلیز (DAITALEIS) معدوم ہو چکا ہے۔ لیکن سنجیدہ المیہ ڈراموں کی فضا میں یونانی روایتی ذہن کے لیے کسی طربیہ تمثیل کا قابل توجہ قرار پانا کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ اگلے ہی سال (۴۲۶ قم) اس نے جو طربیہ پیش کیا وہ شاہی عتاب کا سبب بنا۔ یہ 'اہل بابل' (BABYLONIAN) تھا۔ اس میں اس نے حکمران وقت کی جنگ میں ظالمانہ اور وحشیانہ روش پر سخت اعتراض کیا۔ وہ جنگ سے متنفر تھا۔ جنگ زدہ ایتھنا میں قیام امن اس نے اپنی تمثیلوں کا مقصد بنا لیا تھا۔ اس سے سخت باز پرس ہوئی۔ اس پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ بمشکل تمام گلو خلاصی ہوئی۔ لیکن تمام تر تادیبات و تنبیہات اور حکومت کی سخت گیریاں نہ اس کے خیال میں تبدیلی پیدا کر سکیں اور نہ اس کو اظہار خیال سے باز رکھ سکیں۔ اگلے سال ہی اس نے جنگ جوئی کے خلاف زور دار آواز اٹھائی۔ 'اہل اکارنیا' (ACHARNIAN) میں اس نے دکھایا کہ حکمرانوں کی جنگ جویانہ خواہشوں کے علی الرغم ایک معمولی کسان کس طرح قیام امن کی کوشش میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس کی اس تمثیل کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس نے یہ تینوں تمثیلیں فرضی ناموں سے پیش کی تھیں۔ ۴۲۴ قم میں اس نے 'مرد میدان' (KNIGHTS) لکھا۔ اس میں بادشاہ وقت کلیون، اس کے انداز حکمرانی اور جمہوریہ پر سخت حملے کیے۔ یہ بڑی جرأت کی بات تھی۔ لیکن اہل یونان کی جمہوریت پسندی مخالف کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور صحیح بات کو مان

لینے کی آمادگی نیز ان کی فنی قدر دانی کا نتیجہ تھا کہ اس ڈرامے پر اسے ایک بار پھر اول انعام دیا گیا۔ اب اس کی فن کارانہ حیثیت مسلم ہو چکی تھی۔ آیندہ تین سال میں اس نے "بادل"، "بھڑیں" اور "امن" تین ڈرامے لکھے تو ان سے اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ وہ ۳۸۸ ق م تک برابر لکھتا رہا۔ اس نے کم وبیش ۴۰ ڈرامے لکھے جن میں سے صرف گیارہ موجود ہیں۔ ۳۸۵ ق م میں اس کا انتقال ہو گیا۔

وہ ایک فن کار ہی نہیں تھا، بلکہ اس نے واضح اور عظیم مقاصد کو سامنے رکھا اور ان کو اپنے فن میں سمو دیا۔ ان مقاصد میں سے ایک تو جنگ کی مخالفت ہی تھی۔ شجاعت وبہادری اور سورمائی کے دور میں جب کہ اس کا ملک اپنی بقا و توسیع کے لیے جنگ کر رہا تھا اور ہر فرد و بشر جنگی جنون میں مبتلا تھا، اس نے امن کا نعرہ لگایا۔ وہ جنگ کی تباہ کاری دیکھ رہا تھا۔ ماضی کی ترقیات اور تہذیب وتمدن کی تمام اقدار کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ علوم وفنون جنگ کی نذر ہو رہے تھے۔ عام زندگی کا سکون ختم ہو چکا تھا۔ اس نے اس صورت حال کے خلاف سخت آواز اٹھائی اپنے امن حامی خیالات کو بار بار ظاہر کیا۔ فنی اعتبار سے خیال کی تکرار پسندیدہ بات نہیں تھی۔ لیکن اپنے نقطۂ نظر کی تبلیغ کے لیے اس نے اس بات کی پروا نہیں کی۔ اس نے ان دانش مندوں کو بھی اپنے طنز کا ہدف بنایا جو فلسفیانہ موشگافیوں میں مصروف تھے، جو اس بات میں ماہر تھے کہ کیسے بھی غلط اور کمزور خیال کو اپنی بے باک قوت استدلال سے صحیح اور توانا ثابت کر دیں۔ گویا کج بحثی اور مغالطہ آفرینی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ ڈراما زیر نظر (بادل) میں اسی موضوع کو لیا گیا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرسٹوفنیز کا کوئی گہرا اثر اس معاشرہ پر نہیں ہو سکا۔ وہ زمانہ کی رفتار کے خلاف بند باندھنا چاہتا تھا، ہوا کے رخ پر رکاوٹ کھڑی کرنا چاہتا تھا، مگر ناکام رہا۔ اس کے فن کا اعتراف کر لیا گیا لیکن اس کے خیالات مسترد کر دیئے گئے۔

بادل میں اس نے اپنے دور کی ابھرتی ہوئی دانش مندی کو ہدف بنایا ہے۔ اس ڈرامے کے ۲۴ سال بعد (۳۹۹ ق م) سقراط پر جن الزامات میں مقدمہ چلایا گیا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اپنے استدلالی مغالطہ سے غلط کو صحیح کر دکھاتا ہے۔ یہی اس ڈرامے کا موضوع ہے۔

استریپ سیدیز ایک لالچی اور بد دیانت بوڑھا کسان ہے جو اپنے بیٹے فیدیپیڈیز کی

گھوڑ دوڑ اور ایسی ہی دوسری شوقینیوں کی بدولت مقروض ہو گیا ہے۔ لالچ، مجبوری اور بددیانتی اس کو یہ سمجھاتی ہے کہ اگر سقراط سے طرزِ استدلال سیکھ لیا جائے تو وہ اپنے تمام قرض خواہوں کو جھٹلا کر ان سے نجات پائے گا اور قرض کی مد میں کچھ بھی ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کا بیٹا ان خرافات میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس لیے وہ خود ہی تربیت حاصل کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ سقراط کے گھر جاتا ہے اور تعلیم شروع ہو جاتی ہے لیکن بڑھاپے کی موٹی عقل کچھ بھی قبول نہیں کرتی۔ ناکام لوٹتا ہے اور فیدیپدیز کو سقراط سے تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ بیٹا فن استدلال سیکھ لیتا ہے تو باپ خوش ہوتا ہے۔ لیکن جب بیٹا باپ کی مرمت کرتا ہے اور ماں کی مرمت کرنے پر بھی آمادہ ہے اور اپنے استدلال سے اپنے اس عمل کو جائز اور درست ثابت کر دیتا ہے تو استریپ سیدیز بہت برہم ہوتا ہے اور سقراط کے گھر کو آگ لگا دیتا ہے۔

لیکن سقراط نے جس عقل و دانش کی بنیاد ڈالی کیا وہ محض منطقی مغالطوں پر مبنی تھی؟ کیا وہ صرف لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتا تھا؟ افلاطون کی روایت کے مطابق[۱] مقدمہ کی سماعت کے دوران سقراط نے اس کی تردید کی۔ اس نے کہا تھا کہ میں نہ سوفسطائی ہوں، نہ فلسفی۔ میری دانش کا مدار اس علم پر ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں ایسے آدمی کی تلاش میں رہا جو مجھ سے زیادہ دانشمند ہو، لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جن لوگوں کی دانش کی شہرت تھی میں نے ان کو بھی آزمایا اور جب ان کو یہ باور کرا دیا کہ وہ عقل سے بالکل کورے ہیں تو وہ مجھ سے ناراض ہو گئے اور میری مخالفت و دشمنی پر کمر باندھ لی۔ اس تردیدی بیان میں ایرسٹوفینز کی اس تمثیل کا بھی حوالہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سقراط کے دوسرے ہم عصروں اور اہل وطن کی طرح ایرسٹوفینز نے بھی اس کو غلط سمجھا۔ وہ اس کی عقل و دانش کا صحیح ادراک نہ کر سکا اور یوں سقراطی عقل کی ایک مسخ شدہ صورت اس نے اس تمثیل میں پیش کی۔ اسے تمثیل کے بجائے خاکہ بھی کہا گیا ہے۔ اب یہ خاکہ واقعی سقراط کا ہو یا نہ ہو لیکن اس دور کے خودساختہ دانش وروں پر بھرپور طنز ہے۔

---

[۱] دیکھیے افلاطون کی APOLOGIA ۔

ملا یونانی

بادل

کردار

اسٹریپ سیدیز	بوڑھا کسان
فیدیپدیز	اس کا بیٹا
سقراط	
سقراط کے شاگرد	
پاسیا	قرض خواہ
امینیا	دوسرا قرض خواہ
کیریفون	سقراط کا چہیتا شاگرد
ملازم	
سیدھی منطق	
الٹی منطق	

[رات کا آخری حصہ استرپ سی دیز اپنے کمرے میں لیٹا ہے۔ فیدیپدیز
بستر پر سو رہا ہے۔]

استر : [انگڑائی اور جماہی لیتے ہوئے] اوہ! اونہہ! زیوس معبود! رات کتنی لمبی ہو گئی۔ ختم ہی نہیں ہونے میں آتی! کیا اب دن ہو گا ہی نہیں؟ مرغ کبھی کی بانگ دے چکے ہیں لیکن یہ لوگ ابھی تک خراٹے لے رہے ہیں۔ پہلے یہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جنگ کی لعنتوں میں سے یہ بھی ایک ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب موقع ہے۔ سزا دی نہیں جا سکتی۔ بھلا بتایئے اپنے نوکروں کو سزا بھی نہیں دے سکتے۔ میری امیدوں کا سہارا، میرا یہ بیٹا بھی تو خواب خرگوش میں ہے۔ پانچ پانچ کمبل اوڑھے مست سو رہا ہے۔ کاش میں بھی ایسی بے فکری کی نیند سو سکتا لیکن کیا کروں، ان آنکھوں میں تو نیند ہے ہی نہیں۔ ان قرضوں نے تو نیند حرام کر دی اور یہ صاحب زادے قرض بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کو اپنے بناؤ سنگار اور سیر و تفریح سے کام ہے۔ زلفیں سنواریں گے، گھوڑے پر سوار ہوں گے اور اس کو دوڑاتے پھریں گے۔ سوتے ہوئے بھی اسی کے خواب دیکھیں گے۔ میں غریب مرا جا رہا ہوں۔ چاند کی گردش ادائیگی کے دن قریب لا رہی ہے۔ سود بڑھتا جا رہا ہے۔ لڑکے او لڑکے! ذرا روشنی کرو۔ کھاتہ لے آؤ۔ میں قرضوں اور قرض خواہوں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لوں، ذرا سود جوڑ لوں۔

[لڑکا چراغ اور کھاتہ لے کر آتا ہے]

ذرا دیکھوں تو کتنا قرض ادا کرنا ہے۔ پاسیا کے بارہ پونڈ۔ ارے! بارہ پونڈ پاسیا کے۔ کاہے کے؟ اصیل گھوڑے کی خریداری۔ لعنت اس کی اصیلی پر ——

اس سے تو میرے گلے کے لیے ایک چھری خرید لی ہوتی ۔ میں اس بدروح کو خریدنے کے بجائے اپنے سر سے نکال کر اپنی یہ آنکھ دے دیتا۔

فید : [نیند میں] تم غلطی کر رہے ہو فلو! اپنے پالے میں رہو۔

استر : جی ہاں! ساری خرابی کی جڑ یہی تو ہے۔ سوتے میں بھی ان پہ گھڑ دوڑ ہی سوار ہے۔

فید : [نیند ہی میں] ایک باری میں کتنے چکر لگانے ہیں؟

استر : بس بس! تم نے اپنے باپ کو بہت چکر دے لیے ہیں [پھر پڑھتا ہے] پاسیا کے بعد کون ہے؟ گاڑی اور پہیے ___ امینیا ___ تین پونڈ!

فید : [نیند میں ہی] گھوڑے کو ذرا جھکائی دو۔ پھر دوڑا دو۔

استر : اوہ میاں! تم تو مجھے جھکائیاں دے رہے ہو اور میرے سارے پیسے کو اڑائے دے رہے ہو۔ جرمانے، قرقیاں، تاوان اور قرض خواہوں کی دھمکیاں۔

فید : [جاگتے ہوئے] کیا ہوا ابا جان؟ آپ کیوں پریشان ہیں؟ آج ساری رات آپ کروٹیں ہی بدلتے رہے۔

استر : حاکم مجھے پریشان کرتا ہے۔ اس نے میرا آرام ختم کر دیا ہے۔

فید : اوہ! مگر خدا کے لیے مجھے تو سونے دیجیے۔

استر : سو جائیے! لیکن اتنا بتاتا ہوں کہ ایک دن یہ سارے قرضے تمھارے ہی سر پڑیں گے۔ جہنم رسید ہو وہ شخص جس نے تمھاری ماں سے میری شادی کرادی کیسی خوشگوار زندگی تھی۔ گاؤں میں مزے سے رہنا، روکھا سوکھا کھا لینا، موٹا جھوٹا پہن لینا، بے فکری کے ساتھ گزر کرنا، اپنی نیند سونا، اپنی نیند جاگنا، دودھ اور شہد ___ یہاں تک کہ شادی ہو گئی۔ ایک سیدھے سادے دیہاتی کی اس میگیکلیز کی بھتیجی، مغرور، بد دماغ، فضول خرچ، شہری خاتون سے ___ شادی کے پہلے ہی دن میں تو اپنے کھیتوں کی پیداوار ___ انجیر، اون، انگور وغیرہ کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا اور وہ میرے برابر میں بیٹھی تھی ___ زعفران اور خوشبوؤں کی مہک لیے، سرخی، غازہ سے رنگی ہوئی ___ فضول خرچ اور شہوت پرست ___ میں اسے نکمی تو نہیں کہوں گا۔ وہ بڑا جی لگا کر کام کرتی

تھی ــــ مگر صرف میری تباہی کے لیے یہ چغہ دکھا کر مجھے مجبوراً اس سے کہنا پڑا تھا کہ تم محنت تو حد سے زیادہ کرتی ہو مگر ہمارے حالات کے موافق نہیں کرتیں۔

[چراغ بجھ جاتا ہے]

ملازم : چراغ کا تیل تو سارا جل گیا۔

استر : کیا تیل خور چراغ ہے! آؤ ذرا میں تمھارے کان اینٹھ دوں۔

ملازم : کس قصور پر؟

استر : تم نے ایسی حرص خور بتی تیل میں ڈال دی۔ [ملازم چلا جاتا ہے] پھر جب ہمارا یہ بیٹا پیدا ہوا تو میں اور وہ نیک بخت اس پر جھگڑنے لگے کہ اس کا نام کیا ہو۔ اس کا اصرار تھا کہ نام کا آخری ٹکڑا "پس" ضرور ہونا چاہیے جیسے "ژانتی پس" یا "چاری پس" یا پھر کالی پدیز ہو۔ لیکن میں دادا کے نام پر اس کا نام فید وندیز رکھنا چاہتا تھا۔ کیا کفایت کا نام تھا۔ کسی کی بات بھی نہ چلی۔ جھگڑا طول کھینچتا چلا گیا۔ بالآخر اس پر اتفاق ہوا کہ اس کا نام فیدیپدیز ہو۔ تب وہ اپنے اس پیارے بچے کو کھلانے لگی۔ لوریاں دیتے دیتے کہتی کہ جب تو بڑا ہوگا تو زعفرانی فرغل پہن کر اپنی رتھ کو میگیے کلیز کی طرح شہر میں لے جائے گا۔ میں کہتا "نہیں نہیں! جب میرا بیٹا بڑا ہوگا تو اپنے باپ کی طرح بالوں کی صدری پہنے گا اور فیلی کی چوٹیوں پر بکریوں کو چرائے گا"۔ لیکن وہ تو ایسی باتوں کو سنتا ہی نہیں اور میری ساری جائداد کو گھڑ دوڑ کی نذر کر رہا ہے لیکن اب ساری رات جاگ کر میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے۔ اگر میں اس کو اس پر آمادہ کر سکا تو میں صاف بچ جاؤں گا، نہیں تو ــــ لیکن ٹھیریے ــــ اب اسے جگانے کا وقت آگیا ہے۔ لیکن کیسے کیا جائے [بڑے دھیمے سے] فیدیپدیز! پیارے فیدیپدیز!

فید : کیا ہے ابا جان!

استر : مجھے پیار کرو میرے بیٹے! اور اپنا ہاتھ مجھے دے دو!

فید : [ہاتھ دیتے ہوئے] لیکن کیوں ابا جان؟

استر : تم مجھ سے پیار کرتے ہو نا بیٹا؟ بولو!

فید : ہاں ہاں! خداوند فروس کی قسم!

استر : اس کا نام مت لو! اسی نے تو مجھے تباہ کر ڈالا۔ لیکن بیٹا اگر واقعی تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اپنی فرمانبرداری سے اسے ثابت کرو۔

فید : میں کیا کروں؟

استر : اپنی موجودہ عادتیں ترک کر دو۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کرو۔

فید : آپ کیا کہتے ہیں؟

استر : مگر کروگے بھی؟

فید : ہاں ہاں! خداوند مخلوق کی قسم۔

استر : ٹھیک! تو اٹھو! ادھر آؤ ـــــ ادھر دیکھو۔ وہ دیکھ رہے ہو چھوٹا سا دروازہ ہے اور وہ چھوٹا سا مکان!

فید : جی ہاں دیکھ رہا ہوں۔ مگر اس مکان میں کیا ہے؟

استر : وہ علم ودانش کی آماجگاہ ہے۔ وہاں برگزیدہ لوگ رہتے ہیں جو دنیا کو بتاتے ہیں کہ آسمان ایک قوسی بھٹی کی طرح ہمیں احاطہ کیے ہوئے ہے اور انسان اس میں ایندھن کے مانند ہے۔ ان کو اجرت دی جائے تو وہ یہ بھی سکھاتے ہیں کہ کس طرح کسی بات کو توڑ مروڑ کر حسب منشا غلط یا صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے۔

فید : وہ کون لوگ ہیں؟

استر : سچ تو یہ ہے کہ ان کے نام تو میں بھی نہیں جانتا لیکن انھوں نے محنت شاقہ کی۔ وہ نیک نہاد، شریف اور قابل لوگ ہیں۔

فید : اوہ چھوڑیے ان کو۔ میں جانتا ہوں! آپ انھیں شیخی باز عطائی لوگوں کو کہہ رہے ہیں جو ننگے پیر، چمرخ چہرے اور بھکاریوں کی سی صورت لیے گھوما کرتے ہیں۔ وہی نا جن میں سقراط اور کریفون بھی ہیں۔ جھاڑو ماریے ان کے!

استر : خاموش! زبان کو لگام دو۔ یہ طفلانہ بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ کچھ میرا بھی خیال کرو۔ میری بات مانو۔ ان میں شامل ہو جاؤ اور یہ گھوڑے دوڑے ختم کرو۔

فید : نہیں نہیں! ہرگز نہیں! خداوند مخلوق کی قسم اگر آپ لیوگورس کے پالے ہوئے سارے عمدہ گھوڑے بھی مجھے دے دیں تو بھی نہیں۔

استر : لیکن میرے عزیز! میرے پیارے! میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم ان کے پاس جاؤ اور کچھ سیکھو۔

فید : آپ مجھے کیا سکھوانا چاہتے ہیں؟

استر : لوگ کہتے ہیں وہ منطق جانتے ہیں —— سیدھی بھی اور الٹی بھی —— اور الٹی منطق سے وہ اپنی بات کو —— خواہ وہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو —— منوا سکتے ہیں۔ اگر یہ الٹی منطق سیکھ لو تو تمھاری وجہ سے جتنے قرضے میرے اوپر ہیں، ان میں سے ایک بھی ادا نہ کرنا پڑے اور قرض خواہوں کو میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دوں۔

فید : جی نہیں! میں ایسی حماقت میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔ نہ اپنے ساتھیوں میں اپنی تضحیک کرانا چاہتا ہوں کہ ان کو دیکھوں تو منہ چھپاتا پھروں۔

استر : تو سن رکھو! میں بھی اب تمھارا اور تمھارے گھوڑوں کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے گھر سے نکل جاؤ۔

فید : بہت اچھا حضور! میرا نانا میگے کلیز دولت مند بھی ہے اور نیک خو بھی۔ وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ میں گھوڑوں کو چھوڑ دوں۔ میں تو اندر جا رہا ہوں۔ نہ میں آپ کو تکلیف دوں گا اور نہ مجھے آپ کے ارشادات سے کوئی سروکار ہے۔

[چلا جاتا ہے]

استر : اس نے تو مجھے زمین پر ہی پٹخ دیا۔ لیکن میں یہاں نہیں پڑا رہوں گا۔ میں خود ہی جاؤں گا اور خدا نے چاہا تو خود ہی یہ ہنر سیکھ ڈالوں گا۔ لیکن میں بوڑھا ہو گیا، یادداشت بھی کمزور ہو گئی۔ نہ وہ تیزی اور دراکی رہی۔ ان کی سب باریکیوں کو کیسے سیکھ پاؤں گا اور ہندی کی چندی کیسے نکالوں گا مگر شکایت سے کیا فائدہ؟ چلنا چاہیے اور کوشش تو کر لینی چاہیے۔ چلیں ذرا دستک دیں۔

[جاتا ہے۔ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے]

شاگرد : [اندر سے] تم مر جاؤ کہ کوے تمھاری بڑیاں نوچ ڈالیں۔ کمبخت! دروازہ کاہے کو اتنی زور زور سے دھڑ دھڑا رہے ہو؟ کون ہو؟

استر : میں ہوں فیدون کا بیٹا، استریپ سی ڈیز — سی سینا کا باشندہ!

شاگرد : تم کوئی بھی ہو لیکن ہو نرے احمق۔ ایسی بے دردی سے دروازہ دھڑ دھڑا رہے ہو۔ تمھیں کیا معلوم کہ تم نے ابھی ذہن میں آنے والے ایک نئے تخیل کو غارت کر دیا۔

استر : اوہ! میری نادانی کو معاف کیجیے۔ میں تو ایک دیہاتی آدمی ہوں جنگل سے چلا آرہا ہوں لیکن یہ تو بتائیے کیا خیال تھا جو گڑبڑ ہو گیا۔

شاگرد : طالبان علم کے علاوہ کسی اور سے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

استر : تو پریشان ہونے کی بات نہیں۔ میں بھی آپ لوگوں میں شامل ہونے اور سیکھنے کے لیے آیا ہوں۔

شاگرد : تو ٹھیک ہے۔ میں بتاتا ہوں۔ لیکن خیال رہے کہ یہ رموز ہیں۔ ہمارے استاد اعظم سقراط نے ابھی کریفون سے پوچھا تھا کہ پسو کی چھلانگ اس کے کتنے قدموں کے برابر ہوتی ہے۔ کیوں کہ ابھی ایک پسو نے پہلے کریفون کے ابرو پر کاٹا اور پھر کود کر استاد کے سر پر چلا گیا۔

استر : پھر کیسے ناپا گیا؟

شاگرد : بہت آسان طریقہ ہے۔ اس نے موم پگھلایا۔ کیڑے کو پکڑا اور اس میں غوطہ دے دیا۔ جب موم جم گیا تو اس کے پیروں کے نشان اس میں بن گئے۔ اس کو نکال لیا گیا۔ ان نشانات کی مدد سے ٹھیک ٹھیک فاصلہ ناپ لیا گیا۔

استر : واہ بھئی واہ! کیا باریکی پیدا کی ہے!

شاگرد : لیکن سقراط کے اس سے بھی زیادہ نازک خیال کے بارے میں کیا کہو گے؟

استر : وہ کیا ہے؟ بتائیے تو سہی!

شاگرد : سقراط سے پوچھا گیا تھا کہ جب مچھر بھنبھناتا ہے تو آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے یا دم سے؟

استر : واہ خوب! انھوں نے کیا ارشاد فرمایا؟

شاگرد : انھوں نے فرمایا کہ مچھر کی آنتوں کی نالی پتلی ہوتی ہے۔ اس تنگ نالی سے ہوا پیچھے کی طرف جاتی ہے اور جب اس تنگ نالی یا مچھر کے مقعد سے ہوا خارج ہوتی ہے تو اس سے بھنبھناہٹ پیدا ہوتی ہے۔

استر : واہ واہ! تو مچھر اپنی دم کو بگل کی طرح استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کی مقعد کا تجزیہ کیا ہے! وہ شخص جو مچھر کی آنتوں تک کا حال جانتا ہے، ہر مخالف کو مات دے سکتا ہے۔

شاگرد : لیکن کل تو ایک اہم خیال کو ایک چھپکلی نے تباہ کر دیا۔

استر : کیسے ؟

شاگرد : رات کو استاد چاند کی گردش اور اس کے ادوار کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ وہ اوپر کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ چھت میں سے ایک چھپکلی نے ان پر بیٹ کر دی۔

استر : چھپکلی نے سقراط پر! لطیفہ ہے یہ بھی! مگر اب دہلیز پر ہی کیوں کھڑے رہیں۔ دروازہ کھولو۔ سقراط سے مجھے بھی ملواؤ۔ میں ان کا شاگرد ہونا چاہتا ہوں۔ کھولو، بھئی کھولو۔

[دروازہ کھلتا ہے۔ سقراط کے شاگرد مختلف حالتوں میں نظر آتے ہیں استریپ سی دیر حیران ہو کر ایک دو قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔]

باپ رے باپ! یہ کون ہیں؟ یہ کیسے کیسے جانور نظر آ رہے ہیں؟

شاگرد : پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ یہ تمھیں کیسے نظر آ رہے ہیں؟

استر : یہ تو کچھ اسپارٹا کے قیدی سے نظر آ رہے ہیں، جنھیں پائلوس میں گرفتار کیا گیا ہو۔ لیکن یہ کس چیز کی تلاش میں ہیں؟ زمین پر آنکھیں گاڑ رکھی ہیں۔

شاگرد : زمین کے پرتوں کی کھوج میں ہیں۔

استر : کیا پیاز کی تلاش ہے؟ میاں چھوڑو۔ یہاں تلاش بے کار ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بڑی عمدہ اور نرم کہاں ملتی ہے۔ لیکن کمر دوہری کیے سر جھکائے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

شاگرد : بے تہ کے گڑھے کے نیچے کی گہرائی ناپ رہے ہیں۔

استر : لیکن ہر ایک کی سرین آسمان کو تک رہی ہے۔

شاگرد : تاکہ ان کو ستارہ بینی کی مشق ہو جائے ۔ یہ نجوم سیکھ رہے ہیں ۔ مگر اب بس!
[اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے جو اجنبی شخص کو دیکھ کر جمع ہو گئے تھے] ساتھیو! اب اندر چلو ۔ استاد آئیں اور ہمیں دیکھ لیں تو ۔۔۔۔ ؟

اسٹر : ٹھیریے! ذرا ٹھیریے! ذرا اپنے ایک کام میں مجھے ان سے مشورہ لینے دیجیے ۔

شاگرد : نہیں نہیں! وہ اس طرح اپنا بہت وقت ضایع نہیں کر سکتے ۔

اسٹر : [آلات کو دیکھتے ہوئے] خدارا یہ تو بتاؤ یہ کیا ہے ؟

شاگرد : یہ آلات نجوم ہیں ۔

اسٹر : اور یہ ؟

شاگرد : آلات اقلیدس ۔

اسٹر : یہ کس کام آتے ہیں ؟

شاگر : زمین کی پیمائش کے لیے ۔

اسٹر : چھوٹے چھوٹے خطوں کی ۔

شاگرد : نہیں جناب! یقین کیجیے پوری دنیا کی ۔

اسٹر : بجا فرمایا ۔ خوب ترکیب ہے ۔ مفید اور آسان اور عام استعمال کی ۔

شاگرد : تم دیکھ رہے ہو یہ پوری دنیا ہے ۔ یہ خط اس کا محیط ہے ۔ یہاں ایتھنز ہے ۔

اسٹر : ایتھنز ؟ مجھے تو یقین نہیں آتا ؟ عدالت تو مجھے نظر نہیں آ رہی ہے ۔

شاگرد : نہیں سچ! یہ خطہ اٹیکا ہے ۔

اسٹر : اور میرا وطن سی سینا کہاں ہے ؟

شاگرد : یہ یہاں ہے ۔ اور یہ دیکھ رہے ہو یہ یوبیا ہے ، اتنی دور تک چلا گیا ہے ۔

اسٹر : اوہ! کتنی دور تک چلا گیا ہے ، مگر ہاں پیرے کلیز نے اس کو اتنی دور تک پھیلا دیا ، اسپارٹا کہاں ہے ؟

شاگرد : یہ یہاں ہے ، ایتھنز کے نزدیک ۔

اسٹر : مگر یہ تو بہت نزدیک ہے ۔ اس بڑے پڑوسی کو ہم سے دور کر دو ۔

شاگرد : اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ کچھ بھی نہیں ۔

اسٹر : افسوس! [اوپر دیکھتے ہوئے] یہ ٹوکری میں کوئی لٹکا ہوا ہے ؟

شاگرد : ہمارے آقا یہی تو ہیں۔
استر : یہ ؟ کون آقا ؟
شاگرد : سقراط
استر : اچھا سقراط ؟ [شاگرد سے] آؤ تو سہی۔ ذرا ان کو پکارو کہ نیچے آئیں۔ زور سے پکارو۔
شاگرد : نہیں نہیں ! یہ تم خود کرو۔ مجھے اور بہت کام ہیں۔
[چلا جاتا ہے]
استر : سقراط ! او سقراط !
سقراط : او فانی مخلوق ! ایک روزہ کیڑے، مجھے کیوں پکار رہے ہو؟
استر : میں جاننا چاہتا تھا تم کیا کر رہے ہو۔
سقراط : میں ہوا میں تیر رہا ہوں اور سورج کے بارے میں غور و خوض کر رہا ہوں۔
استر : تبھی تو میں دیکھتا ہوں کہ اتنی بلندی پر ٹوکری میں جھول رہے ہو تاکہ وہاں سے دیوتاؤں کی بھی تذلیل کرو۔ ایسا ہی ضرور ہے تو زمین پر سے کیوں نہیں ؟
سقراط : اجرام فلکی کی کیفیت مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ میں اپنے ذہن کے ترفع کے ساتھ لطیف و نفیس خوشبو اور پاک و صاف فضا میں گم نہ ہو گیا ہوتا۔ اگر میں بلندیوں کی چیزوں کو زمین کی پستیوں سے مطالعہ کرتا تو میری ساری محنت ہی اکارت جاتی۔ یہ کثیف و خشک زمین ہمارے خیال کی شادابی اور تر و تازگی کو جذب کر کے اس کی فلسفیانہ توانائی کو ختم کر دیتی ہے۔ اس کے مغز کو کھا جاتی ہے اور محض بھوک باقی رہ جاتی ہے۔
استر : کیا کہا ؟ فلسفہ نے آپ کی توانائی کو جذب کر لیا ہے ؟ میرے محترم سقراط اب ذرا نیچے آئیے اور مجھے وہ عمدہ باتیں سکھائیے جن کی تلاش میں میں یہاں آیا ہوں۔
سقراط : [ٹوکری میں نیچے اترتے ہوئے] کون سی باتیں ؟
استر : گفتگو کا فن ! سود، قرض خواہ، رقعے، قرقیاں سب کی سب بے رحم ہیں اور میں تباہ ہوا جا رہا ہوں اور میرا حال تباہ و برباد ہوا جا رہا ہے۔
سقراط : لیکن قرض میں تم اس طرح کیوں ملوث ہو گئے ؟

استر : گھوڑوں کے روگ میں پھنس گیا۔ تم مجھے اپنے شاگردوں میں شامل کرلو اور مجھے دونوں منطق سکھادو۔ جن میں سے ایک کے ذریعہ میں اپنے قرض خواہوں کو چکمہ دے دوں۔ اور آپ کا معاوضہ کیا ہوگا یہ بھی بتادیجئے۔ میں دیوتاؤں کی قسم کھاکر کہتا ہوں آپ کی ایک ایک پائی اداکردوں گا۔

سقراط : دیوتاؤں کی بات کر رہے ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ یہ دیوتا کون ہیں؟ تمھارے دیوتا میرے دیوتا نہیں ہیں۔

استر : پھر آپ کس کی قسم کھاتے ہیں؟ کیا بازنطینیوں کی طرح لوہے کے سکے کی؟

سقراط : کیا تم واقعی چاہتے ہو کہ افلاک کی باتوں کا صحیح اور حقیقی علم حاصل کرو؟

استر : ہاں ہاں ضرور! لیکن اگر وہ افلاکی ہیں اور میرا مقصد بھی پورا کرتی ہیں۔

سقراط : اگر میں تمھیں اپنے معبود مقدس بادلوں سے ملادوں تو؟

استر : ہاں ضرور!

سقراط : تو آؤ! بیٹھو۔ اس تخت پر آرام کرو۔

استر : بہت اچھا!

سقراط : لو یہ گجرا لو اور پہن لو۔

استر : یہ گجرا کیسا ہے؟ کیا تم مجھے اتاماس بناکر میری قربانی کرنا چاہتے ہو؟

سقراط : گھبراؤ نہیں! یہ تو شاگرد بننے کی لازمی رسم ہے۔

استر : اس سے مجھے کیا حاصل؟

سقراط : [استریپ سی ڈیز کے سر پر پتھروں کی ایک ٹوکری الٹ دی جاتی ہے] اس سے تمھاری صلاحیتیں میدہ کی طرح باریک ہوجائیں گی۔ تم ایک مہذب فریبی اور پکے کٹ حجت بن جاؤگے۔ ذرا صبر کرو۔

استر : بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ تم اپنی بات سچ کر دکھاؤگے۔ تم مجھے یوں ہی پیستے رہو گے تو میں غبار بن کر رہ جاؤں گا۔

سقراط : [بڑی رمزیہ اور سحر آفریں آواز میں] اب خاموش رہو۔ سنجیدگی اور سکون کے ساتھ میری مناجات سنو۔ اے ہوا اور ہوا کی لامحدود فضا جس کے سینہ پر کرۂ ارض قائم ہے! اے مقدس بادلو! برق و رعد کے آقاؤ! اپنے اس بندے پر آسمانوں

سے نظر ڈالو، اس کی التجاؤں کو سن لو اور اس کی روح کو سکون بخشو!

استر: نہیں نہیں! ابھی ذرا ٹھہرو! میں بھیگ جاؤں گا۔ ذرا مجھے کپڑوں کو لپیٹ لینے دو۔ ہائے رے قسمت! میں گھر سے چھاتا ساتھ نہیں لایا کہ اس طرح شرابور ہونے سے بچ جاتا۔

سقراط: اے معبود بادلو! چلو اس پر اپنی رعنائیاں ظاہر کر دو ــــ اس وقت کی بھی جب تم مقدس اولمپس کی برف پوش چوٹیوں پر چمکتے ہو اور اس وقت کی بھی جب تم سمندروں کے اوپر رقص کرتے ہو اور تمھارے رقص کے ساتھ اپسرائیں اتر آتی ہیں۔ یا جب تم رود نیل پر اپنے سنہرے طشت الٹ دیتے ہو یا جب تم میماس کی برفیلی چوٹیوں پر خرام کرتے ہو یا میوتس جھیل کے اوپر سے گزرتے ہو۔ میری اس دعا کو سن لو اور آؤ!

[پس منظر میں بادلوں کا کورس۔ بجلی کی کڑک۔ فضا میں ایک بڑا سا بادل جس سے نغمہ زائی ہو رہی ہو]

طائفہ: اے پر آب بادلو! اے فرزندان بحر! آسمانوں کی بلندیوں پر چڑھ جاؤ۔ فراز کوہ پر پہنچ جاؤ اور وہاں سے اپنے نرم سینے سے بوچھار کرو ــــ وسیع منظر سامنے ہے ــــ شاداب درختوں کے کنج، مرغزار، سرسبز باغات، ابلتے ہوئے چشمے، غضبناک طوفانوں والے سمندر ــــ غرض کہ ساری فطرت نظر کے سامنے ہے۔ وہ تاریکی کا طوفان بچھڑ کر آ رہا ہے لیکن ادھر سے دن کی تابناکی جھپٹ کر آگئی اور اپنا نور پھیلا رہی ہے۔ آؤ! اور اس کیف افزا منظر کو دیکھو اور ان پُرمسرت لمحوں میں سے اپنا حصہ لے لو۔

سقراط: یہ بین طور پر نظر آ رہا ہے کہ عظمت کے حامل بادلوں نے جن کی ہم پرستش کرتے ہیں ہماری التجا کو سن لیا ہے۔ [استریپسیادیز سے] تم نے سنا؛ ان کے خرام کے ساتھ نغمہ باری ہو رہی ہے۔ ان کی گرج اور کڑک کس قدر پر رعب ہے۔

استر: [بے انتہا دہشت زدہ ہو کر سراسیمگی میں احمقانہ حرکتیں کر رہا ہے] مجھے بخشو! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ اس گرج سے تو میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میں توبے

حال ہوا جارہا ہوں۔

سقراط : ٹھیرو! ذرا صبر کرو۔ دل کو مضبوط رکھو۔ احمق نہ بنو۔ ان آسمانی آوازوں کو سنو۔ ان کے نغمہ کی آواز کیسی نشاط انگیز ہے۔

طائفہ : [بادل اور قریب آجاتے ہیں] اے بارش کے حامل بادلو! اٹھو اور خورشید عالم تاب تک پہنچ جاؤ اور معبدوں کی ان دیواروں تک بھی جن پر اسرار و رموز کے سایے چھائے رہتے ہیں اور دیوتاؤں کے ان مہبطوں پر بھی جن پر نذر و نیاز کے انبار رہتے ہیں اور ان عبادت گاہوں پر بھی جن پر سال بھر چڑھاوے چڑھاکرتے ہیں اور قربانیاں دی جاتی ہیں اور جب بہار کا موسم آتا ہے تو بر و میس جذبات کو اشتعالک کر دیتا ہے اور رقص و نغمہ سے فضا گونج اٹھتی ہے۔

استر : خدا کے لیے سقراط یہ تو بتائیے کہ یہ کون ہیں اور یہ کس نوع کی مخلوق ہے جو ایسے شاندار و دلکش طریقہ پر نغمہ سرا ہے؟

سقراط : اونہہ احمق! یہ مخلوق نہیں! یہ تو آسمانی بادل ہیں ــــ کاہل انسانوں کے لیے مہربان اور عظیم طاقت ــــ انھیں سے تو ہمیں دانش، فہم و فراست، بحث و مجادلہ کی صلاحیت، لفاظی، عیاری، نیز دوسروں کی بات کو رد کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے۔

استر : اخاہ! اسی سے تو ان کی ہر آواز پر میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اب تو میں بھی رد و قدح کرنا، الفاظ کے گورکھ دھندے بنانا، بال کی کھال نکالنا اور کسی کی بات کی تردید کرنے کا فن سیکھ جاؤں گا۔ لیکن اب تو ان کی زیارت کا شوق ضبط نہیں ہو رہا ہے۔ اب جو ہو سو ہو، مجھے ان کی زیارت کرائیے۔

سقراط : دیکھو! پارنس کی بلندی پر وہ نظر آرہے ہیں۔ ادھر دیکھو وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر ہوا سے بغل گیر ہو رہے ہیں۔ میں تو ان کو صاف طور پر دیکھ رہا ہوں۔

استر : کدھر؟ ذرا مجھے بھی تو دکھائیے۔

سقراط : جنگل اور وادیوں میں ان کا خرام جاری ہے۔

استر : میں نہیں دیکھ پا رہا ہوں سقراط۔ میری آنکھوں کو کیا ہوا؟ آپ کدھر بتا رہے ہیں؟

سقراط : دیکھو ! ادھر دیکھو ! بالکل دروازے پر !

استر : یقین نہیں آرہا ہے کہ میں ان کو صاف طور پر دیکھ پا رہا ہوں ۔ کچھ دھندسی معلوم ہو رہی ہے ۔

[بادلوں کے کورس کا داخلہ]

سقراط : تم بھی نرے اندھے ہی ہو ۔

استر : نہیں نہیں ! اب تو ان کو دیکھنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ۔ یہ تو اب سارے صحن میں بھر گئے ہیں ۔

سقراط : کیا تم بالکل اندھے ہی تھے کہ ان کی الوہیت کو اس سے پہلے نہ پہچان سکے ؟

استر : خدا مجھے معاف کرے ۔ اس سے پہلے تو میرا خیال تھا کہ وہ محض کہرا، بھاپ، نمی، دھند اور ابخرات ہوتے ہیں ۔

سقراط : ارے جاہل نہیں ! انھیں کے فضل و کرم سے تو مکار غیب داں، عطائی طبیب، رمال اور نجومی، فریب کار منتقی، چالاک اور لسان لوگ استمداد کرتے اور پنپتے ہیں اور انھیں کے گن گاتے ہیں ۔

استر : اہا ! اب انکشاف ہوا کہ ان کے نغمے کیوں اتنے پر رعب اثرات سے مملو ہوتے ہیں ۔ وہ بادل جو سورج کے انعکاس سے متنوع رنگ بکھیرنا شروع کر دیتے ہیں، جو ایسے بلاخیز طوفانوں کا سبب بنتے ہیں کہ کانوں کے پردے جھنجھنا اٹھیں اور پھر آسمانوں میں نرم رفتاری کے ساتھ خرام کرتے ہیں، ابخرات کے ساتھ جن سے کھیتوں کی شبنم وجود پذیر ہوتی ہے اور کبھی گرج اور کڑک کے ساتھ ـــــ انھیں سے سب عیار لوگ اپنے خیالات میں متمتع ہوتے رہتے ہیں ۔

سقراط : بالکل ٹھیک ! اب اس سے کیسے انکار ہو سکتا ہے ؟ مگر اور بھی تو کچھ ہے ؟

استر : لیکن یہ بادل کی دیویاں، اگر یہ سچ مچ بادل ہی ہیں، نسوانی اجسام میں کیسے تبدیل ہو گئیں ؟ جہاں تک مجھے معلوم ہے، بادل تو ایسے نہیں ہوتے ۔

سقراط : وہ تمھیں کیسے نظر آتے ہیں ؟

استر : کچھ ٹھیک نہیں کہہ سکتا ۔ اب تو ان کی شکل یقیناً عورتوں کی نہیں رہی ۔ اب تو نیلے نیلے آسمان پر روئی کے گالے سے نظر آرہے ہیں ۔ لیکن ان کی تو بہت بڑی بڑی

ناگیں بھی ہیں۔

سقراط : میں تم سے کچھ اور پوچھتا ہوں۔ ٹھیک ٹھیک جواب دو۔

استر : ہاں ضرور! جو چاہے پوچھیے۔

سقراط : آسمان پر تم نے بادلوں کو کبھی قنطورس، شیر، بھیڑیے یا بیل کی شکل میں دیکھا ہے؟

استر : اگر دیکھا بھی ہو تو کیا؟

سقراط : اس کا مطلب یہ ہے کہ بادل جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ کسی شخص کو دیکھیں بال بڑھے ہوئے، میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے، وحشیوں کی صورت بنائے ہوئے تو وہ قنطورس کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اس کے لاتیں مارتے ہیں۔

استر : خوب! لیکن اگر وہ اس خائن، چور ساٸمن کو دیکھیں تو کیا کریں گے؟

سقراط : اس کی خیانت گری کی نقل میں وہ شکاری بھیڑیے کی شکل اختیار کریں گے۔

استر : اچھا اچھا! اسی لیے شاید اس بھگوڑے کلونمس کی نقل میں انھوں نے کل ہرن کی شکل بنالی تھی۔

سقراط : اور اب کلے ستھنیز کی ہوس رانی کا مذاق اڑانے کے لیے انھوں نے دوشیزاؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

استر : خوش آمدید خواتین! عالی مرتبہ خواتین خوش آمدید! تمھاری کیسی عنایت ہے کہ تم نے فانی انسان کو نوازا! انسان تمھارے پرکیف نغمہ کو سننے کا کیسا متمنی رہتا ہے۔ آؤ اور اپنے آسمانی نغمے سے مجھے سرشار کر دو۔

سردار طائفہ : مرحبا صاحبو! عمر کے اس سن و سال اور اس سفید ریشی کے عالم میں فکر و فن کے متلاشیو! [سقراط سے] اے عقل کے دیوتا اور موشگافی کے ماہر! تمھارا دل کس چیز کا متلاشی ہے؟ اپنی خواہش ظاہر کرو! ہمارے لیے تو دو ہی ہستیاں قابل احترام ہیں —— ایک پرودی کس جو اپنی ذکاوت طبع اور علم کے باعث قابل احترام ہے اور ایک تم جو اپنے مفتخر طرز عمل، شاہانہ خرام، بلند نظری، برہنہ پائی اور ہماری رہنمائی پر پختہ یقینی کے سبب مستحق عزت ہو۔

استر : اے مادر گیتی! یہ کیسی پرجلال، عجیب و غریب، آسمانی آواز ہے۔

سقراط : کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ حقیقی دیوتا یہی ہیں اور باقی سب حماقت ہیں؟

استر : لیکن کیا تم جیوپیٹر دیوتا کے بھی منکر ہو؟

سقراط : جیوپیٹر! وہ تو محض ایک واہمہ ہے۔ اس پر لعنت بھیجو۔

استر : آپ کیسی بات کہتے ہیں؟ ذرا یہ تو بتائیے کہ بارش کون برساتا ہے؟ ذرا آپ کا استدلال ہم بھی تو سنیں۔

سقراط : بادل اور کون! یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ اگر جیوپیٹر بارش برساتا ہے تو وہ ذرا بادلوں کی مدد کے بغیر صاف آسمان سے دھوپ میں بارش کر کے دکھائے۔

استر : ٹھیک! بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ غضب ہوگیا۔ میں تو ابھی تک یہی سمجھا تھا کہ جب جیوپیٹر دیوتا کی رضا ہوئی اس نے چھلنی میں سے پانی زمین پر برسادیا۔ لیکن ذرا یہ بھی تو بتائیے یہ گرج کہاں سے ہوتی ہے۔

سقراط : انھیں سے! بادل جب لڑھکتے ہیں تو گرج ہوتی ہے۔

استر : لیکن کیسے اے کافر بے باک؟

سقراط : جب وہ ابخرات سے بھر کر اور بوجھل ہو کر آسمان میں خرام کرتے ہیں تو ایک دوسرے سے ٹکراتے اور پھٹ جاتے ہیں۔ یہی گرج کا سبب بنتا ہے۔

استر : لیکن ان کو اس طرح ہنکاتا کون ہے؟ وہ جیوپیٹر ہی تو ہے!

سقراط : جی نہیں! جیوپیٹر کچھ نہیں کرتا۔ ایتھری گردش کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔

استر : یہ کیا چیز ہے؟ میں نے تو کبھی نہیں سنا تھا کہ جیوپیٹر کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ اب اس گردش کی حکمرانی ہے لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس گرج کا شور اور کڑک کیسے ہوتی ہے۔

سقراط : کیا تمھاری سمجھ میں نہیں آیا؟ میں نے بتایا تھا کہ ابخرات سے بوجھل ہو کر بادل ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور اپنی گرج سے روئے زمین کو تھرا دیتے ہیں۔

استر : لیکن مجھے تو یقین نہیں آتا۔ ذرا اپنی بات کو ثابت تو کیجیے۔

سقراط : اچھا! میں ابھی بتاتا ہوں۔ یہ تو تھیں اپنے تجربہ سے بھی معلوم ہوگا کہ جب دعوت کھا کر پیٹ خوب بھر جاتا ہے تو گڑگڑاہٹ ہونے لگتی ہے اور پھر آوازیں نکلتی ہیں۔

استر : اپولو کی قسم! یہ تو ہے۔ کھانے کے بعد گڑگڑاہٹ تو ہونے لگتی ہے اور یہ لقمہ دو لقمہ کھانا ہی گھن گرج پیدا کر دیتا ہے۔ پہلے تو محض پڑپڑ ہوتی ہے پھر پٹرٹر پڑ پڑ اور پھر بھڑ بھڑ۔

سقراط: اب ذرا سوچو اگر تمھارا اتنا ذرا سا پیٹ اتنی زور کی آوازیں پیدا کر سکتا ہے تو اوپر کی لامحدود فضا میں جب بادل گرج سے پھٹ جاتے ہیں تو کیسی آواز ہو سکتی ہے۔

استر: اچھا اسے تو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ بجلی کیا ہے؟ اس کی چکا چوند کر دینے والی روشنی اور اس کی جلا کر خاکستر کر دینے والی قوت کہاں سے آتی ہے۔ یقیناً یہ تو خداوند باراں کی طرف سے ہی دروغ گوئی کرنے والوں پر نازل ہوتی ہے۔

سقراط: ارے احمق گدھے! تم تو لکیر کے فقیر ہو۔ دقیانوسیت کے شکار۔ اگر تمھارا خیال ہے کہ جیوپیٹر انسان کے قسم کھانے کا اثر لیتا ہے تو تھیورس کیوں آزاد رہا؟ کلیونس کیوں باقی رہا؟ سائمن کا وجود کیوں برقرار رہا؟ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی معبد کی چوٹیوں پر بجلی گراتا ہے یا اس بے زبان تاڑ کے درخت پر جس نے نہ کوئی بدعقیدگی کی نہ کوئی بدعہدی! ایسا کیوں؟

استر: میرے پاس تو اس کا کوئی جواب نہیں۔ آپ کی باتیں تو لاجواب ہیں لیکن پھر آخر اس بجلی کی حقیقت کیا ہے؟

سقراط: جب خشک ہوا زمین سے آسمان کی طرف جاتی ہے تو بادلوں میں بھر کر ان کو غبارے کی طرح پھلا دیتی ہے۔ جب وہ پھیل کر بڑھتے ہیں تو پھٹ جاتے ہیں۔ ان سے جو ہوا تیزی سے خارج ہوتی ہے وہ رگڑ کھا کر جل اٹھتی ہے۔

استر: ٹھیک! مجھے بھی یاد ہے کہ جیوپیٹر کے میلہ میں یہی عمل ہوا۔ خاندان کے سب لوگ ساتھ تھے۔ میں نے ایک پیٹے کو سینکنا شروع کیا۔ اس میں شگاف کرنا بھول گیا تھا۔ گرم ہوا تو پھولنا شروع ہو گیا اور پھر جو پھٹا تو میری آنکھوں اور سارے چہرے کو گندہ کر دیا۔

سردار: اے خوش نصیب بوڑھے! تم کہ اعلیٰ درجے کی عقل حاصل کرنا چاہتے ہو، سارے ایتھنا میں بلکہ یونان بھر میں لوگ تم پر رشک کرنے لگیں گے، بشرطیکہ تم جو کچھ سنو اسے سمجھ سکو اور یاد رکھ سکو اور اس راہ میں جو دشواریاں ہیں، ان کو جھیل سکو۔ بھوک اور موسم کی سختیوں کو برداشت کر سکو اور اس بات کو سوچنا ترک کر دو کہ کھانے پینے کو کہاں سے ملے گا اور فراغت و آرام سے وقت کیسے گزرے گا۔ اس کے بجائے

ساری توجہ اس پر صرف کر سکو کہ آدمی آدمی کیسے بنتا ہے اور اپنے دماغ، زبان اور دیگر تمام صلاحیتوں سے کام لے کر عمدگی کے ساتھ زندگی کے تمام مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوا جائے؟

استر : یقیناً میں اس سب کے لیے آمادہ ہوں۔ اگر تم ایسا شخص چاہتے ہو جو انتہائی ہٹ دھرم ہو، فکرمندی نے اس کی نیند حرام کر دی ہو، جو شکم سیری کے لیے نہایت کفایت شعاری سے گھاس پھوس پر گزارہ کر لیتا ہو تو وہ میں ہوں۔ تم مجھے نہائی کی طرح سخت پاؤ گے۔

سردار : کیا تم اپنے عقیدہ میں ترمیم کر لو گے؟ ہماری طرح اس بات کا یقین کرو گے کہ دیوتا صرف تین ہیں ــــ خلائے بسیط، بادل اور زبان؟ ان کے علاوہ باقی سب کو ترک کر دو گے؟

استر : اس لمحہ کے بعد میں کسی اور دیوتا کا خیال بھی دل میں نہیں لاؤں گا۔ نہ ان پر چڑھاوا چڑھاؤں گا۔ نہ لوبان جلاؤں گا۔ حتیٰ کہ اگر آمنا سامنا بھی ہوا تو معمولی تعظیم بھی نہیں بجا لاؤں گا۔

سردار : پھر تمھاری ہر مراد پوری کی جائے گی۔ اگر تم ہماری عظمت کا اعتراف کرتے ہو اور ہمیں عزیز رکھتے ہو تو تمھاری خواہش پوری ہوگی۔ تمھاری عقل کو تیز کر دیا جائے گا اور دولت مندی کا فن تم سیکھ جاؤ گے۔

استر : اے دیویو! میں کوئی بہت بڑی بات نہیں چاہتا۔ صرف اتنی سی عنایت چاہتا ہوں کہ مجھے ایسی قوت گویائی حاصل ہو جائے کہ یونان میں ہر شخص مجھ سے مات کھا جائے اور فرسنگوں دور بھاگ جائے۔

سردار : کیا بس اتنی ہی سی بات ہے۔ جو کچھ تم چاہتے ہو تمھیں سکھا دیا جائے گا تمھیں گویائی کی ایسی قوت عطا کر دی جائے گی کہ پورے ایتھنا میں تمھارے مقابلہ کا کوئی خطیب نہیں ہوگا۔

استر : نہیں نہیں! میرا مدعا یہ نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ میں اپنے قرض خواہوں سے بچ سکوں۔

سردار : یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔ تمھیں یہ قوت بھی عطا کی گئی۔ ہمت سے کام لو اور اپنے

معلموں کے احکام بجالاؤ۔

استر : میں تابعدار ہوں۔ جیسا آپ کا حکم ہوگا بجالاؤں گا۔ میری تو حالت خراب ہے۔ ضروریات جان لیوا ہیں۔ کورنتھ کے گھوڑے اور میری شادی عذاب جان بن گئی۔ اب وہ جو کر توت چاہیں کرتے رہیں۔ مجھے جسمانی ایذائیں پہنچاتے رہیں۔ سردی، گرمی، بھوک اور پیاس کی شدت میں مبتلا رکھیں، خواہ میری چمڑی بھی ادھیڑ دیں اگر مجھے قرض ادا نہ کرنا پڑے تو میں ان میں سے کسی کی بات کی پروا نہیں کرتا کہ دنیا کیا کہے گی۔ اگر لوگ مجھے بے حیا، چرب زبان اور باتونی، مکار اور دھوکے باز، دروغ گو اور بدعہد، چالباز اور قانون شکن، بوڑھی لومڑی اور مردار کتا بھی کہیں تو مجھے غم نہیں۔ میں اپنے معلموں کی تابعداری سے سرمو انحراف نہیں کروں گا۔ اگر وہ میرے بدن کی چٹنی بھی بنا ڈالیں تو مجھے تامل نہیں ہوگا۔

سردار : یہ شخص تو بہت جرأت مندانہ جذبات رکھتا ہے۔ آؤ اور دیکھو کہ ہماری اس تعلیم سے تم شہرت وعظمت کی کیسی بلندیوں پر پہنچ جاؤ گے۔

استر : ذرا مجھے بھی تو بتائیے کہ میری قسمت میں کیا ہے؟

سردار : ہماری سرپرستی میں تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہو گے۔

استر : کیا واقعی؟ یہ خوش قسمتی کے دن کب نصیب ہوں گے؟

سردار : تمھارے دروازے پر انبوہ کثیر، جم غفیر تمھارے برآمد ہونے، تمھارے الفاظ سننے اور تم سے مشورہ لینے کا منتظر ہوگا۔ اور اس کا معاوضہ تمھیں ہزاروں میں ملے گا۔ [سقراط سے] تم اس بوڑھے کو سنبھالو اور کام شروع کرو۔ اسے درس دو اور ذرا دیکھو کہ ذہانت واستدلال کی اس میں کتنی صلاحیت ہے۔

سقراط : ہاں تو ذرا اپنے اصول وعقائد کے بارے میں بتاؤ۔ یہ معلوم ہو جائیں تو پھر تمھاری استعداد کے مطابق ہی آلات واسلحہ استعمال کیے جائیں

استر : آلات واسلحہ؟ باپ رے! کیا میرے اوپر قدغن لگانے کا ارادہ ہے؟

سقراط : نہیں نہیں! کچھ تھوڑی سی تفصیل جاننا چاہتا تھا، تمھاری یادداشت کیسی ہے؟

استر : میری یادداشت دو قسم کی ہے —— اچھی اور خراب! جو میرے مقروض ہیں ان کے بارے میں یہ کبھی مجھے مایوس نہیں کرتی۔ لیکن میرے قرض خواہ ضرور اس کی

شکایت کرتے ہیں۔ خاص طور پر شمار میں غلطی کرنے کی۔

سقراط : ذرا یہ بھی بتاؤ کہ کیا قدرت نے تمھیں گویائی کا ملکہ عطا کیا ہے ؟

استر : گویائی کا تو کچھ نہیں، لیکن دھوکہ دہی کا میلان خاصا ہے۔

سقراط : اگر یہی بات ہے تو تم کیسے سیکھ سکتے ہو ؟

استر : آپ اس کا غم نہ کریں یہ میں دیکھ لوں گا۔

سقراط : اچھا! تیار ہو جاؤ۔ اگر میں کچھ پر اسرار باتیں کہوں تو تم جھجکنا مت۔ بلکہ ...

استر : میں سمجھ گیا! آپ چاہتے ہیں کہ عقل کو میں ایک بھوکے کتے کی طرح جھپٹ کر دبوچ لوں ؟

سقراط : ارجاہل! جنگلی گدھے! میرا خیال ہے تم سٹھیا گئے ہو اور تمھیں کوڑے مار مار کر ہی سیدھا کرنا اور سکھانا پڑے گا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کوئی تمھیں مارنے لگے تو تم کیا کرتے ہو ؟

استر : پہلے میں پٹتا رہتا ہوں۔ ذرا انتظار کرتا ہوں۔ کچھ گواہ بنا لیتا ہوں۔ پھر عدالت میں ہرجانہ کے لیے مقدمہ دائر کر دیتا ہوں۔

سقراط : اچھا تو اپنا چوغہ اتار دو اور تیار ہو جاؤ۔

استر : کس بات کے لیے ؟ کیا مجھ سے کوئی قصور ہوا ؟

سقراط : نہیں قصور نہیں، لیکن یہاں دستور یہ ہے کہ سب برہنہ داخل ہوتے ہیں۔

استر : لیکن برہنہ کیوں ؟ میں یہاں گم شدہ چیزوں کی تلاشی لینے تو نہیں آیا۔ نہ میں یہاں سے کچھ لے کر جاؤں گا۔

سقراط : کوئی بات نہیں۔ بس اب جیسا کہا جا رہا ہے کرو اور کپڑے اتار دو۔

استر : اچھا اگر میں نے ایسا ہی کیا تو میں تمھارے کون سے شاگرد کے مانند ہو جاؤں گا ؟

سقراط : تم دوسرے کیریفون کہلاؤ گے۔

استر : لیکن یہ تو ایک زندہ لاش کا نام ہو گا۔

سقراط : بکواس بند کرو۔ میرے پیچھے اندر آ جاؤ۔ اب وقت ضائع مت کرو۔

استر : لیکن پہلے مجھے شہد اور روٹی تو دے دیجیے، کبھی دیووں سے واسطہ پڑے۔ میں تو دہشت سے لرز رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ٹرافونیس کے غار کا دہانہ

کھل گیا ہے اور میں اس میں اترا جا رہا ہوں۔

سقراط: کیا تکلیف ہے؟ چلو اب دروازہ پر ہی مت ٹھہر جاؤ۔

[دونوں سقراط کے مکان میں داخل ہو کر تاریکی میں گم ہو جاتے ہیں]

طائفہ: چلو شاباش! ایسے جری آدمی کی تیز روی کے لیے ہم سب دعا کرتے ہیں تم کامیابی کے مستحق ہو کہ عمر کی اس منزل میں جہاں سال خوردگی اضمحلال پیدا کرتی ہے، تم نوجوانوں کی سی ہمت کے ساتھ عقل و دانش کے حاصل کرنے کے آرزومند ہو۔

[سامعین سے مخاطب ہو کر]

سردار طائفہ: سامعین! کچھ سیدھی سچی باتوں کے لیے آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔ میں اپنے پروردگار رب النوع کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان میں کذب وافترا کا شائبہ بھی نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ منصف مزاج لوگوں کی بدولت مجھے کامیابی حاصل ہوگی۔ آپ کے انصاف اور ذوقِ صحیح پر مجھے کامل بھروسا ہے۔ پچھلی مرتبہ اپنا بہترین طربیہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسے میں نے بڑی محنت اور توجہ سے تیار کیا تھا لیکن مجھے کیسی ندامت ہوئی تھی کہ بعض نادان اور نوآموزوں کے مقابلہ میں مجھے منہ کی کھانی پڑی تھی اور اسٹیج چھوڑ دینا پڑا تھا۔ اس کا الزام آپ لوگوں پر بھی ہے۔ آپ مجھے اس توہین سے بچا سکتے تھے۔ لیکن آپ لوگوں نے بھی اس کی اجازت دے دی ——— آپ جو بے وقوف نہیں ہیں اور جن کے لیے میں نے اس قدر محنت کی ہے ——— میں آپ لوگوں سے مایوس نہیں ہوں کہ آپ کے مذاق کو جانتا ہوں۔ میں اپنی تلخیٔ احساس کا اظہار کرنا چاہتا ہوں لیکن اتنی شدت کے ساتھ نہیں کہ اپنے دیرینہ دوستوں کو بھی برگشتہ کر دوں۔ آپ لوگ میری سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ اسی تھیٹر میں آپ لوگوں نے میری ابتدائی کوششوں کو سراہا، ان کی ہمت افزائی کی۔ اسی وقت سے میں آپ کی رائے کی صحت اور وزن پر اعتماد رکھتا ہوں اور آپ کے سامنے الیکٹرا کی مانند ایک اور کاوش پیش کر رہا ہوں۔ آپ سے توقع کرتا ہوں کہ اس پر ہمدردی سے غور کریں، شاید آپ اس کی داد دے سکیں۔ اسے ایک ایسی دوشیزہ سمجھیے جو سادہ و سنجیدہ ہے، تصنع سے دور۔ جس نے نوجوانوں کو لبھانے کے لیے کوئی سنگھار نہیں کیا ہے، اپنے رقص سے جذبات انگیزی کا کام

نہیں لیتی۔ نہ کسی گنجے سروالے پر پھبتیاں کس کر یا کسی ضعیف ومعذور بوڑھے کا مذاق اڑا کر سستی جذباتیت کو ابھارتی ہے۔ وہ چلا چلا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کبھی نہیں کرتی، نہ آہیں بھر بھر کر سوز وگداز کا سماں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس کو اعلیٰ نظم اور اس کی قدر وقیمت پر پورا یقین ہے انسان اور شاعر کی حیثیت سے میری بھی یہی حالت ہے۔ نمود ونمائش کے لیے میں نے زلفیں نہیں بڑھائیں۔ میں معمولی اور حقیر باتیں پیش کر کے آپ لوگوں کو بے وقوف بھی نہیں بنانا چاہتا۔ لیکن ساتھ ہی آپ کے ذوق کی تسکین کا مجھے پورا پورا خیال ہے۔ مگر میں فرسودہ باتوں سے یہ کام نہیں لیتا۔ میرا ذہن ہمیشہ نئے موضوعات کی تلاش میں رہتا ہے کہ آپ لوگوں کو ایک سی ہی بات دو مرتبہ نہ دیکھنی پڑے، بلکہ ہمیشہ ایک ندرت ہو۔ جب کلیون کا ڈنکا بج رہا تھا تو میں نے اس پر مسخرے سے چوٹ کی اور جب قسمت نے اس کو نیچا دکھا دیا تو پھر میں نے اس پر وار کرنا معیوب خیال کیا۔ جب کہ ان لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ جب ان کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ہایپر بولس پر حاوی ہو گئے ہیں تو اس غریب پر سب وشتم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ پھر ایک نیا سلسلہ یوپولس سے شروع ہوا۔ اس نے آپ لوگوں کے سامنے مریکاس (نام کا ڈراما) پیش کیا اور بڑی بے غیرتی سے میرے (ڈرامے) نائٹس میں سے سرقہ کر کے اس میں شامل کر لیا اور اس میں بھی کسی سلیقہ کا ثبوت نہ دیا۔ عریاں مناظر اور بھونڈے رقص شامل کر کے اصل کی بھی صورت مسخ کر دی۔ پھر اسی طرح ہرمیپس آئے۔ انھوں نے ہایپر بولس کی پیروڈی کر کے اس کا مذاق اڑایا اور نہ صرف یہ بلکہ ہایپر بولس پر دشنام طرازی بھی کی۔ انھوں نے میری مچھلی والی کہاوت کا بھی ستیاناس کر دیا۔ اگر یہاں ایسے افراد موجود ہیں جنھوں نے ان پر قہقہے لگائے ہیں وہ میرے ساتھ مسکرانے کی بھی کوشش نہ کریں۔ جن لوگوں کو ایسی ناقص چیزوں میں دلچسپی ہے، میں ان کو محظوظ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن آپ سب لوگ جو بڑی خندہ پیشانی سے مجھے سن رہے ہیں اور اپنی خوش ذوقی سے میری نادر خیالی کو پسند کرتے ہیں مستقبل کی نسلیں آپ کی ذہانت، مذاق اور بصیرت کی داد دیں گی۔

اے خداوند عرش بریں! اے بے مثال عظمت و قوت کے مالک! میں تیرے ہی نام سے شروع کرتا ہوں کہ ہمارے نغموں کو سن لے۔ زیوس اور تو کہ جن کے جبروت کے ہاتھ سے زمین اور سمندر کی لہریں تھراتی ہیں۔ اے ہمارے مولا اور اے ہمارے رب ہماری ان حمد و ثنا کی آوازوں کو سن لے! اے آفتاب تابندہ کہ تیری بدولت ہی زمین فروزاں ہو جاتی ہے۔ آسمانوں میں فانی اور لافانی آنکھیں تیرا استقبال کرتی ہیں اور میں تجھ سے ہی استمداد کرتا ہوں۔

بادلوں کا طائفہ: اے روشن ضمیر سامعین! تمھاری توجہ کی ضرورت ہے۔ تمھارے رو در رو یہ بات ہم اس لیے کہتے ہیں کہ تم ہمیں خوب خوب برت چکے ہو۔ ایک ہم ہی ہیں کہ جن پر تم نہ مذبوحہ جانور چڑھاتے ہو، نہ خم مے، نہ خوشبوئیں جلاتے ہو نہ نذر دیتے ہو بلکہ ہماری طرف سے بڑی بے توجہی برتتے ہو۔ حالانکہ تمام الوہی قوتوں سے زیادہ ہم تمھاری حفاظت کرتے ہیں اور ہمیشہ ایتھنا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر تم کسی احمقانہ مہم پر جانے کا عزم کر لیتے ہو یا کوئی بے عقلی کا منصوبہ بناتے ہو تو ہم گرجتے ہیں اور ژالہ باری کرتے ہیں، تاکہ تمھیں تمھاری حماقت سے آگاہ کر دیں۔ ایک بار جب تم نے اس دباغ کے بیٹے کو جس کو تمام افلاکیوں نے مسترد کر دیا تھا، اپنا سپہ سالار مقرر کر لیا تو ہماری پیشانی غمگین آلود ہو گئی تھی اور رعد و برق سے ہم نے تمھیں دھمکایا تھا۔ اپنے برج میں چاند تاریک ہو گیا تھا اور سورج کی شمع ایسی گل ہو گئی تھی کہ اگر تم نے کلیون کی ماتحتی میں ایتھنا کی سپاہ کو لڑنے کے لیے بھیجا تو تمھیں کبھی بھی اس سے روشنی حاصل نہیں ہو گی۔ تاہم وہ تمھارا منتخب کردہ تھا۔ کیوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس غلط صلاح و مشورہ کا ادبار ابھی تک ایتھنا پر چھایا ہوا ہے۔ اگرچہ تم لوگ ایسی ناعاقبت اندیش ہو، لیکن دیوتا تمھاری ان حماقتوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور تمھاری خطاؤں کے شر کو بدل کر تمھارے حق میں خیر بنا دیتے ہیں۔ اب بھی ہم یہ پیش گوئی کر سکتے ہیں کہ اگر تم اس حریص کلیون سے جو غبن اور چوری کا مال کھا کھا کر پھولتا جا رہا ہے، دست بردار ہو جاؤ تو تمھارے حق میں بہتر ہو گا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھاری ماضی کی تمام تر خطاؤں کے باوصف ایتھنا کے اچھے دن پھر لوٹ آئیں

گے۔

طائفہ : تیرے بعد فیبس کی حمد و ثنا کرتے ہیں جو آسمانی تخت پر متمکن ہے۔ ارتمیس! ہم تیرے بھی گن گاتے ہیں۔ ہم اپنے وطن کی محافظ پالس کے لیے بھی ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ پارناس کی بلندیوں پر چمکنے والی روشنی اور غیب کا حال بتانے والے ڈیلفائی کے آقا کے بھی گن گاتے ہیں۔

سردار طائفہ : جب ہم تم سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہمیں چاند کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اس نے ہم سے کہا کہ ایتھنا اور اس کے ملحقات کو بعد سلام یہ پیغام پہنچا دیں کہ تم لوگوں نے اسے برہم کر دیا ہے۔ وہ ہمیشہ تمھاری خدمت انجام دیتا ہے اور تم صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے بھی اس کی بے حرمتی کرتے ہو۔ اول تو وہ ہر مہینے تمھاری روشنی کا خرچ بچاتا ہے کیوں کہ رات کو تم باہر نکلنے لگو تو کہہ سکتے ہو کہ آج روشنی لینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ دلکش چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی وہ تمھاری مدد کرتا ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ یہ سب فضول ہے، کیوں کہ تم دنوں کا حساب غلط رکھتے ہو، ان کو گڈمڈ کر دیتے ہو —— وہ کہتا ہے کہ اس سے دیوتا ناراض ہو جاتے ہیں سب مل کر اس پر برہم ہوتے ہیں کہ تمھارے غلط حساب کی وجہ سے ان کی کوئی نہ کوئی تقریب ضایع ہو جاتی ہے۔ ان کو مایوس ہو کر اور موعودہ ضیافت سے محروم گھر وں کو لوٹ جانا پڑتا ہے۔ جب قربانی کا وقت ہوتا ہے اس وقت تم یا تو جھگڑے چکاتے رہتے ہو یا شراب کشی کرتے ہو، پھر جب ہم کسی غم والم کے سبب برت رکھتے ہیں تو تم لوگ شراب کا چڑھاوا چڑھاتے ہو اور ہنسی مذاق کرتے ہو یہی وجہ ہے کہ جب ہائپر بولس کو وہ مقدس فریضہ انجام دینے کے لیے منتخب کیا گیا تو ہم نے اس کے ہار کو ہوا میں اڑا دیا تاکہ تم نادان متنبہ ہو جاؤ اور آیندہ دنوں کا شمار چاند کے حساب سے کیا کرو۔

[سقراط داخل ہوتا ہے]

سقراط : قسم ہے ہواؤں کی اور خلاؤں کی کہ ایسا گنوار، کوڑھ مغز، احمق اور پھکڑ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ معمولی استدلال بھی سیکھنے سے پہلے ہی وہ بھول جاتا ہے۔

لیکن کوئی بات نہیں، میں یہاں اسے باہر روشنی میں بلاتا ہوں ـــــ استرپپ سی دیز! اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور باہر آجاؤ۔

استر : [اپنا گدّا اٹھائے ہوئے] اپنا بوریا بستر لے آؤں؟ اندر تو کھٹمل مجھے...

سقراط : اچھا جلدی کرو! اسے نیچے رکھ دو اور سنو!

استر : میں حاضر ہوں!

سقراط : یہ بتاؤ کہ اب تک جو کچھ میں تمھیں سکھا چکا ہوں، اس کے علاوہ کیا سیکھنا چاہتے ہو؟ وزن، نظم یا سُر میں سے کون سی چیز؟

استر : وزن بالکل ٹھیک ہوگا کیوں کہ میرے دو دن کے کھانے کے وزن میں دھوکا ہوگیا۔

سقراط : اونہہ! کھانے کی بات کون کر رہا ہے؟ میں تو یہ پوچھتا ہوں کہ تم کون سی بحر پسند کروگے۔ چہار رکنی یا سہ رکنی؟

استر : میرا جواب یہ ہے کہ مجھے تو ایک ہی جرعہ دے دو۔

سقراط : لیکن یہ تو کوئی جواب نہ ہوا۔

استر : کوئی جواب کیوں نہ ہوا؟ تم کچھ روپیہ بدو تو میں شرط لگا کر کہتا ہوں کہ تمھارا چار رکنی میرے جرعہ کا نصف ہوگا۔

سقراط : جہنم میں جاؤ تم اور تمھارا جرعہ۔ تمھارے دماغ میں کوئی بات آئے گی یا نہیں؟ خیر! اسے چھوڑو۔ ایک اور بات دیکھو۔ فرض کرو میں تم سے سُر کی بات کرتا ہوں، تم اسے سیکھوگے؟

استر : پہلے یہ بتائیے کہ مجھے اس سے کچھ نفع ہوگا؟ کیا مجھے میرا وہ کھانا مل جائے گا جس سے میں محروم کر دیا گیا؟

سقراط : سیکھ لوگے تو تمھیں یہ فائدہ ہوگا کہ کسی مہذب محفل میں بیٹھ کر تم گفتگو کر سکوگے۔ تم یہ بتا سکوگے کہ کسی رزمیہ رقص میں کون سا نغمہ موزوں و مناسب ہے۔

استر : نہیں نہیں! ان معاملات میں میں اپنا سر کھپانا نہیں چاہتا۔

سقراط : پھر؟

استر : پھر کیا؟ مجھے تو آپ صرف ٹھگی کا فن سکھائیے۔

سقراط : چلو یوں سہی! لیکن اس سے پہلے بھی کچھ چیزیں ہیں! مثلاً کیا تم مذکر و مؤنث بتا

سکتے ہو۔

استر : کیا میں بالکل ہی بدھو ہوں؟ بینڈھا، بیل، بکرا، کتا اور چوزہ مذکر ہیں۔

سقراط : لو بس! چوزہ تو مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔

استر : یہ کیسے؟

سقراط : چوزہ سے مرغا بھی ہوتا ہے اور مرغی بھی! ان کو بتانا چاہیے۔

استر : ٹھیک! قسم سے آپ نے خوب نکتہ پیدا کیا۔ اس نادر انکشاف کے لیے تو آپ میرے کیسہ کا سارا کھانا کھا سکتے ہیں۔ لیکن ایسی باتوں کو سیکھنے کا کیا فائدہ جنھیں ہر شخص جانتا ہے؟

سقراط : غم نہ کرو۔ اب آرام سے لیٹ جاؤ۔

استر : کیوں؟

سقراط : دھیان کرنے کے لیے۔

استر : مگر اس بستر پر نہیں جناب۔ اگر مجھے لیٹنا ہی ہے تو میں زمین پر لیٹ جاتا ہوں اور دھیان شروع کرتا ہوں۔

سقراط : اور کوئی بات نہیں۔ اس سے خیال میں بلند پروازی آجائے گی۔

استر : بلند پروازی؟ کھٹملوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں جو مجھ پر ذرا رحم نہیں کرتے۔

سقراط : اچھا بس! اب دھیان شروع کرو۔ خیالات کو آنے اور دماغ سے ٹکرانے دو۔ اگر کسی خیال سے دماغ زیادہ پریشان ہو جائے تو اسے چھوڑ دو۔ دوسرا خیال شروع کردو لیکن سو مت جاؤ۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہیں جھپکنی چاہیے۔

[کچھ دیر بعد]

استر : اف! اف! اوہ!

سقراط : کیا ہوا؟ کیا تکلیف ہے؟

استر : میں مرگیا۔ بستر کے باسیوں کو میں نے جونکا دیا۔ ظالم نکل نکل کر میری جان کے درپے ہوگئے ہیں۔ پیٹ اور کمر اور پسلیاں کھائے جا رہے ہیں۔ رانوں، پنڈلیوں اور کولھوں کو شکار بنا رہے ہیں۔ بدن کا کوئی بھی حصہ بچا ہوا نہیں ہے۔ پوری فوج کی فوج مجھے کھائے جا رہی ہے۔

سقراط : گھبراؤ نہیں! تکلیفوں پر زیادہ توجہ مت دو۔

استر : یہ کیسے ممکن ہے؟ میرا سونا ضایع ہو گیا۔ جوتوں سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ ہڈی اور کھال بھی میری اپنی نہیں رہی اور اب فاقہ زدہ سنتری کی طرح میں یہاں پڑا ہوا ہوں۔ نیند کا بھی مجھے حق نہیں ہے۔ بس اب تو خاتمہ بالخیر ہی ہے۔

[کچھ دیر سکوت کے بعد]

سقراط : ہاں بھئی! کیا تم دھیان نہیں کر رہے ہو؟

استر : کیوں نہیں؟ قسم سے میں دھیان میں لگا ہوا ہوں۔

سقراط : ہاں تو کیا خیال ذہن میں آیا؟

استر : بس میں تو سوچ رہا ہوں کہ یہ کھٹمل میرے بدن کا کوئی حصہ چھوڑیں گے یا نہیں!

سقراط : لعنت تم پر! جہنم میں جاؤ!

استر : اس دعا کی ضرورت نہیں، میں تو پہلے ہی جہنم میں پہنچ چکا ہوں۔

سقراط : اینہہ! اتنی پتلی کھال! نازک مت بنو۔ مردوں کی طرح کھال کو سخت کرو۔ اپنی کھوپڑی کو ڈھک لو، اسی پر توجہ کرو۔ یقیناً کوئی نہ کوئی نیا خیال پیدا ہوگا جس کے ذریعہ تم ایمان و انصاف کے بجائے دوسرے طریقوں سے دولت مند ہو جاؤ گے۔

استر : آہ! کاش کوئی مہربان روحانی قوت مجھے ایسا خیال سجھا دے جس سے میں ان کھٹملوں سے نجات پا لوں۔

[سکوت]

سقراط : چلو! ذرا دیکھیں یہ شخص کیا کر رہا ہے! ارے تم سو گئے؟

استر : جی نہیں! بالکل بھی نہیں!

سقراط : کہو! کوئی خیال سوجھا؟

استر : ابھی تو کچھ بھی نہیں۔

سقراط : ارے احمق! کچھ تو سوجھا ہوگا؟ اچھا سر ڈھک لو اور غور کرو۔

استر : کس چیز کے بارے میں؟ حضور کچھ تو بتا دیجیے۔

سقراط : پہلے یہ سوچو تم کیا چاہتے ہو اور مجھے بتاؤ۔

استر : ہزار مرتبہ تو کہہ چکا۔ بس میرے قرضوں کی بات ہے کہ ان سے کیسے نجات ملے۔

سقراط: اچھا اپنے بدن کو لپیٹ لو۔ خیالات کو مجتمع کرو۔ ہر چیز کو پھر دیکھو! اس کا تجزیہ کرو اور ایک ایک تفصیل کو غور سے دیکھو۔

استر: آہ! میں بدنصیب!

سقراط: بس اب خاموش! چپ رہو۔ اگر ایک نکتہ پر ناکامی نظر آئے تو اسے چھوڑ دو۔ نئے سرے سے معاملے پر غور کرو۔ تمھارے حواس تازہ دم ہو کر سوچنا شروع کر دیں گے۔ ہر چیز کو اچھی طرح جانچو۔

استر: اوہ سقراط! میرے استاد!

سقراط: اب کیا ہے بڑھؤ؟

استر: تصرف کا ایک خیال مجھے سوجھا ہے کہ اپنے قرض خواہوں پر حاوی آجاؤں۔

سقراط: ہاں تو بتاؤ۔

استر: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں...

سقراط: اگر کیا؟

استر: اگر کسی ساحرہ کی خدمات حاصل کرلوں جو ایک روز اپنے جادو کے زور سے چاند کو آسمان سے نیچے اتارے اور میں اسے ایک بکس میں بند کر دوں۔

سقراط: اس سے کیا ہوگا؟

استر: آپ پوچھتے ہیں کیا ہوگا! میں اسے چھوڑوں گا ہی نہیں کہ وہ گردش میں آئے اور مجھے قرض خواہوں سے نجات مل جائے گی۔

سقراط: وہ کیسے؟

استر: وہ نئے چاند تک روپیہ قرض دیتے ہیں اور ماہ بہ ماہ سود کا حساب کرتے ہیں۔

سقراط: بہت خوب! لیکن میرا خیال ہے کہ ایک عملی اور بہت گہری تدبیر اور بھی ہے۔ فرض کرو تمھیں پانچ ٹیلنٹ کے قرض کے سلسلے میں گرفتار کر لیا جاتا ہے تو تم اس دعوے کو کیسے رد کروگے؟

استر: کیسے؟ فوری نہیں بتا سکتا۔ ذرا سوچنا پڑے گا۔

سقراط: اگر تم باصلاحیت ہوتے تو ایسی باتوں کو سوچنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایسی ترکیبیں تو تمھیں ازبر ہوتیں جیسے پابستہ پرندہ پھڑپھڑاتا ہے کہ ذرا مہلت ملے اور اڑ کر

آسمانوں پر پہنچے۔ اپنے خیالات کو ایسا ہی بناؤ۔

استر : ترکیب سوجھ گئی بہت عمدہ۔ آپ بھی مان جائیں گے۔

سقراط : ہاں ہاں بتاؤ!

استر : آپ نے کھلونے کی دکان میں کھلونا دیکھا ہوگا۔ ایک پتھر سا ہوتا ہے شفاف، جو آگ پیدا کرتا ہے۔

سقراط : آتشی شیشہ؟

استر : ہاں ہاں وہی! فرض کیجیے مجھے ایسا ایک شیشہ مل جاتا ہے اور منشی مقدمہ کی روداد لکھ رہا ہے۔ میں سورج کے سامنے اس کی پشت پر کھڑا ہو جاتا ہوں اور اس کے الفاظ پر اس کا عکس مرکوز کر دیتا ہوں۔ اس کی تحریر دھوئیں میں اڑ جائے گی۔

سقراط : قسم سے بہت ہی عمدہ ترکیب ہے۔

استر : میرا تو دل اس خیال سے باغ باغ ہو گیا کہ پانچ ٹیلنٹ کے قرض کو میں نے منسوخ کر ڈالا۔

سقراط : اچھا ایک اور مسئلہ۔

استر : وہ کیا؟

سقراط : فرض کرو مقدمے میں تمھیں گواہ نہیں مل پاتے اور منصف تمھارے خلاف فیصلہ دینے کو تیار ہے تو تم اپنا دفاع کیسے کروگے؟

استر : یہ تو بڑی آسان بات ہے۔

سقراط : کیسے؟

استر : قبل اس کے کہ مقدمات کی فہرست ختم ہو، میں دوڑ کر جاؤں گا اور گلے میں پھندا لگا کر خودکشی کر لوں گا۔

سقراط : اونہہ! تم بھی محض مسخراپن کرتے ہو۔

استر : نہیں نہیں! میں قسمیہ کہتا ہوں۔ مردہ تو قانون کی گرفت سے بالاتر ہوتا ہے۔

سقراط : بس بس میں بھر پایا۔ میرے سارے سکھانے پر پانی پھر گیا۔ تمھاری یہ بے ہودہ ٹھٹھول برداشت سے باہر ہو گئی۔

استر : مگر کیا ہوا حضور؟ کیا گستاخی ہو گئی؟

سقراط : تمھاری کھوپڑی میں تو کچھ سماتا ہی نہیں! ابھی سیکھا اور ابھی بھولے۔ اچھا بتاؤ۔ سب سے پہلے تمھیں کیا بات بتائی گئی تھی؟

استر : پہلی بات؟ سب سے پہلی؟ کیا تھی وہ سب سے پہلی بات؟ دیکھیے ہاں وہ کچھ کھانے سے متعلق تھی۔ برا ہو اس کا۔ میں تو بھول گیا۔

سقراط : او گیدی خر! نامعقول! گدھے! جہنم میں جا!

استر : آہ! مجھ جیسا بدنصیب بھی کون ہوگا! اگر میری زبان آپ کی زبان کا ساتھ نہیں دے سکتی تو مجھے کبھی چرب زبانی اور نکتہ سازی سکھا دیجیے۔ سچ ہے میں تو بالکل ہی الو ہوں۔ مگر اب تو میں کہیں کا بھی نہ رہا۔ اے مہربان بادلو! میرے اوپر رحم کرو اور تمھیں کچھ مشورہ دو۔

سقراط : بڑے میاں! ہم تمھیں مشورہ صرف اسی صورت میں دے سکتے ہیں کہ تمھارا نوجوان بیٹا، اگر باصلاحیت ہو تو آکر یہاں مطالعہ کرے۔

استر : میرا بیٹا ہے تو۔ قدرت نے اسے صلاحیت بھی دی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ تعلیم سے اسے چڑ ہے۔

سقراط : اور تم اسے برداشت کرتے ہو؟

استر : لیکن کروں کیا؟ وہ نوجوان لڑکا ہے —— خوب توانا —— اس کی ماں بڑے خاندان کی بیٹی ہے۔ لیکن خیر! میں دیکھتا ہوں۔ اگر اس نے میری بات کو ٹھکرایا تو خواہ کچھ بھی ہو جائے میں بھی اسے ٹھوکر مار کر گھر سے باہر نکال دوں گا۔ ذرا انتظار کیجیے۔

[استر پپ سی دیز نکل کر اپنے گھر چلا جاتا ہے]

طائفہ : [سقراط سے] اے برگزیدہ ہستی! تم پر رحمتیں ہوں کہ تم ہمارے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کرتے۔ یہ پیر فرتوت تمھاری پوری فرماں برداری کرے گا اور تم جو کچھ اسے بتاؤ گے اس پر عمل کرے گا۔ وہ اپنی ہوس میں اندھا ہو رہا ہے۔ ایسے مواقع بہت کم آتے ہیں اور جلدی گزر جاتے ہیں۔ عقل مند ان سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور ان کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

[استر پپ سی دیز اپنے گھر سے باہر آتا ہے۔ اس کا بیٹا دروازے پر کھڑا ہے]

استر : میرے گھر سے نکل جاؤ۔ میں ان بادلوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اب تم میرے گھر میں قدم نہیں رکھو گے۔ جاؤ! اپنے نانا میگیکلیز کے پاس جاؤ۔ اس کے پتھروں کو تراشو اور اپنا پیٹ بھرو۔

فید : اوہ! یہ آپ کو کیا ہو گیا؟ آپ پاگل ہو گئے؟ جیوپیٹر کی قسم کھا کر کہتا ہوں بالکل ہی پاگل!

استر : تم جیوپیٹر کی قسم کھاتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ ایسا کوئی دیوتا ہے ہی نہیں۔ اتنے بڑے ہو کر بھی تم ایسی باتوں میں عقیدہ رکھتے ہو؟ اب کون پاگل ہے میں کہ تم؟

فید : آپ ایسی پاکیزہ حقیقتوں کے ساتھ تمسخر کر رہے ہیں؟ آپ کس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں؟

استر : مجھے یہ سوچ کر ہنسی آتی ہے کہ تم ایسے نوجوان ہو کر بھی اتنے قدامت پرست ہو۔ میرے قریب آؤ، جو کچھ میں بتاتا ہوں سیکھو تو آدمی بن جاؤ گے۔ لیکن اس کو راز رکھنا اور منہ سے کہیں ایک لفظ بھی نہ نکالنا۔

فید : مگر بات کیا ہے؟

استر : تم نے ابھی جیوپیٹر کی قسم کھائی تھی؟

فید : جی ہاں! کھائی تو تھی۔

استر : میں تم سے بتاتا ہوں کہ جوپیٹر کا کوئی وجود نہیں ہے۔

فید : پھر کون ہے؟

استر : وہ مر چکا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ اب اس کا کوئی اختیار نہیں رہ گیا۔ اب گردش کی حکمرانی ہے۔

فید : گردش؟ آپ کس وہم میں گرفتار ہو گئے؟

استر : کوئی وہم نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

فید : لیکن کیسے؟ آپ سے کس نے کہہ دیا؟

استر : سقراط نے اور پسوؤں کا علم رکھنے والے کیریفون نے۔

فید : آپ کیا ایسے گئے گزرے ہو گئے کہ ان بیہودہ لوگوں کی باتوں پر یقین کرنے لگے؟

استر : نہیں بیٹا ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤ! تم ایسے دانش مند، پاکیزہ اور کفایت

شعار لوگوں کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو۔ وہ تو بڑے نیک سیرت اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں۔ ان کی داڑھی کو آج تک استرا نہیں لگا، انھوں نے آج تک سر نہیں منڈایا۔ اپنے جسم پر مالش نہیں کی، حمام میں وہ نہیں گئے۔ خوشبویات کا انھوں نے استعمال نہیں کیا۔ ایک تم ہو فضول خرچ، میری ساری دولت کو اڑا دیا، جیسے میں مر چکا ہوں اور کسی بات کا احساس ہی مجھے نہ رہ گیا ہو۔ اب جلدی سے آؤ اور عقل و دانش سیکھ لو۔

فید : ایسے استادوں سے میں کیا سیکھ سکتا ہوں ؟ اور ایسے لوگوں سے کیا حاصل ؟

استر : تم سب کچھ وہی نہیں سیکھتے جس سے فائدہ پہنچتا ہے لیکن تم کم از کم دانش انسانی حاصل کر سکتے ہو کہ تمھیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ تم کس قدر جاہل اور احمق ہو۔ اچھا ذرا ٹھیرو ! [اندر چلا جاتا ہے]

فید : اف خدایا ! میرا باپ پاگل ہو گیا۔ اب میں کیا کروں۔ اسے عدالت میں لے جا کر دیوانہ ثابت کر دوں ؟ یا کفن دوز سے کہوں کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے ؟

استر : [جلدی جلدی اندر سے آتا ہے۔ ایک ہاتھ میں مرغ ہے اور دوسرے میں مرغی ۔ مرغ والا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے] اچھا ادھر دیکھو ۔ یہ بتاؤ کیا ہے ؟

فید : چوزہ ہے ۔

استر : [مرغی کو اوپر اٹھاتے ہوئے] اور یہ ؟

فید : یہ بھی چوزہ ہے ۔

استر : ہاہا ! کیا یہ دونوں ایک ہی ہیں ؟ ہوش کے ناخن لو۔ اپنی عقل کو رسوا مت کرو۔ آئندہ ہمیشہ انھیں مرغا اور مرغی کہو۔

فید : حماقت ! کیا یہی نئی دریافت ہے جو ان گدھوں سے آپ نے حاصل کی ہے ؟

استر : یہ بھی اور ہزاروں ایسی ہی باتیں ! لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور یادداشت کمزور۔ جیسے ہی بات سیکھتا ہوں، ذہن سے نکل جاتی ہے ۔

فید : کیا اسی کے لیے آپ وہاں تشریف لے گئے تھے اور اپنا چوغہ ضائع کر آئے ؟

استر : نہیں ضائع نہیں کیا۔ علم و فن کی نذر کر دیا۔

فید : اور آپ کے جوتے ـــــ وہ بھی غائب ہیں، ان کو کس کی نذر کیا ؟

استر : بیر یکلینر کی طرح میں نے ان کو نیک مقصد کی نذر کر دیا۔ لیکن چلو جلدی کرو۔ بس اس وقت ذرا میرا کہا مان کر جی خوش کر دو۔ پھر جو چاہو کرتے رہنا۔ میں نے بھی ایک بار تمھیں ایسے ہی خوش کیا تھا۔ جب تم بالکل بچے سے تھے تو میں میلے سے تمھارے لیے ایک بچہ گاڑی لایا تھا اور اس پر میں نے اپنی منصفی کے پہلے ہی دن کی ساری کمائی صرف کر ڈالی تھی۔

[سقراط کے گھر کی طرف جاتا ہے]

فید : میں سچ کہتا ہوں آپ ایک روز پچھتائیں گے۔ اس پر آپ کو پچھتانا پڑے گا۔

[بادل ناخواستہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے]

استر : خوب! شاید تمھیں ہی پچھتانا پڑے۔
سقراط! اجی حضرت سقراط! دیکھیے میں اپنے بیٹے کو لے ہی آیا ہوں اگرچہ اس کی مرضی نہیں تھی۔

سقراط : میں جانتا ہوں، وہ ابھی نوجوان ہے اور نہیں جانتا کہ ہمارے چھینکے کتنی بلندی پر لٹکے ہوئے ہیں۔

فید : میں تو کہتا ہوں ان کی جگہ تمھیں لٹک جاؤ۔

استر : بدبخت! تم استاد کے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہو۔

سقراط : ذرا دیکھو یہ ناہنجار کیسی زبان درازی کر رہا ہے۔ کیا اسے قانونی موشگافی سکھائی جاسکتی ہے کہ الزام سے بری کیسے ہوا جائے؟ گواہی کیسے تیار کی جائے اور گفتگو میں وہ انداز کیسے پیدا کیا جائے کہ سنگ دل منصفوں کا کلیجہ بھی پانی ہو جائے۔

استر : آپ اس کی بات کا برا نہ مانیے۔ ویسے یہ بہت ذہین لڑکا ہے۔ جب وہ بچہ ہی سا تھا تو عجیب عجیب باتیں کرتا تھا۔ وہ ایسا گھر بنا دیتا تھا کہ بالکل اصلی معلوم ہونے لگے اور دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ کشتی بنا ڈالتا تھا اور پرانے جوتے کے تلے سے گاڑی بنا لیتا تھا اور انار کے چھلکے سے مینڈک کی ایسی شکل بناتا تھا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ زندہ مینڈک نہیں ہے۔ آپ اب سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کتنا ذہین ہے۔ آپ کی سیدھی اور الٹی منطق دونوں کو ہی سمجھ سکتا ہے۔ یا کم از کم دوسری کو تو ضرور ہی۔ اس میں وہ ماہر ہو جائے گا۔

سقراط: اچھا تو وہ تیار ہو۔ اس کے استاد بھی تیار ہیں۔ ان سے وہ خود ہی سیکھ لے گا۔
استر : اچھا میں چلتا ہوں۔ لیکن وہ اس قابل ضرور ہو جائے کہ ہر استدلال کو رد کر سکے۔

[دونوں چلے جاتے ہیں۔ الٹی منطق اور سیدھی منطق لڑنے والے دو مرغوں کے روپ میں لائی جاتی ہیں، جو پنجرے سے نکالنے پر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں۔]

سیدھی منطق: آؤ اگر جرأت ہے تو سب کے سامنے آ کر بات کرو۔
الٹی منطق : ضرور! یہاں سب کے سامنے آ کر جمو، مجھے کوئی ڈر نہیں۔
سیدھی : تمھاری ہستی کیا ہے اس طرح گفتگو کرتی ہو۔
الٹی : میری ہستی؟ میں زمانہ کا انداز اور تقاضائے وقت ہوں۔
سیدھی : نیا زمانہ؟ اسے اور تمھیں دونوں کو جوتی کی نوک پر مارتی ہوں۔
الٹی : تمھارا فخر و غرور تو ابھی خاک میں مل جاتا ہے۔
سیدھی : تم آخر ہو کون؟
الٹی : استدلال!
سیدھی : خبیث و باطل!
الٹی : کوئی بات نہیں! ابھی تمھارے اور تمھارے دعووں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔
سیدھی : کس بات پر اتنا زعم ہے؟
الٹی : جدت طرازی اور نکتہ آفرینی پر۔
سیدھی : خوب! [سامعین کی طرف اشارہ] ان احمقوں کی بدولت تمھاری چالبازیاں پھلتی پھولتی ہیں۔
الٹی : احمق نہیں ــــ وہ بہت عقل مند ہیں، میرا واسطہ عقل مندوں سے ہے۔
سیدھی : تمھارا بازار تو میں ابھی ٹھنڈا کر دیتی ہوں۔
الٹی : کیسے؟ ذرا فرمایئے تو۔
سیدھی : حق و انصاف کی بات کہہ کر۔
الٹی : تمھیں تو ہیں مات ہوئی۔ حق و انصاف کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ یہ تو محض سراب ہے۔
سیدھی : کیا؟ سراب؟

الٹی : جی ہاں! سراب! حق ہے کہاں؟

سیدھی : یہ لافانی دیوتاؤں میں ہے۔

الٹی : ہاں ہاں! کیوں نہیں۔ اسی لیے تو شاید اپنے بوڑھے باپ کو زنجیروں میں جکڑ کر ڈالنے کے باوجود زیوس زندہ وسلامت ہے۔

سیدھی : شرم کرو۔ کیا نازیبا کلمات کہتی ہو۔ تمھاری اس کافرانہ گفتگو سے تو میرا دل دہلتا ہے۔

الٹی : تم ہو دیوانی! یہ سب خبطی پن کی باتیں ہیں۔

سیدھی : تم بڑی روشن خیال ہو! کافر مسخری کہیں کی!

الٹی : ہاں ہاں کہو! ایسے ہی پھولوں کی بارش کرتی رہو۔

سیدھی : خوب طعنے دو! تمھاری زبان کو لگام تھوڑی ہے۔

الٹی : تمھاری برہمی کا ایک ایک لفظ میرے لیے فتح کا ایک نیا ہار تیار کر رہا ہے۔

سیدھی : بڑی ہی ڈھیٹ ہو۔

الٹی : ہاں ہاں کہتی رہو۔ یہ تو تم مجھ پر سونے کے پھول برسا رہی ہو۔

سیدھی : اچھا زمانہ ہوتا تو یہی تمھارے لیے سیسہ ثابت ہوتا اور تم پر لعنت برستی۔

الٹی : لیکن اب تو میرے لیے نیک نامی کا باعث ہے، زمانہ میرے ساتھ ہے۔

سیدھی : بڑی ہی بے حیا ہو اور عیار!

الٹی : اور تم بڑی ہی دقیانوسی اور کمزور!

سیدھی : تم ایتھنز کے نوجوانوں میں بگاڑ پیدا کر رہی ہو۔ اسکول اس کا ذریعہ ہیں، جہاں سے وہ ہر طرح کی چالاکی اور برائی سیکھتے ہیں۔ ایک روز تو حقیقت آشکار ہو جائے گی اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تم نے ان کو کیسا گمراہ کیا ہے۔

الٹی : میرا خیال ہے کہ تمھارا یہ خیال بالکل ہی از کار رفتہ اور گھناؤنا ہے۔

سیدھی : خوب ہو تم بھی۔ ایک زمانہ میں تم بہت ہی قلاش تھیں، بھیک مانگتی تھیں سڑکوں پر ماری ماری پھرتی تھیں، کوئی تمھاری بات کبھی نہیں پوچھتا تھا۔

الٹی : وہ بھی دانشمندانہ فعل تھا۔ تم نے اچھے زمانہ کی یاد دلائی۔

سیدھی : احمقانہ باتیں! اور اس ریاست کے باشندے بھی نرے احمق ہیں جو تمھیں زندہ

رہتے دیتے ہیں. تم ان کے نوجوانوں کے اخلاق کو گھن لگا رہی ہو۔

الٹی : دقیانوسیت کی خالہ! تم ان باتوں سے نوجوانوں کو اپنی طرف ملتفت نہیں کر سکتیں۔

سیدھی : میں انھیں ترغیب دوں گی۔ اگر انھیں اپنی بہبود کا خیال ہے اور وہ احمقوں کی طرح محض گپ بازی نہیں کرنا چاہتے تو ضرور ملتفت ہوں گے۔

الٹی : [فیدیپڈیز سے] آؤ دوست! اس خبطن کو جانے دو، تم میرے پاس آؤ۔

سیدھی : ہٹو! اس سے دور ہی رہو، ورنہ تمھیں بھگتان بھگتنا ہوگا۔

سردار طائفہ: [مداخلت کرتے ہوئے] یہ تکرار ختم کرو۔ ہم بھی تو تم دونوں کا مقدمہ سنیں۔ تم اپنی قدیم تعلیم و رسوم کے اصول بیان کرو اور تم جدید کے۔ ان کو سننے کے بعد اسے اختیار ہوگا وہ جس کو چاہے پسند کرے اور جس سے چاہے تعلیم حاصل کرے۔

سیدھی : مجھے اتفاق ہے۔

الٹی : مجھے بھی اتفاق ہے۔

سردار : استدلال کا آغاز کون کرے گا؟

الٹی : یہ حق میں اس کو دیتی ہوں۔ وہ جو استدلال کرنا چاہے کرے۔ میں جدید ترین تصورات و خیالات کے تیروں سے اسے چھلنی کر دوں گی۔ اگر اس کے بعد بھی اس نے کچھ بولنے کی جرأت کی تو پھر تو ایسے کچوکے لگاؤں گی کہ اس کو سانس بھی نہ آئے۔ اپنے پنجوں سے اس کا منھ نوچ لوں گی اور آنکھیں نکال لوں گی۔

طائفہ : اب آپ دونوں حریف اپنی طلاقت لسانی، الفاظ و فقرات کی فراوانی اور خیالات کی روانی سے یہ ثابت کریں کہ کون اپنی بات منوا سکتا ہے۔ آج کے اس مجادلہ پر ہی عقل و دانش کا فیصلہ ہے۔ آج کے استدلال پر لوگ فیصلہ کریں گے کہ وہ کس کا ساتھ دیں۔ ہاں تو اے زمانۂ پیشیں کی تاجور اور نیکیوں کی علمبردار آپ ہی پہلے اظہار خیال کریں اور ان حقائق کا بیان کریں جو آپ کے دل میں موجزن ہیں۔

سیدھی منطق : پہلے تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ قدیم زمانہ میں جب ضبط نفس اور حق و صداقت کا تصور مردہ نہیں تھا تو نوجوانوں کی کس طرح تربیت کی جاتی تھی۔ متانت و سنجیدگی کو قانونی سرپرستی حاصل تھی۔ زبان درازی اور فضول بکواس کا وجود نہیں تھا۔ خاموشی طالبان علم کی کسوٹی تھی۔ موسم کچھ بھی ہو خواہ شدید برف باری

ہی کیوں نہ ہو رہی ہو نوجوان منظم انداز میں، اپنے چوغے اتار ذوق وشوق کے ساتھ موسیقی کے استاد کے پاس جاتے تھے، مودبانہ بیٹھ جاتے تھے اور دہرا دہرا کر نغموں کو ذہن نشین کرتے تھے۔ اس میں بھی اپنے اجداد کے معبودوں کی عظمت وجلال کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ اور اگر کوئی احمق ٹانگ اڑا کر ان نغموں کی سُر تال میں گڑبڑ پیدا کرنا چاہتا تو اس کی شامت آجاتی۔ مارے طمانچوں کے اس کے ہوش درست ہو جاتے اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ اس نے موسیقی کی دیوی کی اہانت کی ہے۔ ورزش گاہ میں بھی ان کی حرکات وسکنات بہت ہی متین وسنجیدہ ہوتی تھیں۔ کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کرتا تھا جس سے کوئی نازیبا احساس پیدا ہو۔ نہ ان کے ہونٹوں کی جنبش پیار کی سرگوشیاں کرتی تھی۔ ان کی چال ڈھال پاکیزہ اور باوقار ہوتی تھی۔ دسترخوان پر بیٹھتے تھے تو تہذیب وشائستگی کے ساتھ۔ نہ چھین جھپٹ ہوتی تھی، نہ ہنسی ٹھٹھا، نہ بے ادبی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے، نہ نازیبا آوازیں آتی تھیں۔

الٹی : اونہہ! یہ سب پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ کرم خوردہ ضابطے! یوں تم ان دعوتوں کا بھی ذکر کرو گی جن میں ہمارے آبا واجداد سج دھج کر بھانڈ بن جاتے تھے۔

سیدھی : لیکن یہ وہ انداز تھے جن سے جواں مرد پیدا ہوئے۔ انھیں ضابطوں نے ان میں شجاعت کے جوہر پیدا کیے اور ان کو فتوحات کا اہل بنایا۔ لیکن اب تمھارے نوجوان بھاری لبادے اوڑھے ہوتے ہیں۔ ایتھنا کی دعوت میں ان کو رقص کرتے دیکھ کر میرا تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ بھاری بھاری اسلحہ ان کے پاس ہیں۔ ہر لچکتی ہوئی کمر کے ساتھ سپر بھی ہے، لیکن ان کی عزت کا کوئی پاس نہیں۔ میرے پیارے نوجوانو! میری بات مانو۔ میرے نیک مشوروں پر عمل کرو گے تو شور وشر سے اجتناب کرنے لگو گے، حماموں میں جانا چھوڑ دو گے اور گندے مقامات سے شرمساری محسوس کرنے لگو گے۔ پھر تمھارا معصیتوں سے پاک ضمیر تمھارے اندر وہ جرأت پیدا کر دے گا کہ ناحق کو ٹھکرا سکو، ضعیفوں کا احترام کر سکو، کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کر سکو اور تمھارا کوئی بڑا آئے تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی تعظیم کر سکو۔ اس طرح اپنے باپ دادا کی روح کو بھی سکون دے سکو گے اور اپنی

روح کو بھی حسن اخلاق سے ضمیر زندہ اور دل پاکیزگی کی آماجگاہ بن جائے گا۔ رقاصاؤں کے دروں کو تکنا چھوڑ دو۔ ان کے چکر میں پڑ کر تم اپنی عزت و شرافت سب گنوا بیٹھو گے۔ والدین کا کہا مانو، ان کی اطاعت کرو، ان کو تند و تلخ جواب نہ دو، نہ ان کی قربانیوں کی ناشکری کرو، نہ ان کے بڑھاپے پر طنز و تعریض کرو کہ ان کی سال خوردگی نے ہی تمھاری جوانی کو پروان چڑھایا ہے۔

الٹی : ہاں میرے نوجوانو! اس کے پند و نصائح پر عمل کرو اور احمق، کوڑھ مغز، ناکارہ و نکمے ہو کر رہ جاؤ۔ باخوس کی قسم سوائے نادانی و پشیمانی کے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

سیدھی : نہیں! ایسا نہیں ہے! جس سینے میں حق و صداقت ہوگی اسی میں نوجوانی بہتر طور پر پروان چڑھے گی۔ سڑکوں پر مارے مارے پھرنے اور تضیع اوقات کرنے کے بجائے تم ورزش گاہوں میں رہ کر نام روشن کرو گے۔ اور بے کار اوباشوں کی طرح گپ بازی کرنے اور عدالتوں میں خواہ مخواہ کی بحثم بحثا اور کٹ حجتی کرنے کے بجائے تم مدرسوں میں اپنے ہمسر طالبان علم کے ساتھ علمی مباحث پر اپنی صلاحیتیں صرف کرو گے۔ ہر طرف درختوں کے کنج ہوں گے۔ زیتون، پوپلار، ایم کے درختوں کی شاخیں سایہ فگن ہوں گی اور ان سے پھیلنے والی بھینی خوشبو روح کو بالیدگی بخشے گی۔ باد صبا کے جھونکے مشام جان کو معطر کر دیں گے۔ بہار کی طرب انگیز کیفیتیں تمھارے دل کو خوشی سے معمور کر دیں گی۔ اس ماحول میں جسم کی تنومندی اور ذہن کی توانائی حاصل ہونا یقینی ہے۔ تم نے میرے مشوروں پر عمل کیا تو تم دیکھو گے کہ سال بہ سال تمھارا سینہ پھولتا جا رہا ہے۔ چہرے پر صحت کی چمک آرہی ہے۔ جلد صاف و شفاف ہو کر نکھرتی جا رہی ہے اور شانے چوڑے چکلے ہوتے جا رہے ہیں اور زبان کم گوئی کی عادی ہے۔ لیکن تم نے اگر ان جدید معلمین کی صحبت اختیار کی تو اس کے برعکس نتیجہ حاصل ہوگا۔ پیلے رخسار، سکڑے ہوئے شانے، پچکا ہوا سینہ، سوکھے ہوئے بازو، خشک و بے رنگ جلد اور بہت لمبی زبان جو بولتے ہوئے تھکے ہی نہیں، ان کی فلسفیانہ موشگافیوں سے پریشان دماغ جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ،

نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی ثابت کر دکھانے پر تلا ہوا ہوگا۔ یہ چیز تمھیں معصیت کے گڑھے میں گرا کر چھوڑے گی۔

طائفہ : اے عقل و دانش کی دیوی! تمھاری نصیحتیں کتنی عمدہ ہیں۔ اعتدال ورزی اور نیک روشی کے مشورے کس قدر دل پذیر ہیں۔ قدیم الایام میں جن لوگوں نے یہ طریقے اختیار کیے وہ بھی کتنے خوش نصیب تھے۔ تمھاری خوش گفتاری اور دلکش اقوال چشمہ صافی کی طرح ہیں۔ مبارک تھے وہ لوگ جو اس زمانے میں گزر گئے جب یہ باتیں مروج تھیں۔ اور انھوں نے ان کو اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنا لیا تھا۔ ہاں! تو اے خوش نما دعووں کی ماہر اب ذرا تمھارے اقوال بھی سنیں لیکن خیال رہے کہ تمھارا کام اب اتنا آسان نہیں رہ گیا۔ تمھارے حریف نے کتنے عمدہ اور قوی دلائل دیے ہیں۔ اب ان سے قوی تر اور بہتر دلائل دے کر ہی تم اپنی بات منوا سکتی ہو۔ تمھیں بہت ہی ذہانت سے جواب دینے ہیں، ورنہ شکست اور پھر عوام الناس کی نفرت تمھارا مقدر ہو گی۔

الٹی : میں تو خود اپنی بات کہنے کو بے تاب ہوں۔ جب وہ اپنے اقوال زریں بیان کر رہی تھی تو میں مضطرب تھی کہ اس کے ایک ایک لفظ کو غلط ثابت کر دوں۔ مجھے معلوم ہے کہ دانشور لوگ قدیم مسلمات کے مقابلے میں مجھے ارذل منطق کہتے ہیں کیونکہ میں نے ہی پہلی بار انصاف و قانون کے قائم کردہ تصورات کو مشکوک اور محل نظر بنایا تھا۔ یہ کیسی بیش بہا قوت کا انکشاف تھا — کیسی بھی حقیر سی بات کو لیجیے اور چالاکی سے بحث کر کے اپنے دعوے کو صحیح ثابت کر دیجیے۔ اب اسی تربیت کو لیجیے جس پر اسے بڑا فخر ہے۔ اس کی گرم حمام کی احمقانہ مخالفت کو ہی لیجیے۔ میں پہلے اسی کی تردید کرتی ہوں۔ میں پوچھتی ہوں کہ آدمی گرم پانی سے کیوں نہ نہائے۔

سیدھی : اس سے آرام طلبی پیدا ہوتی ہے۔ مردوں میں نسوانیت اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

الٹی : لیجیے۔ آپ تو خود ہی پھنسیں! ذرا یہ بتائیے کہ جیوپیٹر کے تمام بیٹوں میں سے طاقت دلیری اور شجاعت و مردانگی میں کون سب سے زیادہ تھا؟

سیدھی : میرا خیال ہے ہرکلیس سے بہتر کوئی نہیں تھا۔

الٹی : کسی شخص نے آج تک بتایا کہ ہرکلیس ٹھنڈے پانی سے نہاتا تھا ؟ حالانکہ تم خرد تعلیم کرتی ہو کہ وہ سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔

سیدھی : یہ تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اب یہی دستور پڑتا جا رہا ہے کہ ہمارے نوجوان ہر وقت حماموں میں گھسے رہتے ہیں، شور کرتے ہیں اور ورزش گاہیں ویران پڑی رہتی ہیں۔

الٹی : ٹھیک ! تو یہ زمانہ کا دستور ہے اور تم اسے قابل ملامت گردانتی ہو حالانکہ اس کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں ہے۔ مجھے اس پر بھی اعتراض ہے کہ تم انھیں عوامی جگہ سے منع کرتی ہو۔ کیا خطابت بری بات ہے ؟ تو پھر ہومر نے اپنے نسطوری خطبات کیوں مرتب کیے ؟ اپنے ہوش مند لوگوں کو خوش گفتار کیوں بنایا ؟ کیا یہ سب لوگ بے عقل تھے ؟ آپ کا کہنا ہے کہ نوجوانوں کو ایسی طلاقت لسانی نہیں حاصل کرنی چاہیے۔ اور آپ ان کو پرہیز گاری کا درس دیتی ہیں۔ میں کہتی ہوں۔ یہ دونوں ہی باتیں مہمل ہیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا کوئی ایسا قابل قدر شخص گزرا ہے جو پرہیز گار رہا ہو۔ میں غلطی پر ہوں تو تم ثابت کرو۔

سیدھی :۔ کیوں نہیں ؟ بہت سے دیوتاؤں نے اسی پرہیز گاری کی بنیاد پر پیلیس کو اپنی مقدس تلوار عنایت کی تھی۔

الٹی : تلوار ! ہاہا ! اس کو تلوار سے کیا حاصل ہوا ؟ بے چارہ سادہ لوح پیلیس جنگ و جدال میں پھنس گیا اور اس سے حقیر پیشہ کا آدمی چراغ بنانے والا ہا ئیپر بولس بے شمار دولت ـــــ کھنکھناتے سکوں ـــــ کا مالک بن گیا۔ اسے تلوار کی ضرورت بھی کیا تھی ؟

سیدھی : لیکن اس کے زہد ہی کی وجہ سے تھیٹس نے اسے اپنا شوہر بنا لیا اور اس کے بستر کی زینت بنی۔

الٹی : اور پھر اسی نے اس کو چھوڑ دیا کیوں کہ وہ بہت ہی سرد مہر لاغر اور مجہول تھا اور وہ تنومند و پرجوش تھی۔ وہ اس کے لیے بستر کا اچھا ساتھی ثابت نہ ہوا اور اس نے اپنی تسکین کا سامان کہیں اور تلاش کر لیا۔ زہد و اتقا کا یہ نتیجہ نکلا۔

[فیدیپڈیز سے] اب جناب اگر آپ زہد و پارسائی اختیار کرتے ہیں تو اس کو باقی رکھنے کے لیے آپ کو کیسی کیسی مسرتوں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ وہ تمام مسرتیں جو شاہد و شراب اور تفریح و دل لگی سے حاصل ہوتی ہیں، آپ کو قربان کر دینی پڑیں گی۔ اور ذرا سوچیے ان تمام خوشیوں سے محروم ہو کر زندگی کس کام کی؟ پھر ذرا یہ بھی تو خیال کیجیے کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے۔ اگر آپ کے قدموں کو لغزش ہو اور محبت میں گرفتار ہو جائیں بس پھر پھنس جاتے ہیں اور برباد ہو جاتے ہیں۔ آہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر آپ مجھ سے تعلیم حاصل کریں تو ہر حال میں خوش رہ سکتے ہیں۔ سیر و تفریح تماشا و دل لگی کی تمناؤں کو پورا کر سکتے ہیں اور اگر کسی معاشقے میں رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں تب بھی اپنی بے گناہی ثابت کر سکتے ہیں اور اپنے معاملہ کو اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ آپ پر کوئی برائی نہ آئے۔ جیوپیٹر بھی تو متعدد بار عشق اور عورت کا شکار ہو چکا ہے۔ پھر یہ مٹی کا پتلا، فانی انسان، دیوتاؤں سے بڑھ کر ہوش مند، ثابت قدم اور پرہیز گار ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟

سیدھی : اگر ساگ بات ہی اس کا مقدر ہو چکے ہیں تو دلائل اس کو بدکار، اوباش کے الزام سے نہیں بچا سکتے۔

الٹی : اگر یہ بھی ہو تو بھی کیا فرق پڑتا ہے؟

سیدھی : اس سے زیادہ لعنت و بے حیائی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

الٹی : لیکن اگر میں تمھاری بات غلط ثابت کر دوں تو؟

سیدھی : میں خاموشی سے تمھاری جیت کا اعتراف کر لوں گی۔

الٹی : یہ بتاؤ ہمارے وکلا کیا ہیں؟

سیدھی : سب کے سب غنڈے اور اوباش۔

الٹی : ٹھیک! اور ہمارے شعراء؟

سیدھی : وہ بھی!

الٹی : خوب! بہت خوب! اور ہمارے خطیب و مقرر؟

سیدھی : وہ بھی اوباش!

الٹی : تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم ہار چکیں۔ ذرا اس مجمع پر نظر ڈالو، ان کو اچھی طرح دیکھو۔

سیدھی : ہاں میں دیکھ رہی ہوں۔

الٹی : کیا نظر آرہا ہے؟

سیدھی : خدا مجھے معاف کرے، لیکن یہاں تو ایک سے ایک اوباش موجود ہے۔ یہ صاحب جن کو میں دیکھ رہی ہوں، اور وہ بھی! اور یہ ادھر بھی! اور یہ زلفوں والے صاحب یہ بھی! میں ایک ایک کو خوب جانتی اور پہچانتی ہوں۔

الٹی : تو اب تم کیا کہتی ہو؟

سیدھی : تم جیتیں! میں ہاری۔
اے آزاد مشرب لوگو! میری عبا پکڑو۔ میں تمھاری اکثریت کے سامنے سپر انداز ہوتی ہوں۔

[چلی جاتی ہے۔ سقراط اور استریپ سیدیز داخل ہوتے ہیں]

سقراط : [استریپ سیدیز سے] تم اپنے بیٹے کو لے جاؤ گے یا چاہتے ہو میں اسے بولنا سکھاؤں؟

استر : ہاں ہاں! اسے سکھاؤ! اچھی طرح دماغ میں ٹھونس ٹھونس کر بھر دو۔ اس کی زبان خوب تیز کر دو۔ دونوں طرف سے دھار رکھو کہ ایک طرف سے چھوٹے موٹے مقدمات کا مقابلہ کر سکے اور دوسری طرف سے بڑے معاملات سے نمٹ سکے۔

سقراط : فکر نہ کرو۔ ہم اسے پکا سوفسطائی بنا دیں گے۔

استر : بالکل پکا؟ میرے بھروسے کا؟

سقراط : ہاں! بس اب تم جاؤ!

[استریپ سیدیز چلا جاتا ہے]

فید : تم اپنی ہی کمر کے لیے ڈنڈا تیار کرا رہے ہو۔

[سقراط بھی چلا جاتا ہے۔ طائفہ سامعین سے مخاطب ہے]

سردار طائفہ : اب ہم اپنے فاضل منصفوں کو بتاتے ہیں کہ اگر انھوں نے ہمارے حق میں انصاف سے فیصلہ کیا تو ان کو کیا انعام ملے گا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ہر فصل میں جب

آپ کاشت کرنا چاہیں گے تو آپ کی زمینوں پر ہم مینہ برسائیں گے اور آپ کے ہمسایوں کو انتظار کرنا پڑے گا۔ پھر آپ کے تاکستانوں، پھلوں اور غلہ کی حفاظت کریں گے کہ طوفان یا بارش کی کثرت ان کو برباد نہ کر دے۔ لیکن اگر فانی انسانوں میں سے کوئی ہماری بے حرمتی کرے گا تو اسے ادبار و لعنت کا نشانہ بننے کو تیار رہنا چاہیے۔ اپنی تمام زمینوں سے اسے کچھ کبھی حاصل نہیں ہوگا ـــــ نہ روزی نہ شراب ـــــ جب اس کے زیتون پر پھل آ چکے ہوں گے اور اس کے انگور پک کر تیار ہو گئے ہوں گے، ہم اسی وقت ان کو تباہ کر دیں گے۔ جب وہ اینٹیں گھڑ کر مکان بنانے کی تیاری کر رہا ہوگا، ہم برس پڑیں گے اور بارش و ژالہ باری سے اس کی اینٹوں اور چھت کو برباد کر ڈالیں گے۔ جب وہ شادی کر کے اپنی، اپنے دوستوں یا عزیزوں میں سے کسی کی دلہن کو گھر لاتا ہوگا تو ہم مسلسل دھواں دھار بارش کر دیں گے حتیٰ کہ وہ یہ آرزو کرنے لگے گا کہ کاش وہ مصر جیسے خشک ملک میں پیدا ہوا ہوتا اور اس نے ہماری قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر لیا ہوتا۔

استر : [اپنے گھر سے آتا دکھائی دیتا ہے۔ کندھے پر توشہ دان ہے، خود ہی بڑبڑا رہا ہے] لیجیے! پانچواں دن بھی ختم ہوا۔ چوتھا، دوسرا اور تیسرا بھی! سب دن گزر کر وہ دن آ گیا جو میرے لیے سب سے زیادہ بھیانک ہے ـــــ اس سے میں گھبراتا بھی ہوں اور نفرت بھی کرتا ہوں ـــــ یہ میرے لیے مصیبت بن کر آتا ہے ـــــ مہینہ کا آخری دن ـــــ ہر وہ آدمی جس کا میں مقروض ہوں دعویٰ دائر کر کے مجھے تباہ کرنے پر تل جاتا ہے۔ حالانکہ میں ان سے صرف اتنی معمولی سی بات چاہتا ہوں کہ "حضور! اتنا حصہ ابھی طلب نہ کیجیے، کچھ حصہ کی وصولی ملتوی کر دیجیے اور کچھ حصہ معاف کر دیجیے۔" وہ سب یک زبان ہو کر چلاتے ہیں۔ "نہیں! ہرگز نہیں! ان کی ادائیگی فوری ہونی چاہیے، یوں ہی ہوتا رہا تو ہماری رقمیں کبھی بھی ادا نہ ہوں گی۔" مجھے بے ایمان تصور کرتے ہیں اور دھمکاتے ہیں کہ عدالت سے چارہ جوئی کر کے وہ سب رقم وصول کر لیں گے۔ خیر! جو ان کی مرضی ہو کرنے دو۔ مجھے اب پروا نہیں۔ اب تو میرے بیٹے نے

گفتگو اور حیلہ سازی کا فن سیکھ لیا ہے۔ ابھی چل کر دیکھتا ہوں [دروازہ کھٹکھٹاتا ہے] بیٹا! بیٹا فیدیپدیز! ذرا ادھر آؤ!

[سقراط آتا ہے]

سقراط: آداب عرض!

استر: آداب عرض جناب! میری التجا ہے کہ [توشہ دان اتار کر دیتے ہوئے] یہ توشہ قبول فرمائیے۔ یہ حق استادی ہے اور آپ کے لیے میرے دل میں جو احترام ہے، اس کی علامت! اب ذرا اپنے نئے شاگرد میرے بیٹے کے بارے میں بتائیے۔ وہ کچھ راہ پر آیا؟ اور اس نے کچھ سیکھ لیا؟

سقراط: ہاں! وہ بڑا سمجھ دار ہے۔

استر: یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ مکر وریا کی دیوی زندہ باد!

سقراط: اب تمھیں اپنے قرض خواہوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کوئی بھی مقدمہ ہو اب جیت تمھاری ہوگی۔

استر: خواہ اس بات کی قوی شہادت موجود ہو کہ میں نے قرض لیا ہے؟

سقراط: خواہ کچھ بھی ہو! خواہ ایسی ہزار شہادتیں بھی موجود ہوں۔

استر: [سرمستی کے انداز میں] اب میں خوشی کے نغمے بلند کروں گا اور ناہنجار قرض خواہ اور سود خور اپنی اصل رقم اور سود در سود کو یاد کریں گے اور سر پکڑ کر روتے رہیں گے۔ اب وہ کبھی بھی میرے اوپر ظلم نہیں کر پائیں گے۔ ان کے سب کھاتے دھرے رہ جائیں گے اور وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب میرے بیٹے کا کیا جواب ہے، جس کی تربیت اس گھر میں ہو رہی ہے اور جس کو شاندار دودھاری زبان مل گئی ہے جو میرے دشمنوں کو دہشت زدہ کر دے گا۔ میرے گھر کی بقا کا ضامن ہوگا اور اپنے باپ کو سہارا دے کر ہر خوف سے نجات دلا دے گا۔ چلو ذرا اسے بلاؤ تو سہی کہ وہ مجھ سے مل لے۔ میں اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں "بیٹا! آؤ! اپنے باپ سے ملو۔"

[فیدیپدیز آتا ہے]

سقراط: لو وہ آگیا۔

استر: آؤ میرے پیارے بیٹے!

سقراط: اب تم اسے لے جا سکتے ہو۔

استر: واہ واہ! میرے بیٹے! اب تو تمھارا چہرہ بڑا عمدہ لگتا ہے۔ اس سے حیلہ سازی چال بازی اور جھگڑالو پن ٹپک رہا ہے۔ اب تو سخن سازی میں تمھاری زبان ماہر ہو گئی ہے کہ موقع ہو تو کہہ سکو "کیا کہہ رہے ہو؟ کیا بات ہے؟" خود الزام سے بری الذمہ ہو کر دوسرے کے سر تھوپ سکتے ہو اور اس طرح گنہ گار کو معصوم اور ظالم کو مظلوم ثابت کر سکتے ہو۔ ہاں تو ذرا میں بھی تو تمھارا کمال دیکھوں میرا بھی تو تم پر حق ہے۔ تم نے کبھی مجھے تباہ کیا تھا اب مجھے بچاؤ بھی تو سہی۔

فید: کیا بات ہے؟ آپ کیوں پریشان ہیں؟

استر: یہ چاند پریشان کن ہے۔ آج کا دن جو نیا بھی ہے اور پرانا بھی ——!

فید: ایک ہی دن نیا بھی اور پرانا بھی۔ کیسی عجیب بات ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟

استر: ہاں! یہی تو دن ہے کہ میرے قرض خواہ یلغار کریں گے اور دعویٰ دائر کرنے کی دھمکی دیں گے۔

فید: کرنے دیجیے۔ وہ دعویٰ دائر کریں گے تو منھ کی کھائیں گے۔ کیوں کہ ایک دن کا دو ہونا ناممکن ہے۔

استر: ناممکن! کیسے؟

فید: کیسے کیا؟ کیا کوئی عورت ایک ہی وقت میں جوان اور بوڑھی دونوں ہو سکتی ہے؟

استر: وہ قانون سے بات کرتے ہیں اور قانونی دفعات ان کی تائید کرتی ہیں۔

فید: میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ خود ہی قانون کے معنی نہیں سمجھتے۔

استر: مگر یہ کیسے؟

فید: سولن بڑا جمہوریت پسند اور لوگوں کا غمخوار تھا۔

استر: مگر اس سے نئے اور پرانے چاند کا کیا تعلق؟

فید: اس نے کارروائی کے لیے دو دن مقرر کیے۔ پیشی اور سماعت کے لیے ایک اور ادائیگی کے لیے دوسرا۔

استر : مگر دو دن کیوں مقرر کیے ؟

فید : تاکہ ایک دن لوگوں کو ان کے قرضوں سے آگاہ کر دیا جائے اور دوسرے دن ان سے بچ نکلنے کا موقع فراہم ہو جائے ۔ ورنہ نئے چاند پر وہ مجبور ہو جائیں اور پکڑ لیے جائیں ۔

استر : لیکن اس صورت میں تو مجسٹریٹ کو ماخوذین سے نئے چاند پر وصول کر لینا چاہیے ، نہ کہ نئے اور پرانے چاند کے دن ۔

فید : میرا خیال ہے وہ دعوتوں پر ہاتھ مارتے ہیں ۔ اور ایک دن پہلے ہی وہ اپنی جیبیں بھر لیتے ہیں ۔

استر : بہت خوب ! تو بس اے احمق قرض خواہو تم ہوا کھاؤ ۔ ہوش مند لوگ تو ہم ہیں ۔ تم ہو نرے گدھے ! بے وقوف اور کاٹھ کے الو ! تم بے زبان بھیڑوں کی طرح ہو کہ ہم عقلمندوں کا شکار بنتے رہو ۔ میں اور میرا بیٹا ! اب تو ہماری جیت ہی جیت ہے ۔ اس بیٹے پر کون فخر نہیں کرے گا جو اتنا زیرک اور چالاک ہو ۔ اب تو میرے اعزا اور دوست سب میرے اور میرے بیٹے کے معترف ہو جائیں گے اور اس بات پر رشک کریں گے کہ کس طرح ہم ہر مقدمہ جیت جاتے ہیں ۔ آؤ بیٹا ! آؤ اور مزے سے دعوت اڑاؤ ۔

[دونوں اپنے گھر میں چلے جاتے ہیں ۔ قرض خواہ پاسیا ایک گواہ کے ساتھ آتا ہے ۔]

پاسیا : کیا آدمی کو اپنے روپے سے دست بردار ہو جانا چاہیے ؟ نہیں ہرگز نہیں ! اس مصیبت میں پھنسنے سے تو بہتر تھا کہ میں اسی وقت بے شرمی سے انکار کر دیتا ۔ اب اپنے قرضہ کی رقم وصول کرنے کے لیے میں تمھیں گواہ بنا کر یہاں گھسیٹ لایا ہوں خواہ شہر کے تمام لوگ ہی مجھ سے ناراض ہو جائیں ، مگر میں بھی تو ایسا گیا گزرا نہیں ہو گیا ہوں ۔ استریپ سیدیز کو بلاتا ہوں [دروازہ کھٹکھٹاتا ہے] استریپ سیدیز !

استر : [اندر سے آتے ہوئے] کون بھئی ؟

پاسیا : پرانا اور نیا دن آیا ہے ۔

استر : [تماش بینوں سے] گواہ رہنا کہ اس نے دو دنوں کا ذکر کیا ہے۔ [پاسیا سے] مگر یہ تو بتایئے کس لیے؟

پاسیا : آپ نے مجھ سے بارہ پونڈ قرض لیے تھے کہ اپنے بیٹے کے مشکی گھوڑے کی قیمت چکا دیں۔

استر : میں اور گھوڑا؟ آپ لوگ سن رہے ہیں؟ آپ لوگوں کو تو خوب معلوم ہے کہ میں شہ سواری سے نفرت کرتا ہوں۔

پاسیا : لیکن تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ تم یہ رقم ادا کر دو گے۔

استر : ممکن ہے میں نے قسم کھائی ہو لیکن اس وقت تک تو میرے بیٹے نے نئے ناقابل تردید استدلال کا فن نہیں سیکھا تھا۔

پاسیا : تو کیا تم اب یہ کہنا چاہتے ہو کہ اب تم اس قرض سے مکر جاؤ گے؟

استر : اور نہیں تو کیا؟ اس کی تمام تر تعلیم کس کام آئے گی؟

پاسیا : کیا جہاں میں کہوں گا تم قسم کھا کر کہہ دو گے کہ تمھارے اوپر میرا کوئی قرض نہیں ہے؟ اور یہ جانتے ہوئے بھی قسم کھا لو گے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو؟

استر : کس کی قسم؟

پاسیا : جیوپیٹر کی —— ہرمیس کی —— سمندر کے دیوتا کی ——

استر : کیوں نہیں؟ خوشی خوشی قسم کھاؤں گا اور اس خوشی میں کچھ پیسے نذر کر دوں گا۔

پاسیا : تمھاری اس بے حیائی پر بھی لعنت! بدبخت کہیں کے!

استر : تمھاری کھال کو تو اگر نمک کے ساتھ کمایا جائے تو اس سے بہت اچھا مشکیزہ بن جائے گا۔

پاسیا : اب میرا مذاق بھی اڑا رہے ہو؟

استر : ——اور اس میں کم از کم چھ گیلن شراب آجائے گی۔

پاسیا : اب جیوپیٹر اور دوسرے دیوتا میری مدد کریں۔ اس تمسخر کا کھگتان تو تمھیں بھگتنا ہو گا۔

استر : تمھارے دیوتاؤں سے تو میں خوب واقف ہوں۔ وہ بھی عجیب وغریب ہستیاں ہیں۔ اور رہ گیا تمھارا جیوپیٹر تو واقف کار لوگ تو اسے محض ایک حماقت تصور کرتے ہیں۔

پاسیا : اچھا بھئی اچھا! جلدی وہ وقت آئے گا جب تم پچھتاؤ گے کہ کاش تم نے ایسے الفاظ نہ کہے ہوتے۔ مگر تم میرا قرض بھی ادا کرو گے یا نہیں؟ جواب دو اور مجھے تو فارغ کرو۔

استر : تم پریشان نہ ہو! ابھی تمھیں مطمئن کر دیا جائے گا۔ [اندر چلا جاتا ہے]

پاسیا : تمھارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟

گواہ : وہ قرض ادا کر دے گا۔

[استر پپ سیدیز آتا ہے]

استر : کہاں ہے میری جان کھانے والا قرض خواہ؟ ہاں تو بھئی ادھر آؤ! تم اس چیز کو کیا کہتے ہو؟

پاسیا : تغاری یا ہم اسے کونڈا بھی کہتے ہیں۔

استر : جاؤ بھاگ جاؤ۔ اس خیال میں مت رہو کہ میں ایسے احمق کو اپنا روپیہ دے دوں گا جو تغاری کو کونڈا کہتا ہے ــــ یہ تو کونڈی ہے کونڈی ــــ جاؤ جاؤ! دفع ہو جاؤ۔ تمھیں تو میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا۔ تم جانو اور تمھارا کونڈا۔

پاسیا : تو کیا واقعی تم میرا قرض ادا نہیں کرو گے؟

استر : نہیں، ہرگز نہیں! اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میرے گھر سے نکل جاؤ۔

پاسیا : اچھا تو میں جا رہا ہوں۔ لیکن یقین کرو اگر میں زندہ ہوں تو شام سے پہلے پہلے میں تم پر دعویٰ دائر کر دوں گا۔

استر : تم اس میں بھی منہ کی کھاؤ گے اور بارہ پونڈ تو گئے ہی سمجھو۔ تمھارے نقصان کا افسوس ہے لیکن میں کر بھی کیا سکتا ہوں؟

[پاسیا اور گواہ دونوں چلے جاتے ہیں۔ دوسرا قرض خواہ امینیا لنگڑاتا ہوا گواہ کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔]

امینیا : اف! آہ! مرا!

استر : یہ کون کراہ رہا ہے؟ کوئی بھوت تو نہیں؟

امینیا : کیا مجھے بھی نہیں پہچانتے سمجھ لو میں ایک مصیبت کا مارا ہوں۔

استر : ہاں ہاں مصیبت زدہ ہو گے! جاؤ جاؤ اپنا کام کرو!

امینیا : آہ! کیا بدنصیبی ہے! قسمت کے ظالم ہاتھ نے میری رتھ کو چکنا چور کر دیا! اف خدایا! مجھے تو تباہ کر دیا۔

استر : کیا ہوا؟ کیا تکلیف ہے؟ خدا کو کیوں الزام دے رہے ہو؟

امینیا : میری مصیبت کا مذاق مت اڑاؤ۔ اپنے بیٹے سے کہو کہ اس نے جو روپیہ قرض لیا تھا ادا کر دے۔ اس وقت تو میں مصیبت میں ہوں اور نہایت شدید ضرورت ہے۔

استر : روپیہ! کیسا روپیہ؟

امینیا : جو اس نے مجھ سے قرض لیا تھا۔

استر : قرض؟ میرا خیال ہے کہ اس حادثہ کا تم پر برا اثر ہوا ہے۔

امینیا : بھئی ہاں! وہ تو واقعی ہوا ہے۔ میرے گھوڑے نے مجھے پٹخ دیا۔

استر : گھوڑے نے! تم بھی کیا مہمل باتیں کرتے ہو۔ گدھے ہو گدھے!

امینیا : مہمل! میرا محنت کا اور جائز روپیہ مہمل نہیں ہے۔ اس کی واپسی کا تقاضا مہمل بات نہیں ہے۔

استر : تمھاری طبیعت شاید ٹھیک نہیں ہے۔

امینیا : تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

استر : بس یہی کہ تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

امینیا : مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جلد ہی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو گے۔ تم میرا روپیہ ادا کر دو۔

استر : اچھا یہ بتاؤ کہ جب جیوپیٹر بارش برساتا ہے تو ہر بار نیا پانی برستا ہے یا یہ وہی پانی ہوتا ہے جو سورج کے اثر سے ابخرات بن کر آسمانوں میں چلا جاتا ہے۔

امینیا : مجھے نہیں معلوم! نہ میں ایسی خرافات میں سر کھپاتا ہوں۔

استر : ایسا آدمی جو اتنی سی بات بھی نہیں جانتا کیا حق رکھتا ہے کہ وہ روپیہ کا مطالبہ کرے؟

امینیا : اچھا اس وقت اگر تمھارے پاس پورا روپیہ نہیں ہے تو کم از کم سود تو ادا کر ہی دو۔

استر : یہ کیا چیز ہوتی ہے؟ تم سود کسے کہہ رہے ہو؟

امینیا : یہ وہ چیز ہوتی ہے جو دن بہ دن اور ماہ بہ ماہ بڑھتی رہتی ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، قرض زیادہ اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

استر : خوب! مگر یہ تو بتاؤ کہ کیا سمندر کبھی پہلے سے بڑا ہو گیا ہے؟

امینیا : نہیں! وہ تو بس اتنا ہی ہے۔ وہ اگر بڑھنا شروع ہو تو غضب ہو جائے۔

استر : سمندر جس میں اتنے سارے دریا گرتے رہتے ہیں ذرا سا بھی نہیں بڑھتا۔ اور تمھارا قرض برابر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ نکل جاؤ یہاں سے! ذرا لانا میرا کوڑا۔ میں اس کے دماغ درست کر دوں۔

امینیا : میں تمھارے خلاف گواہ پیش کروں گا۔

استر : [کوڑا پھٹپھناتے ہوئے] دور ہو! نکلو یہاں سے! شیطان کی اولاد! دفع ہو جاؤ۔

امینیا : [سامعین کی طرف مخاطب ہوکر] یہ تو سراسر ظلم ہے! ظلم!

استر : میں کہتا ہوں دفان ہو جاؤ! ورنہ مارے کوڑوں کے تمھارا کچومر نکال دوں گا اور تمھاری ساری دیوانگی جھاڑ دوں گا۔ اپنی گھوڑا گاڑی لے کر اڑ جاؤ [امینیا کو باہر نکال دیتا ہے]۔

طائفہ : گناہ میں بھی کیسی دل کشی ہے۔ اس بوڑھے آدمی کی خواہش نفس نے اس کو کیسا بے حیا بنا دیا ہے کہ دوسرے کے قرض کا روپیہ ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔ وہ کتنی بھی چالاکیوں سے کام لے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ایک دن اس کو اپنی ان فریب کاریوں پر پچھتانا پڑے گا۔ ابھی وہ سمجھتا ہے کہ اس کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور اس نے اپنے بیٹے کو غلط تاویلات کا ماہر بنا کر عقل مندی کا کام کیا ہے تاکہ وہ دوسروں کو دھوکا دے سکے اور غلط کو صحیح ثابت کر سکے۔ لیکن وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کا بیٹا ایک لفظ بھی نہ بول سکتا۔

[استریپ سیدیز دوڑتا ہوا باہر آتا ہے۔ پیچھے پیچھے اس کا بیٹا جھپٹا چلا آرہا ہے]

استر : بچاؤ بچاؤ! مدد مدد! خدا کے لیے مجھے بچاؤ! ارے دوستو! ارے عزیزو! اے

پڑوسیو! مدد کرو! میری کھوپڑی اڑ گئی۔ میرے جبڑے ٹوٹے۔ رخسار زخمی ہوئے، کوئی تو بچاؤ! ارے بدکردار! تو اپنے باپ کو ہی مار رہا ہے۔

فید : ہاں ہاں!

استر : دیکھو دیکھو! غضب خدا کا! وہ اپنے مارنے کا اعتراف بھی کر رہا ہے!

فید : ہاں ہاں! میں اعتراف کرتا ہوں۔

استر : ارے ناہنجار! بدبخت! پدرکش!

فید : ہاں ہاں! کہتے رہو۔ اور بھی کچھ کہو۔ خوب گالیاں دو۔ مجھے تو گالیاں کھا کر مزا آتا ہے۔

استر : بدمعاش! لفنگے!

فید : یہ تو پھول ہیں! خوب برساؤ!

استر : بدذات! اپنے باپ ہی کو مارنے پر تلا ہوا ہے۔

فید : کیا ہرج ہے؟ میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہا ہوں۔

استر : بے حیا! اپنے باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا، اس کو مارنا پیٹنا کون سی ٹھیک بات ہے؟

فید : اس کا ٹھیک ہونا میں ابھی ثابت کر سکتا ہوں۔

استر : تم یہ بات ثابت کر کے مجھے مطمئن کر دوگے؟

فید : یہ تو الٹے ہاتھ کی بات ہے۔ ایک طرح نہیں، کئی طریقے سے ثابت کر سکتا ہوں۔ تمھیں کون سا طریقہ پسند ہے؟

استر : کیا مطلب؟

فید : میں الٹے اور سیدھے دونوں طریقوں سے ثابت کر سکتا ہوں۔ تمھیں جو بھی پسند ہو۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوگا۔

استر : اف! میں نے تمھیں تعلیم دلائی، تربیت دلائی کہ تم حجت کر سکو اور اس کا یہ انجام! تم اپنے باپ کی مرمت کرو اور پھر اپنی اس نازیبا حرکت کو جائز اور صحیح ثابت کرو!

فید : لیکن میں ثابت کر کے تمھیں مطمئن کر سکتا ہوں۔ میری بات سنو تو پھر تم خود ایک

لفظ بھی نہیں کہہ سکو گے۔

استر : میں بھی تو سنوں تم کیا کہنا چاہتے ہو! مگر مار پیٹ تو نہ کرو۔

طائفہ : بڑے میاں! اب ذرا خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے غور کرو! اگر اس کو اپنی بات کا پختہ یقین نہ ہوتا تو وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کسی بات نے تو اس کو ہمت بخشی ہے۔ اس کی بے خوفی تو عیاں ہے لیکن پہلے ہم سنیں تو سہی کہ یہ جھگڑا کیسے کھڑا ہوا۔ اب ہمارے سامنے ساری بات از اول تا آخر صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک بیان کرو۔ پھر ہم تمھارے درمیان فیصلہ کریں گے۔

استر : اچھا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں بتاتا ہوں کہ یہ جھگڑا کیسے شروع ہوا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تو ہم بیٹھ گئے کہ کچھ دیر خوش وقتی میں گزاریں۔ میں نے اس سے کہا کہ ذرا اپنی بانسری نکال لو اور قدیم گیت "میمنے کی حجامت کیسے ہوئی،" گا کر ہمیں محظوظ کرو۔ مگر وہ جھٹ سے بولا کہ یہ تو فرسودہ بات ہے کیونکہ شرابی لوگ جب اپنے جام بھرتے ہیں تو گانے بجانے لگتے ہیں جیسے پنہاریاں گاتی ہیں۔

فید : کیا یہی کافی سبب نہیں تھا کہ میں تمھاری مرمت کروں؟ تمھیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ تم مجھ سے گانے کے لیے کہتے ہو —— گویا تمھارے دستر خوان پر کوئی انسان نہیں، بلکہ جھینگر تھا؟

استر : ذرا دیکھیے تو سہی! میرے ہی گھر میں مجھ سے ایسی باتیں کہی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ! کیوں کہ پھر وہ یہ بھی کہنے لگا کہ سائمونیدیز تو بہت ہی گھٹیا شاعر تھا۔ یہ میرے لیے ناقابل برداشت بات تھی، لیکن میں اسے بھی پی گیا اور بات کو رفع دفع کرنے کے لیے میں نے اس سے کہا کہ اچھا ایسکلس کا کچھ کلام سناؤ۔ اس پر وہ تڑ سے بولا کہ تمھارا ایسکلس تو محض بسیار گو، لفاظی کا ماہر ہے۔ اس کا کلام بے ربط، ناہموار اور درشت ہوتا ہے۔ وہ شور و شر زیادہ کرتا ہے۔ میں تو اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔ اس پر تو میرے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی لیکن میں نے پھر بھی ضبط کیا اور اس سے کہا کہ اچھا اپنے جدت پسندوں میں سے اپنی پسند کا کچھ کلام سناؤ۔ تو جناب! آپ یقین نہیں

کریں گے اس نے یوری پیڈیز کی کوئی کہانی گانا شروع کردی۔ خدا بچائے اور میرے کانوں میں تو ایسی بات پھر نہ پڑے۔ یہ کہانی تھی کہ ایک بدنصیب ماں کا بیٹا اور بیٹی جنسی ملاپ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات میری قوت برداشت سے باہر تھی اور میرے منہ سے کچھ گالی گفتار نکل گئی۔ اس نے بھی لوٹ کر بدکلامی کی اور یہ سلسلہ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ میرے اوپر جھپٹا اور گھونسے اور تھپڑ مارنا شروع کردیے اور دھکّے دے دے کر زمین پر گرا دیا۔

فید : کیا تم اسی کے مستحق نہیں تھے کہ یوری پیڈیز جیسے ذہین اور عالی مرتبت شاعر کے بارے میں ایسے نازیبا کلمات استعمال کرتے ہو۔

استر : ذہین! عالی مرتبت! بس میں تمھیں کیا کہوں! میں کچھ کہوں گا تو تم پھر مار پیٹ شروع کردو گے۔

فید : یقیناً! اور یہ بالکل درست اور مناسب بات ہوگی۔

استر : مناسب! بے شرم کہیں کے! مجھے مارتے ہوئے تمھیں شرم کبھی نہیں آتی تم بچے سے تھے تو تمھیں گودی میں لے کر پیار کرتا اور اپنے گھٹنوں پر جھولا جھلاتا تھا۔ ہر ہر قدم پر تمھاری نگہبانی کرتا تھا اور تمھاری ہر ضرورت خوشی خوشی پوری کرتا تھا۔ تمھارے منہ سے لفظ بھی نہیں نکلتا تھا کہ میں اس کی تعمیل کرتا تھا۔ تم 'مما' کہتے تھے اور میں پانی حاضر کر دیتا تھا اور جب تم "اتی، اتی" چلاتے تھے تو میں فوراً روٹی لے کر دوڑتا تھا۔ یہی نہیں اتنا کے میلے کام بھی میں نے تمھارے لیے انجام دیے۔ تم چھچھی کہتے تھے اور میں تمھیں گود میں لے کر دوڑتا تھا اور اپنے ہاتھوں میں سنبھال کر تمھیں فراغت کراتا تھا اور اب تمھیں میرے حال پر ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ گھونسے مار مار کر میرا پلیتھن نکال دیا۔

طائفہ : اب تمام نوجوان دل دھڑک رہے ہوں گے اور ان الزامات کا جواب سننے کے لیے بے تاب ہوں گے۔ کیوں کہ اگر اس نے اپنی بات کو ٹھیک ثابت کر دیا اور ایسے اعمال کی چھوٹ مل گئی تو مار پیٹ اتنی عام ہو جائے گی کہ بوڑھوں کی کھال مار کھاتے کھاتے مکڑی کا جالا بن جائے گی۔ اچھا تو اب اس جدید اور پرفریب دستور کے حامل اپنے خیالات کا اظہار کریں اور اپنے اعمال کی تائید میں جو کچھ

کہنا ہو کہیں۔

فید : یہ بڑی مبارک بات ہے کہ تعصبات سے بالاتر ہو کر نئے تصورات کو بھی قبول کیا جاتا رہے اور فرسودہ رسم و رواج اور اخلاق کو ترک کر دیا جائے۔ ایک زمانہ تھا جب مجھے اصطبل اور گھوڑوں کے علاوہ کسی چیز سے سروکار ہی نہ تھا اور تب میں دو جملے بھی مشکل سے اٹک اٹک کر ادا کر سکتا تھا لیکن جب سے میرے والد صاحب نے مجھے اس بد مذاقی سے نکالا اور مجھے بہتر باتوں کا اور لطیف خیالات کا علم ہوا اور منطق موشگافیوں پر مجھے عبور حاصل ہوا۔ تبھی سے میرے اندر یہ اعتماد پیدا ہو گیا کہ میں سامعین کو اس بات پر مطمئن کر سکتا ہوں کہ ان پرانے پاپیوں یعنی والدین کی مرمت کرنا کسی بھی طرح غیر اخلاقی حرکت نہیں ہے۔

استر : لعنت تم پر! جاؤ اپنے اصطبل میں مرو اور خوب گھڑ سواری کرو۔ میں ان سب کا خرچ اٹھا لوں گا تاکہ اس سے تو بچ جاؤں کہ تم مار مار کر میرا کچومر نکال دو۔

فید : وہ سلسلہ تو بیچ میں ہی رہ گیا۔ ذرا پہلے وہ بات تو پوری کر لیں۔ یہ تو بتائیے جب میں بچہ تھا تو کبھی آپ نے میرے بھی گھونسے لگائے تھے؟

استر : ہاں ہاں! میں تم سے محبت کرتا تھا اور تمھاری بھلائی چاہتا تھا۔ اس لیے تمھاری غلط عادتوں کی اصلاح کرنا ضروری تھا۔

فید : تو جناب کیا میرا فرض نہیں ہے کہ میں بھی آپ سے ایسی ہی محبت کا سلوک کروں۔ آپ کی بھلائی کا خیال رکھوں اور جب ضرورت ہو مرمت کر کے آپ کی اصلاح کرتا رہوں۔ اگر مار پیٹ محبت کا تقاضا ہے تو آپ ہی اس سے کیوں محروم رہیں؟ آزادی میرا بھی پیدائشی حق تھا! اگر خوردوں پر کوڑے پڑنے چاہییں تو بزرگ ہی اس سے کیوں بچیں! اگر بیٹے آنسوؤں سے منھ دھوتے ہیں تو کیا باپوں کو نہیں رونا چاہیے؟

استر : یہ کہاں کا انصاف ہے؟

فید : اور یہی کہاں کا انصاف ہے کہ بچے ہی مار کھاتے رہیں اور ان کو برابر تنبیہہ کی جاتی رہے؟ اچھا میں نے یہ بھی مان لیا لیکن تم ہی یہ کہا کرتے تھے کہ بڑھاپا بھی دوسرا بچپن ہی ہے۔ اگر گھونسوں کے بعد آنسو بہتے ہیں تو کیا یہ مناسب

نہیں ہے کہ بوڑھے اپنی تقصیرات کو آنسوؤں میں بہادیں۔ بچوں کی خطاؤں کا تو پھر بھی عذر پیش کیا جاسکتا ہے، بزرگوں کی غلطیوں کا کیا جواز ہے؟

استر : ایسا تو کہیں بھی نہیں ہوتا۔ یہ کہاں کا قانون ہے؟

فید : تمھارا قانون بنانے والا بھی کوئی انسان ہی ہوگا ــــــ بالکل ہماری تمھاری طرح کا۔ اس نے دلائل سے اپنی بات کو منوایا ہوگا اور امتداد زمانہ کے ساتھ اس کو تسلیم شدہ حقیقت مان لیا گیا۔ اب نوجوانوں کی حمایت میں ان کی جگہ نئے قوانین بنائے جائیں گے کہ خورد اپنے بزرگوں کو مناسب تادیب کرسکیں تاکہ ان کی اصلاح نفس ہوتی رہے۔ اس نئے قانون کے نفاذ سے پہلے جو مار پیٹ بزرگوں نے کی ہے، اسے ہم معاف کرتے ہیں۔ ماضی کے گھونسوں کا بدلہ اب نہیں لیا جائے گا۔ فطرت پر نظر ڈالو۔ جانوروں کو دیکھو۔ مثلاً مرغوں ہی کو لو۔ وہ سب کے سب اپنے باپوں کو مارتے ہیں۔ ان کی فطرت بھی تو حضرت انسان سے مختلف نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کے پاس کوئی مرتب قانون نہیں ہے اور وہ بغیر کسی ضابطہ کے بھی اپنے حق کا استعمال کرلیتے ہیں۔

استر : اگر تمھارے سارے علم و تحقیق کا منتہا یہی ہے کہ تم مرغوں کے طریقے اختیار کرو تو پھر تم کوڑی پر جاکر اپنا پیٹ بھرو اور چھتریوں پر بیٹھ کر اپنی رات بسر کرو۔

فید : یہ کہاں سے ثابت آتا ہے؟ ان دونوں باتوں میں کوئی بھی تو مطابقت نہیں استاد سقراط بھی تو ایسی مہمل بات سے اتفاق نہیں کریں گے۔

استر : تو اب مجھے مت مارنا۔ ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔

فید : کیسے؟

استر : کیوں کہ آج تمھیں مارنے کا جو اختیار مجھے حاصل ہے، کل تمھارا بیٹا ہوگا تو تمھیں حاصل ہوگا۔

فید : اور اگر نہ ہوا؟ اور میں کہتا ہوں خدا کرے نہ ہو تو میرے سارے دکھ تو یوں ہی رہ جائیں گے اور تم مزے سے مر کر چلتے بنوگے۔

استر : [سامعین سے] بات تو سچ کہتا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات میں وزن معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم بوڑھے پرانے پاپی مار کھانے کا کام کرتے ہیں تو ہمیں

اس کو بھگتنا چاہیے۔ اپنے چھوٹوں کو یہ چھوٹ دینا نامناسب نہیں ہوگا۔

فید : سنیے تو سہی! ابھی تو اور بھی بات باقی ہے، اس پر بھی تو غور کیجیے۔

استر : بس تو میرا کام تو تمام ہوا۔ اب اور برداشت نہیں ہے۔

فید : گھبراؤ نہیں۔ اطمینان رکھو۔ اب جو بات میں کہنے والا ہوں اس سے تمھاری دل بستگی ہو جائے گی۔

استر : اچھا تو کہو۔ وہ کون سی بات ہے جس سے میری دل بستگی ہوگی؟

فید : اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جس طرح تمھاری مرمت کی ہے اسی طرح ماں کی بھی مرمت کروں گا۔

استر : کیا؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یہ تو اور بھی بدتر بات ہوگی۔

فید : لیکن اگر میں اس بدتر بات کا درست اور اخلاقی طور پر مفید ہونا ثابت کر دوں تو؟

استر : بھاڑ میں جاؤ تم اور تمھارا ثبوت اور تمھارا استاد سقراط بھی! تم دونوں ہی پھانسی لگا کر خودکشی کر لو تو مجھے غم نہیں ہوگا۔ اے بادلوں کی منحوس دیویو! یہ سب اسی کا نتیجہ ہے کہ اپنے معاملات میں نے تمھیں سونپ دیے۔

سردار طائفہ : برے نتائج برے اسباب سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تمھاری آج کی مصیبت تمھارے ہی اعمال کی پیدا کردہ ہے۔ تم اپنے علاوہ کسی کو بھی الزام نہیں دے سکتے۔

استر : یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی گئی؟ تم نے مجھے بوڑھا دیکھ کر میری سادگی اور کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور مجھے تختۂ مشق بنا ڈالا۔

سردار طائفہ : گناہ کے خواہش مند کو متنبہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم اسے روکتے نہیں، اس کو ڈھیل دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آوردہ مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے اور وہ دیوتاؤں کا احترام کرنا سیکھ پاتا ہے۔

استر : مجھے ان غموں کا تو دکھ ہے لیکن قصور تو میرا ہی ہے۔ میں دھوکا دے کر اپنے قرض سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے میری اس بدنیتی کی سزا مل گئی۔ آؤ بیٹا! تم میری مدد کرو! اب ہم مل کر دھوکہ باز کیریفون اور سقراط دونوں کو مزا چکھا دیں گے جنھوں نے ہمیں ایسا چکمہ دیا۔

فید : اوہ! خدا کی پناہ! میں اپنے استادوں پر ہاتھ اٹھاؤں اور ان کے در پے آزار ہوں، ہر گز نہیں۔

استر : اس کو یوں مت سوچو۔ تمھیں اپنے اور اپنے آبا و اجداد کے دیوتا جوپیٹر کی عظمت و وقار برقرار رکھنے کے لیے ان سے انتقام لینا ہے۔

فید : میرا خیال ہے تم سٹری ہو گئے ہو۔ مجھ سے جوپیٹر کی بات کرتے ہو۔ اب ایسے کسی دیوتا کا وجود باقی نہیں ہے۔

استر : ہے بیٹا! وہ موجود ہے۔

فید : میں آپ سے بتاتا ہوں جناب! جوپیٹر اب کہیں بھی نہیں ہے۔ گردش نے اس کو تخت سے اتار پھینکا اور اب اسی کی حکمرانی ہے۔

استر : یہ فریب ہے اور محض عقل کا دھوکا! میں بھی کیسا احمق تھا، اس بھلاوے میں آگیا۔

فید : اب تم اپنی حماقتوں پر ہنسا کرو یا روؤ ـــــ اور اپنا تمسخر اڑاؤ۔

[چلا جاتا ہے]

استر : [اپنا سینہ پیٹتا ہے] بکواس! میں بھی کیسا احمق ہو گیا تھا کہ سقراط کے کہنے میں آ کر دیوتاؤں کا انکار کر بیٹھا۔ اے مشتری دیوتا! مجھے معاف کر! مجھ سے ناراض نہ ہو جا! میری خطا سے درگزر کر! میرے گناہوں پر میری گرفت نہ کر! میرے حال پر رحم کی نگاہ کر! ان کی مہمل باتوں سے میرا بھی دماغ خراب ہو گیا تھا اور میں نے تیری شان میں نازیبا کلمات کہے۔ اب مجھے روشنی دکھا اور ہدایت دے اور یہ مشورہ بھی کہ میں کیا کروں! کیا ان پر عدالت میں دعویٰ دائر کر کے ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤں یا ان کو سزا دینے کی کوئی اور صورت ہو سکتی ہے؟ ہاں یہ خیال تو نے خوب میرے دل میں ڈالا۔ قانونی چارہ جوئی کا سست عمل مناسب نہیں ہے۔ اس کو تو چھوڑا جائے اور ان منحوسوں کے گھروں کو آگ لگا کر تباہ کر دیا جائے۔ ان کا یہ مکاری کا اڈہ شعلوں کی نذر کر دیا جائے۔ زینتھیا! او زینتھیا! چلو جلدی سے اپنی سیڑھی اور کدال لے کر آؤ اور چھت پر چڑھ کر اس کی کڑیوں کو توڑ ڈالو۔ اس گھر کو مسمار کر کے ان کو اس کے اندر دبا دو۔ [زینتھیا چھت پر چڑھ جاتا ہے، کدال سے توڑنا شروع کر دیتا ہے۔ استریپ سی ڈیز بھی اوپر چڑھ جاتا ہے] جلدی کرو۔ بس آج تمھاری

وفاداری کا امتحان ہے۔ ارے کوئی مشعل تو لاؤ کہ اس گھر کو آگ لگا دی جائے۔
انھوں نے بہت سر اٹھایا تھا، آج ان بدمعاشوں کو تہس نہس ہی کر کے چھوڑ دوں گا۔

[نیچے اترتا ہے۔ ایک شاگرد دوڑتا ہوا باہر نکلتا ہے]

پہلا شاگرد : ارے! ارے یہ کیا آفت ہے؟

استر : [اوپر چڑھ کر جلتی ہوئی مشعل برگوں میں لگا دیتا ہے] ہاں میری مشعل! ذرا اپنا کام دکھا اپنے تیز شعلوں سے اسے بھسم کر دے۔

دوسرا شاگرد : تم کیا کر رہے ہو؟

استر : کرتا کیا، اس مکان کی کڑیوں کے شعلوں سے منطق کا قلع قمع کر رہا ہوں۔

تیسرا شاگرد : ارے مر گئے! ہمارے گھر کو کس نے آگ لگا دی؟

استر : اسی آدمی نے جس کو دھوکا دے کر تم نے اس کا چوغہ چھین لیا تھا۔

دوسرا شاگرد : ارے مار ڈالا! تباہ کر دیا!

استر : یہی تو میری دلی خواہش تھی۔ میری کدال کام پورا کر کے ہی ہٹے گی، ورنہ میں گردن کاٹ کر خودکشی کر لوں گا۔

[سقراط باہر نکلتا ہے]

سقراط : ارے کون ہے؟ چھت پر کون ہے؟ تم وہاں چڑھے ہوئے کیا کر رہے ہو؟

استر : ہوا میں چل رہا ہوں اور سورج کے خیال میں مستغرق ہوں۔

سقراط : ارے ہمارا دم گھٹا! ارے میں مرا!

[کیرلیفون نمودار ہوتا ہے]

کیرلیفون : آہ میں بدنصیب! جھلس گیا! مر گیا!

استر : مردودو! کافرو! اور دیوتاؤں کا انکار کرو! ان کا مذاق اڑاؤ! ... ہاں ہاں زینتھیا! جلدی کرو — توڑ ڈالو — سب ڈھا دو! ان کے جرم تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ انھوں نے دیوتاؤں کی جو تحقیر کی تھی اور جس طرح کفر بکنا شروع کیا تھا، وہ تو اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

سردار طائفہ : چلو! اب واپس چلو! آج کا کھیل ختم ہوا اور ہم نے اپنا کام بخوبی تمام کر دیا۔

فرہنگ

(اس مجموعہ میں شامل ڈراموں میں استعمال ہونے والے اسماء کی فرہنگ)

آٹونی : کیڈمس (دیکھیے) کی بیٹی جس سے ایکٹیون (دیکھیے) پیدا ہوا۔

آئنو : کیڈمس (دیکھیے) کی بیٹی اور اتامس (دیکھیے) کی بیوی، ہیرا (دیکھیے) کے غضب کا شکار ہو کر دیوانگی میں مبتلا ہو گئی اور اپنے بیٹے کو لے کر سمندر میں کود پڑی اور سمندری دیوی کا درجہ پایا۔

آیو : بادشاہ انے کس کی بیٹی۔ زیوس (دیکھیے) اس پر عاشق ہوا تو ہیرا (دیکھیے) کے حسد سے بچانے کے لیے آیو کو بچھیا کی شکل میں بدل دیا۔ ہیرا نے اس پر بے خوابی مسلط کر دی اور کثیر العین ارگس (دیکھیے) کو اس کا نگہبان مقرر کیا۔ زیوس نے ہرمیس (دیکھیے) کے ذریعہ ارگس کو مروا ڈالا تو ہیرا نے ایک بڑ مکھی آیو کے پیچھے لگا دی جو اسے ملکوں ملکوں دوڑائے پھرتی تھی۔ بالآخر وہ مصر پہنچ گئی جہاں اس نے انسانی قالب اختیار کیا اور اس کے بطن سے زیوس کا بیٹا پیدا ہوا۔

اپولو : زیوس (دیکھیے) کا بیٹا جسے دیوتا کا درجہ حاصل ہوا۔ اس کے ساتھ جو صفات وابستہ کی جاتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادویہ، موسیقی، باغات، روشنی، نوجوانی اور پیش گوئی کا دیوتا تھا۔ مویشیوں کی نگہبانی بھی اسی کا کام تھا۔ ڈیلفائی (دیکھیے) اس کا مسکن قرار پایا۔ عفو و رحم اس کے ساتھ وابستہ کیے جاتے ہیں۔

اتامس : ایک یونانی بادشاہ جس نے آئنو (دیکھیے) کی خاطر اپنی بیوی نیفلی (بادل) کو چھوڑ دیا۔ نیفلی آسمانوں میں چلی گئی۔ لیکن آئنو کے بہکانے سے اتامس نے نیفلی کے بچوں پر زیادتی کی تو دیوتاؤں نے فیصلہ کیا کہ اتامس کو اپنی جان کی قربانی دینی ہوگی، بعد میں اس کی جان بخشی ہو گئی۔

آرتمیس : زیوس (دیکھیے) کی بیٹی۔ وہ صحرائی زندگی اور پیدائش اطفال کی دیوی ہے اور شکار کی شوقین۔

جل پریاں اس کی پیش خدمت ہیں۔

ارستیوس : جل پری سیرین کا بیٹا، شکار اور شہد کی مکھیوں کا دیوتا۔ کیڈمس (دیکھیے) کی بیٹی آتونی (دیکھیے) سے شادی کی اور ان سے ایکٹیون (دیکھیے) پیدا ہوا۔

ارگس : (۱) ایک علاقہ کا نام۔

(۲) اس گڈریے کا نام جس کو آیو (دیکھیے) کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے سارے بدن پر آنکھیں تھیں۔ جب ہرمیس (دیکھیے) نے اس کو مار ڈالا تو اس کے بدن کی آنکھیں مور کی دم میں لگا دی گئیں جو آج تک اس کی یادگار ہیں۔

اژدہا کے تخم : دندان اژدر (دیکھیے)۔

اسپارٹا کے قیدی : شاہی نظام کے کمزور پڑ جانے پر ساتویں صدی ق م میں اسپارٹا میں عسکری نظام قائم ہوا تو مفتوح علاقہ میسینیا کے لوگوں کو قیدی اور غلام بنا لیا گیا۔ ان کو شہری حقوق حاصل نہیں تھے اور محنت و مشقت پر مامور کیا جاتا تھا۔

اسفنکس : (سقنقور) یونانی اساطیر میں ایک بلا جس کا سینہ تک کا حصہ ایک عورت کا اور دھڑ شیر کا تھا۔ ایڈیپس (دیکھیے) نے اس کا خاتمہ کیا۔

اسمینس : تھیبی کے مشرق میں ایک ندی۔

اطلس : ایک دیوتا جسے بغاوت کی پاداش میں یہ خدمت سپرد کی گئی کہ اپنے سر اور ہاتھوں پر آسمانوں کو تھامے رہے۔

اگوے : پینتھیس (دیکھیے) کی ماں ڈایونسس (دیکھیے) سے منکر ہونے کی سزا میں اس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس کیفیت میں وہ اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ ڈایونسس کی پرستش کے لیے پہاڑوں میں چلی گئی۔ اور اسی کیفیت میں اپنے بیٹے کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ڈراما دیوداسیاں)۔

الیکترا : اگامیمنن کی بیٹی۔ سوفوکلیز اور یوریپڈیز دونوں نے ہی اس نام سے المیہ ڈرامے لکھے۔

اینکس : ارگس کا بادشاہ اور آیو (دیکھیے) کا باپ۔

اورفیس : قدیم دور کا شاعر اور مغنی جس کے نغموں سے وحشی مسحور ہو جاتے تھے۔ بعد میں دیوداسیوں (دیکھیے) نے اس کے تکا بوٹی کر ڈالے کہ یہ ان کی پوجا کی رسوم میں خلل انداز ہوتا تھا۔

اولمپس : پہاڑ جس کی چوٹیاں یونانی عقیدہ کے مطابق دیوتاؤں کا مسکن ہیں۔

اولمپیا : یونان کا وہ میدانی علاقہ جہاں ہیراکلیز (دیکھیے) نے چار سالہ تقریبات کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ یونان کا

دوسرا بڑا مذہبی مرکز تھا۔ یہاں زیوس اور ہیرا (دیکھیے) کے مشہور مندر تھے۔

ایڈریستیا : طفلک شب۔ دیوتاؤں کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر دیوتاؤں کی برہمی کی تمثیل۔

ایڈیپس : تھیبس (دیکھیے) کے بادشاہ لائس کا بیٹا جو ایک ادبار کے نتیجہ میں، اپنے باپ کو قتل کرکے تھیبس کا بادشاہ اور اپنی ماں یوکاستا (دیکھیے) کا شوہر بن گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈراما "شاہ ایڈیپس"۔

ایرس : زیوس کا بیٹا اور جنگ کا دیوتا۔ اس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔

ایسپس : ایک دریا جو تھیبس کے جنوب میں بہتا ہے۔

ایستر : دریائے ڈینیوب۔

ایفرودیت : عشق کی دیوی۔ اس نے اپنے شوہر ہیفاسطس (دیکھیے) سے بے وفائی کی اور دیوتاؤں میں رسوا ہوئی۔

ایکٹیون : آترنی (دیکھیے) کا بیٹا، ارتمیس (دیکھیے) کی بد دعا سے وہ بارہ سنگھا بن گیا اور پھر اسے شکاری کتوں نے پھاڑ ڈالا۔

ایگنر : کیڈمس (دیکھیے) کا باپ اور تورے کا بادشاہ۔

باخوس : ڈایونسس (دیکھیے) کا نام۔ اس کے مقلد باخوسی کہلاتے ہیں جو دیوتا کے گرد عالم سرمستی میں ناچتے کودتے ہیں اور جانوروں کو چیر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

برومیس : باخوس (دیکھیے) کا نام۔ اس سے شور و شر کی صفت وابستہ ہے۔

پالس : ایتھنا کی محافظ دیوی۔

پان : مویشیوں کے گلوں اور گلہ بانوں کا دیوتا۔ اس کی شکل بکری کی دکھائی جاتی ہے۔ اس نے نرسل سے بانسری بنائی۔ خوف اور وہم، بالخصوص مسافروں کے ذہن میں اسی کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔

پرومیتھیس : طیطانی (دیکھیے) نسل کا دیوتا۔ انسانوں پر زیوس کے مظالم دیکھ کر اس نے آسمانوں سے چرا کر انھیں آگ دے دی اور بہت سے فنون سکھائے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ڈراما "تن بجولاں"۔

پلوٹو : بخشندۂ زر؛ زمین جو تمام دولت و نعمت کا مخرج ہے۔

پولی بس : (۲۰۲ تا ۱۲۰ ق م) عظیم یونانی مورخ۔

پیریا : کوہ اولمپس (دیکھیے) کے شمالی ڈھلانوں پر آباد علاقہ۔ اسے علوم و فنون کی دیویوں کا مسکن تصور کیا جاتا تھا۔

پیریکلیز : (۵۰۰ تا ۴۲۹ ق م) ایتھنائی سیاستداں جو اپنے کردار کی مضبوطی کے لیے مشہور ہوا۔ اپنی خطابت اور تدبر سے اس نے عوام کے دلوں پر حکومت کی۔

پیلیس : روایت ہے کہ اس نے ایستی دیمیا کی محبت کو ٹھکرا دیا تو اس نے اپنے شوہر سے شکایت کر دی، جس نے اس کو نہتا کر کے درندوں میں چھوڑ دیا، لیکن دیوتاؤں نے اس کی مدد کی۔ اسے ایک تلوار عطیہ کر دی جس سے اس نے اپنی حفاظت کی اور پھر تھیٹس (دیکھیے) سے شادی کی۔

پینتھیس : تھیبی کا بادشاہ اور کیڈمس (دیکھیے) کا نواسا جس کو ڈایونسس (دیکھیے) کا استہزا اور انکار کرنے کی وجہ سے اپنی ماں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہونا نصیب ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ڈراما "دیوداسیاں")۔

ترسیاس : یونانی اساطیر کے مطابق وہ تھیبی کا باشندہ تھا۔ سانپ کے جوڑے کی مادہ کو مارنے کے ادبار میں وہ عورت بن گیا۔ زیوس اور اس کی بیوی ہیرا (دیکھیے) کہ اس سوال پر کہ مجامعت میں تلذذ مرد کو زیادہ ہوتا ہے یا عورت کو، اس نے زیوس کی تائید کی تو ہیرا نے ناراض ہو کر اس پر اندھا پن مسلط کر دیا، لیکن زیوس نے اس کو طویل عمر اور پیش گوئی کی قوت بخش دی۔ ایک اور روایت کے مطابق اس کے اندھے پن کا باعث یہ ہوا کہ اس نے ایتھنا کو نہاتے ہوئے برہنہ دیکھ لیا تھا۔

تمولس : ایک پہاڑ کا نام جو اپنے انگور کے باغات کے لیے مشہور تھا۔

تھیبی : کیڈمس (دیکھیے) نے اس شہر کو آباد کیا اور یہاں بہت بڑا قلعہ تعمیر کر کے اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اسی کے نام پر ریاست کا نام قرار پایا۔ اسے سو دروازوں والا اور کہیں، دروازوں والا شہر کہا گیا ہے۔ کیڈمس اور اس کے خاندان، خاص طور پر ایڈیپس (دیکھیے) سے متعلق بہت سی کہانیاں اس سے وابستہ ہیں۔ یہ اپنے معبدوں اور شاہی مقبروں کے لیے بھی مشہور ہے۔

تھیٹس : جل پری جسے دیوی کا درجہ حاصل ہوا اور پیلیس (دیکھیے) سے شادی ہوئی۔

تھیمس : زیوس (دیکھیے) کے دربار کی خادمہ۔ دیوتاؤں کی مجالس منعقد کرنا اور ضیافتوں میں نظم و نسق قائم رکھنا اسی کے ذمہ ہے۔

ٹرافونیس کے غار : ٹرافونیس معمار تھا جس نے بادشاہ کے محل میں خفیہ خزانہ تعمیر کیا اور بعد میں خود ہی اس سے چوری کرتا رہا۔ چوری کا علم ہوا تو اسے زمین نگل گئی اور پھر یہ مقام مہبط بن گیا جہاں سے لوگ فال لیتے تھے۔ پجاری اس غار میں جاتے تھے تو شہد اور روٹی لے کر جاتے تھے کہ وہاں موجود سانپوں کو کھلا سکیں اور پھر عالم غنودگی میں ہیبت ناک خواب دیکھتے تھے جن کی دہشت ان پر مہینوں طاری رہتی تھی۔

ٹے تھیس : سمندر دیوتا کی زوجہ۔ اس کا تعلق بھی طیطانی (دیکھیے) سلسلے سے ہے۔

جیوپیٹر: 'بہشتی باپ'، 'مالک بہشت'، جیوپیٹر اصلاً رومیوں کا دیوتا تھا۔ بارش، آندھی، بجلی، گرج جیسے آسمانی واقعات اس کے قبضۂ قدرت میں خیال کیے جاتے ہیں۔ وہ مخلوقات کا منتظم اور مستقبل کا غیب داں تھا۔ جنگوں میں وہ اپنے معتقدین کا محافظ بنتا تھا اور امن میں انصاف کی صفت اس سے وابستہ تھی۔ وہ دیوتاؤں میں سب سے افضل و برتر قرار دیا جاتا تھا۔ یونانیوں نے یہ تمام اوصاف زیوس (دیکھیے) سے وابستہ کیے اور بالآخر دونوں کو ایک ہی سمجھا جانے لگا۔

دباغ کا بیٹا: کلیون (دیکھیے)۔

دندان اژدر: سنان افعی (دیکھیے)۔

دودونا: دودن زیوس (دیکھیے) کا بیٹا تھا۔ اسی کے نام پر یہ شہر آباد ہوا۔ یہاں زیوس کا مہبط تھا جو مرجع انام بنا۔ جو کوئی فال لینا چاہتا تھا، یہاں سے اس کو جواب ملتا تھا۔ یہ فال مقدس شاہ بلوط کی جڑ سے بہنے والے چشمے کی آواز سے یا شاہ بلوط کے پتوں کی سرسراہٹ سے لی جاتی تھی۔ پروہت ان آوازوں کی تعبیر و تشریح کرتے تھے۔

دیمتر: کرونس (دیکھیے) کی بہن۔ غلہ اور کاشت کی دیوی۔ اس کے اعزاز میں بہت سی تقریبات منائی جاتی تھیں۔

دیوداسی: ڈایونسس (دیکھیے) کی پجارنیں جن پر دیوانگی طاری رہتی تھی اور عالم سرمستی میں عجیب و غریب حرکات ان سے سرزد ہوتی تھیں۔ انھیں کو باخوسی (دیکھیے) بھی کہا جاتا ہے۔

ڈایونسس: زیوس (دیکھیے) کا بیٹا۔ زیوس کے جلوے کی تاب نہ لاکر سیملی (دیکھیے) جل مری تو اس کے بطن سے ڈایونسس کو نکال کر زیوس نے اپنی ران میں چھپالیا۔ بعد میں اس کی پیدائش ہوئی۔ اس روایت پر جن لوگوں نے یقین نہ کیا انھوں نے اس کے دیوتا ہونے کا انکار کیا۔ اس کی الوہیت کا انکار کرنے والوں پر دیوانگی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ خمریات کا دیوتا متصور ہوتا تھا۔ دراز زلفوں کے ساتھ وہ نسوانی انداز رکھتا تھا۔ اس پر بکری کی قربانی کی جاتی تھی۔ اسی کی عبادت کی رسومات سے یونانی المیہ کی داغ بیل پڑی۔

ڈرکے: تھیبی کے بادشاہ لائی کس کی بیوی جس کو اس جرم میں کہ اس نے لائی کس کی بھتیجی اور زیوس کی زوج اینتیوپ کو تکلیف پہنچائی تھی، اینتیوپ کے بیٹوں نے سانڈ کی سینگوں سے باندھ دیا۔ وہ اسے گھسیٹتے پھرا اور بالآخر اس کی موت واقع ہوگئی۔ اسی کے نام سے ایک چشمہ موسوم ہوا۔

ڈیتھائرم، ڈیتھائرمبس: اولاً ڈایونسس کی پرستش سے متعلق حمدیہ نغمات جنھیں پچاس افراد پر مشتمل طائفہ گاتا

تھا اور رقص کرتا جاتا تھا۔ اس میں اضافے ہوتے رہے اور پھر یہ نغمات دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کے وقت بھی گائے جانے لگے۔ بعد ازاں ان میں حمدیہ نغمے کم ہو گئے اور موسیقی کا غلبہ ہو گیا۔ یونانی ڈرامے کی ابتدا میں ان طائفاتی نغموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

ڈیلفائی : کوہ پارناسس میں اپولو کا مہبط جہاں فال لی جاتی تھی۔ یہاں پہاڑوں کی ڈھلانوں پر نیم دائرہ کی شکل میں متعدد مندر تھے۔ مادر گیتی کا مقبرہ یہیں تصور کیا جاتا تھا جس کی حفاظت ایک خطرناک افعی کرتا تھا۔ اپولو (دیکھیے) نے اس کو مار کر یہاں اپنا مہبط قرار دیا تب سے اسے بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ یہیں بعد میں ڈایونسس (دیکھیے) کا مقبرہ بھی تصور کیا گیا اور اس طرح دو عظیم دیوتاؤں کے مہبط پارناسس کی دو چوٹیوں پر واقع تھے۔

یہاں فال لینے والوں کے سوالوں کے جواب میں ایک پروہتانی عالم وجد میں کچھ غیر مربوط کلمات ادا کرتی تھی جن کی تعبیر وہاں موجود پروہت کرتے تھے۔ ابتدا میں یہ سوالات مذہبی امور سے متعلق تھے، پھر ان کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔

ربانی عصا : عصا جس پر انگور یا عشق پیچاں کی بیلیں لپٹی ہوتی تھیں۔ اس کی نسبت ڈایونسس (دیکھیے) کی پرستش سے ہے۔

ری : کرونس (دیکھیے) کی زوجہ اور زیوس (دیکھیے) کی ماں۔ اسی نے زیوس کو اس کے باپ سے چھپا لیا کہ وہ لقمۂ اجل ہونے سے بچ جائے۔ اس کی حیثیت دھرتی ماں کی ہے۔

زیوس : کرونس (دیکھیے) کا بیٹا۔ اپنے باپ کو شکست دے کر اس نے عظیم دیوتا کا درجہ حاصل کر لیا۔ وہ افلاک اور موسموں کا دیوتا ہے۔ انسانی زندگی کے بعض اور پہلو بھی اسی سے متعلق ہیں۔ ہیرا اس کی بیوی ہے لیکن اسے کئی دیویوں اور عورتوں کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اس تعلق سے اس کے متعدد اولادیں بھی ہوئیں۔ وہ تمام دیوتاؤں پر فوقیت رکھتا ہے۔

ساردس : لیڈیا (دیکھیے) کا دار السلطنت۔

سائپرس : (قبرص)، بحر معتدل میں ایک بڑا جزیرہ جو اپنی تانبے کی کانوں کے لیے مشہور تھا۔ یہیں سب سے پہلے رکنی تحریر کا آغاز ہوا۔ ایفرودیت (دیکھیے) کی پرستش کا یہاں بہت رواج تھا۔

سائمونیدیز : (۵۵۶ تا ۴۶۸ ق م) یونانی غنائی شاعر جسے طبقہ امرا میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ اس نے پارسی جنگوں میں مرنے والوں کے بارے میں بہت سے مرثیے لکھے۔ اس کے فلسفیانہ اور ناصحانہ اقوال بہت مقبول ہوئے۔ طنزیہ شاعری میں اس نے بڑا نام پیدا کیا۔

سمیرین : ایک روایت کے مطابق یہ ایک داستانی مخلوق ہے جو سرحد زمین پر آباد ہے۔ ان کا علاقہ کہرے اور بادلوں میں گھرا رہتا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ ایک تاریخی قوم ہے جس نے آٹھویں صدی ق م میں ایشیائے کوچک اور آشوریا پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔

سنان افعی : کیڈمس (دیکھیے) نے غیبی ہدایت پر قلعہ کی بنیاد ڈالی اور اپنے ساتھیوں کو چشمے سے پانی لانے کے لیے بھیجا۔ چشمے کے محافظ افعی نے ان کو مار ڈالا۔ بعد میں کیڈمس نے اس افعی کو ختم کیا۔ پھر غیبی ہدایت کے مطابق اس افعی کے دانت زمین میں گاڑ دیے گئے جن سے مسلح جنگجو سپاہی نکل پڑے اور آپس میں کٹ مرے۔ صرف پانچ باقی رہ گئے۔ انھوں نے شہر کیڈمیا تعمیر کیا۔ تھیبی کے بعض شاہی خاندانوں کو انھیں نفوس سے منسوب کیا جاتا ہے۔

سولن : (۶۴۰ تا ۵۵۸ ق م) ایتھنز کے ایک مقتدر گھرانے کا فرزند جو مقنن، مدبر اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اپنے وضع کردہ آئین میں اس نے قرضوں کو ختم کر دیا، رہن شدہ زمینوں کو واگزار کیا، غلاموں کو آزادی بخشی اور قرض کی جلاوطنی کو منسوخ کر دیا۔ اس کی معاشی اصلاحات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس نے ایتھنز کے ہر بالغ کو دارالعلوم میں جگہ دی۔

سیطور : صحرائی اور کوہستانی ارواح جو ڈایونسس کی خدمت پر مامور ہیں۔ ان کے ساتھ انسانی جسم کا تصور وابستہ ہے، لیکن جانوروں کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے مثلاً گھوڑے کی دم یا بکری کی ٹانگیں۔ ہوس رانی ان کی اہم خصوصیت ہے۔

سیملی : کیڈمس (دیکھیے) کی بیٹی۔ زیوس اس کے عشق میں مبتلا تھا۔ زیوس کی بیوی ہیرا (دیکھیے) کے بہکانے پر سیملی نے زیوس کو اس کی بھرپور الوہی شان میں دیکھنا چاہا اور جلوہ کی تاب نہ لا سکی جل کر خاک ہو گئی۔ لیکن زیوس نے اس کے بطن سے اپنے بیٹے ڈایونسس (دیکھیے) کو نکال کر اپنی ران میں محفوظ کر لیا جہاں سے بعد میں اس کی پیدائش ہوئی۔ سیملی کا مقبرہ بنا دیا گیا۔ اس سے برابر شعلے برآمد ہوتے رہتے تھے۔

طائیفون : سو اژدہوں کے سر والا دیو جو مادر ارض کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

طیطانی : مادر گیتی (ارض) سے فلک کی اولاد۔ ان کی تعداد ۱۲ تھی۔ چھ لڑکے اور چھ لڑکیاں۔ ان میں سے بعض فطری قوتوں کے مظہر ہیں اور بعض کو دیوتاؤں کا درجہ حاصل ہو گیا، جن سے بعد کو نسل جاری رہی۔

عشق پیچاں : ڈایونسس (دیکھیے) کے ساتھ منسوب ہے کہ وہ اپنے عصا پر اس کی بیل لپیٹے رکھتا تھا۔ اس کے پرستاروں کا بھی یہی نشان تھا۔

فورکس : مادرگیتی کا بیٹا، یونانی بحری دیوتا۔ گارگن (دیکھیے) کا باپ۔

فیبس : 'روشن' اپولو (دیکھیے) کا صفاتی نام کہ وہ روشنی کا بھی دیوتا تصور کیا جاتا ہے۔

کبیل : دیوی ماں، فطری قوتوں کی دیوی۔

کبیل کی پجارنیں : کبیل (دیکھیے) کے پجاری اور پروہت جو خنثے ہوتے تھے۔

کتھیرن : ایک سلسلۂ کوہ جس پر از روے روایت پینتھیس (دیکھیے) کی موت واقع ہوئی۔ اسی پہاڑ پر لائس (دیکھیے) نے اپنے نوزائیدہ بیٹے اڈیپس (دیکھیے) کو پھنکوا دیا تھا کہ وہاں وہ اپنی موت آپ مرجائے۔

کرونس : یورینس بادشاہ (فلک) کا بیٹا۔ یورینس اپنے بچوں کو مقید رکھتا تھا۔ کرونس نے اپنی ماں کی ترغیب پر باپ سے بغاوت کی اور خود تخت پر متمکن ہوگیا۔ اس کا زمانہ روے زمین کا سنہرا دور سمجھا جاتا ہے لیکن اس کو بتایا گیا تھا کہ اس کا بیٹا اس کے زوال کا سبب بنے گا اس لیے پیدا ہوتے ہی وہ ان کو چباڈالتا تھا۔ لیکن زیوس (دیکھیے) کو اس کی ماں ری (دیکھیے) نے بچالیا۔ زیوس نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ دوسرے دیوتاؤں کی مدد لی اور کرونس کو شکست دی۔

کریٹ : اس جزیرہ پر یونان سے پہلے تہذیب کا ارتقا ہوا۔ اس کے باشندوں نے صنعت و حرفت، تجارت نیز بحری سفر میں کمال بہم پہنچایا۔ نقاشی، مصوری اور صناعی میں انھوں نے عمدہ نمونے پیش کیے۔

کریون : ملکہ یوکاستا (دیکھیے) کا بھائی اڈیپس (دیکھیے) کے بعد تھیبی کا نگراں ہوا اور جب اڈیپس کے بیٹے آپس کی تلواروں سے مارے گئے تو خود تخت پر متمکن ہوا۔ لیکن آگے چل کر خود بھی ادبار و لعنت کا شکار ہوا۔

کلیون : ایتھنا کا باشندہ، دباغ ___ حصول قوت و اقتدار کا خواہش مند۔ وہ بادشاہت کا داعی اور اس بات کا حامی تھا کہ جنگ میں شقاوت اختیار کرنی چاہیے یہاں تک کہ فتح حاصل ہوجائے۔ اس نے کئی مہموں کی قیادت کی۔

کورنتھ : ۶ میل چوڑی خاکنائے جو جزیرہ نما موریہ اور یونان کے دوسرے حصوں کو ملاتی تھی۔ اگرچہ زمین بنجر تھی لیکن تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے شہر نہایت متمول اور آباد تھا۔ جہاز سازی یہاں کی خاص صنعت تھی۔ یہاں عالی شان عمارتوں کے ساتھ بہ کثرت چشمے اور قدرتی تماشا گاہیں تھیں جو عیش گاہیں بن گئی تھیں۔

کولچیس : بحر اسود کے جنوب مشرقی ساحل پر ایک ملک۔

کیڈمس : یونانی دیومالا میں بادشاہ ایگنر کا بیٹا اور یوروپا کا بھائی۔ جب یوروپا کو زیوس اڑا کر لے گیا تو اس کی تلاش کیڈمس کے سپرد ہوئی۔ لیکن ڈیلفائی (دیکھیے) کی فال کے مطابق وہ ایک گائے کے پیچھے چلتا گیا جو اسے اس مقام پر لے گئی جہاں بعد میں تھیبی آباد ہوا۔ یہاں اس نے ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی۔ ایفرودیت (دیکھیے) کی بیٹی ہرمونیا سے شادی کی۔ چار بیٹیاں ہوئیں۔ آخر میں ایک بددعا کے نتیجہ میں میاں بیوی دونوں اژدہا بن گئے۔

کیریفون : سقراط کا شاگرد۔ اس نے ڈیلفائی سے فال کے ذریعہ یہ معلوم کرنا چاہا تھا کہ آیا سقراط سے زیادہ عقلمند کوئی شخص ہے اور جواب ملا تھا: سوفوکلیز عقلمند ہے اور یوریپڈیز اس سے زیادہ عقلمند، لیکن عقلمند ترین تو سقراط ہی ہے۔ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے برخلاف جمہوریت پسند تھا۔

گارگن : مکروہ و مہیب چہرے والی تین بہنیں، جن کی دہکتی آنکھیں شعلہ بار تھیں اور بالوں میں سانپ گندھے ہوئے تھے۔ ان سے آنکھ ملتے ہی انسان پتھر بن جاتا تھا۔

لیڈیا : ایشیائے کوچک کے مغربی علاقے کا مرکزی حصہ۔ ساردس اس کا دارالسلطنت تھا۔ چھٹی صدی ق م تک یہ ایک عظیم سلطنت رہی۔ پارسیوں نے اسے تباہ کیا۔ سکہ کی ایجاد اہل لیڈیا سے ہی منسوب کی جاتی ہے۔

لیرنا : ساحلی دلدلی علاقہ۔ یہاں ہیراکلیز (دیکھیے) نے ہدرا نامی بلا کو ختم کیا۔

لیسیا : ایشیائے کوچک کا ایک علاقہ۔

مقدونیا : انیسویں صدی ق م میں اس شہر نے شہرت حاصل کی اور تقریباً دو ہزار سال تک بڑی اہمیت کا مالک رہا۔ یہاں بڑے نامور بادشاہوں نے حکومتیں کیں۔ سکندر اعظم اور شہرۂ عالم حسینہ ملکہ قلوپطرہ کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔

موسے : ادب اور فنون کی دیویاں۔ ان کی تعداد نو تھی۔ بعد میں ان میں سے ہر ایک مختلف علم کی دیوی قرار پائی۔

میدیا : (۱) یونانی دیومالا کی ایک شہزادی اور ساحرہ۔

(۲) یوریپڈیز کا ایک المیہ۔

میروپ : یونانی دیومالا میں اس نام کی کئی عورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک کورنتھ کے بادشاہ پولی بس کی بیوی بھی ہے جس نے اڈیپس (دیکھیے) کی پرورش کی تھی۔

میوتس : ایک بحیرہ۔

نسطور : پلوس کا بادشاہ جو بڑا اعتدال پسند اور صلح جو تھا۔

نیم دیوتا : یہ نیم انسانی اور نیم آسمانی مخلوق لہو ولعب کی دلدادہ تصور کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زیوس (دیکھیے) کو بچپن میں حفاظت اور چھپانے کی خاطر ان کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ بچہ کے رونے کی آواز کو وہ اپنے ہتھیاروں کی جھنکار میں چھپا دیتے تھے۔

ہائپربولس : شمع سازی کا کام کرتا تھا اور اعلیٰ درجہ کا خطیب تھا۔ بائیں بازو کے رہنما کی حیثیت سے کلیون (دیکھیے) کا جانشین ہوا۔ ۴۱۱ ق م میں قتل کر دیا گیا۔

ہرمونیا : ایفرودیت (دیکھیے) کی بیٹی اور کیڈمس (دیکھیے) کی بیوی۔ کیڈمس نے شب عروسی میں اسے ایک ہار دیا جو آئندہ بہت سی تباہیوں اور حادثوں کا سبب بنا۔ آخر میں کیڈمس کے ساتھ ہرمونیا بھی ناگن بن گئی۔

ہرمیپس : ایرسٹوفینیز کا ہم عصر طربیہ نگار۔

ہرمیس : یونانی دیومالا کے مطابق زیوس (دیکھیے) کا بیٹا اپنی پیدائش کے دن ہی وہ پالنے سے نکلا، کچھوے کے خول سے ایک باجا تیار کیا۔ اپالو کی پچاس گایوں کو ہنکا کر کسی گم نام مقام پر پہنچا دیا اور پھر پالنے میں واپس چلا گیا۔ غضب ناک ہو کر اپالو آیا تو باجا بجا کر اس کو ایسا مسرور کر دیا کہ اس نے یہ جانور اور بہت سی الوہی قوتیں ہرمیس کو بخش دیں۔ وہ خوش نصیبی اور دولت کا دیوتا سوداگروں اور ساتھ ہی قزاقوں کا سرپرست تصور کیا جاتا تھا۔ شاہراہیں اسی کے تصرف میں تھیں۔ وہ دیوتاؤں کا پیامبر بھی تھا۔ خواب کا دیوتا بھی یہی ہے۔ پردار بازوؤں کے ساتھ وہ ایک مار پیچیدہ لاٹھی لیے دکھایا جاتا ہے۔

ہومر : تقریباً نویں صدی ق م کا زمانہ پایا۔ یونان کا عظیم رزمیہ نگار، ایلیڈ اور اوڈیسی اسی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ شبہ کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں میں بعد کے لوگوں نے اضافے کر دیئے۔

ہیرا : زیوس (دیکھیے) کی بہن اور زوجہ، ملکۂ افلاک، خواتین کی نمائندہ دیوی اور محافظ ازدواج تصور کی جاتی ہے۔ وہ زیوس کے معاشقوں سے نالاں تھی اور اسی حسد میں بہت سی تباہیاں وجود میں آئیں۔ خوبصورتی میں وہ بے نظیر تھی۔

ہیراکلیز، ہیراکلیس : یونانی سورما جو اپنی قوت، بہادری اور رحمدلی کے لیے مشہور ہوا۔ شکمی اور جنسی بھوک بھی اس کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ غیر معمولی قد و قامت کا انسان تصور کیا جاتا ہے۔ وہ زیوس (دیکھیے) سے کسی عشق کا نتیجہ تھا اس لیے اس کی بیوی ہیرا (دیکھیے) اس کے درپے آزار رہی۔ مختلف دیوتاؤں نے اسے مختلف فنون سکھائے۔ اس نے محنت و ریاضت اور نیکی کی زندگی اختیار کی۔ کریون (دیکھیے)

نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی ۔ اس سے بہت سی مہیں منسوب کی جاتی ہیں ۔

ہیراکلیسی غسل : ہیراکلیس گرم چشموں میں نہاتا تھا جنھیں ایتھنا نے تخلیق کیا تھا تاکہ وہ نہا کر اپنی تکان دور کرلے ۔

ہیشونی : ٹرائے کے بادشاہ لاؤمیدن کی بیٹی جسے بادشاہ کی عہد شکنی کے کفارہ کے طور پر عفریت پر قربان کرنے کے لیے مانگا گیا لیکن ہیراکلیز (دیکھیے) نے اس عفریت کو ختم کر دیا۔ بادشاہ نے پھر عہد شکنی کی تو ہیراکلیز نے اس کے ملک پر چڑھائی کی اور ہیشونی کو تلامن کو بخش دیا جس نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

ہیفاسطس : آتش اور اس سے متعلق فنون (مثلاً آہن گری) کا دیوتا، زیوس اور ہیرا (دیکھیے) کا بیٹا۔ لنگڑا پیدا ہوا تو ہیرا نے شرم کے مارے اسے آسمانوں سے پھینک دیا۔ انتقاماً اس نے ہیرا کے لیے ایک طلائی کرسی تحفہ میں بھیجی جس پر بیٹھتے ہی وہ اس میں ایسی جکڑ گئی کہ ہیفاسطس کے علاوہ کوئی اسے چھٹکارا نہیں دلا سکتا تھا۔

یوپولس : ایرسٹوفینز کا ہم عصر طربیہ نگار ۔

یوکاستا : اڈیپس (دیکھیے) کی ماں اور بیوی ۔ ایک بد دعا کے مطابق نادانستگی میں اڈیپس نے اپنے باپ کو قتل کیا اور اپنی ماں کا شوہر بن گیا۔ راز افشا ہونے پر یوکاستا نے خودکشی کر لی اور اڈیپس نے اپنی آنکھیں پھوڑ لیں۔

ختم شد

خاص خاص مطبوعات

اقبالیات

- کلیاتِ اقبال (اردو) صدی ایڈیشن ۲۰/۰۰
- فکرِ اقبال خلیفہ عبدالحکیم ۴۰/۰۰
- اقبال معاصرین کی نظر میں وقار عظیم ۴۰/۰۰
- اقبال شاعر اور فلسفی 〃 ۲۰/۰۰
- اقبال فن اور فلسفہ ڈاکٹر نور الحسن نقوی ۷/۵۰
- تصوراتِ اقبال مولانا صلاح الدین احمد ۱۵/۰۰
- بانگِ درا (عکسی) علامہ اقبال ۱۰/۰۰
- بالِ جبریل 〃 〃 ۸/۰۰
- ضربِ کلیم 〃 〃 ۸/۰۰
- ارمغانِ حجاز 〃 (اردو) 〃 ۴/۵۰

غالبیات

- غالب: تقلید اور اجتہاد پروفیسر خورشید الاسلام ۳۰/۰۰
- غالب: شخص اور شاعر مجنوں گورکھپوری ۱۵/۰۰
- دیوانِ غالب (عکسی) نور الحسن نقوی ۱۲/۰۰
- اطرافِ غالب ڈاکٹر سید عبداللہ ۲۰/۰۰

فیض

- کلامِ فیض (عکسی) فیض احمد فیض ۲۰/۰۰
- نقشِ فریادی 〃 〃 ۶/۰۰
- دستِ صبا 〃 〃 ۶/۰۰
- زنداں نامہ 〃 〃 ۷/۵۰
- دستِ تہِ سنگ 〃 〃 ۶/۰۰

لسانیات

- اردو لسانیات ڈاکٹر شوکت سبزواری ۱۲/۰۰
- اردو زبان و ادب ڈاکٹر مسعود حسین خاں ۷/۵۰

جمالیات

- جمالیات اور ادب ڈاکٹر ثریا حسین ۱۵/۰۰
- ادب میں جمالیاتی اقدار ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ۱۰/۰۰

مثنوی

- اردو مثنوی کا ارتقا عبدالقادر سروری ۷/۵۰
- مثنوی گلزارِ نسیم ظہیر احمد صدیقی ۶/۰۰
- مثنوی سحر البیان 〃 ۶/۰۰

افسانے

- اردو کے تیرہ افسانے مرتبہ: ڈاکٹر اطہر پرویز ۱۲/۰۰
- منٹو کے نمائندہ افسانے 〃 ۱۲/۰۰
- پریم چند کے نمائندہ افسانے ڈاکٹر قمر رئیس ۱۲/۰۰
- نیا افسانہ وقار عظیم ۱۵/۰۰
- نمائندہ مختصر افسانے محمد طاہر فاروقی ۶/۰۰

ڈرامے

- یونانی ڈراما عتیق احمد صدیقی ۲۰/۰۰
- اردو ڈراما کا ارتقا عشرت رحمانی ۴۰/۰۰
- اردو ڈراما: تاریخ و تنقید 〃 ۲۰/۰۰
- آغا حشر اور اردو ڈراما انجمن آرا ۳۰/۰۰
- انارکلی مع مقدمہ ڈاکٹر محمد حسن ۹/۰۰

ادب و تنقید

- احساس و ادراک ظہیر احمد صدیقی ۱۵/۰۰
- چہرہ پسِ چہرہ ابنِ فرید ۲۰/۰۰
- میں، ہم اور ادب 〃 ۲۰/۰۰
- شہرت کی خاطر نظیر صدیقی ۱۵/۰۰
- غزل کا نیا منظر نامہ شمیم حنفی ۱۲/۰۰
- موازنہ انیس و دبیر مع مقدمہ ڈاکٹر فضل امام ۱۲/۰۰
- انیس شناسی ڈاکٹر فضل امام ۱۵/۰۰
- تنقیدیں پروفیسر خورشید الاسلام ۳۰/۰۰
- شناسا چہرے ڈاکٹر محمد حسن ۱۵/۰۰
- مضامینِ نو خلیل الرحمن اعظمی ۲۵/۰۰
- اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک 〃 ۴۰/۰۰
- تنقیدی تناظر ڈاکٹر قمر رئیس ۲۰/۰۰
- ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ رشید حسن خاں ۲۵/۰۰
- غزل اور درسِ غزل اختر انصاری ۸/۰۰
- سرسید اور ہندوستانی مسلمان ڈاکٹر نور الحسن نقوی ۲۰/۰۰
- اردو ادب کی تاریخ عظیم الحق جنیدی ۱۰/۰۰
- مقدمہ شعر و شاعری مقدمہ: ڈاکٹر وحید قریشی ۷/۵۰
- نثر، نظم اور شعر منظر عباس نقوی ۷/۵۰
- سرسید: ایک تعارف پروفیسر خلیق احمد نظامی ۲/۵۰
- سرسید اور علی گڑھ تحریک 〃 ۲۵/۰۰
- ناول کا فن ابوالکلام قاسمی ۱۵/۰۰
- انتخابِ مضامینِ سرسید آل احمد سرور ۶/۰۰
- نظمِ جدید کی کروٹیں وزیر آغا ۱۸/۰۰
- تنقید اور احتساب 〃 ۱۵/۰۰
- اردو شاعری کا مزاج 〃 ۴۰/۰۰
- تخلیقی عمل 〃 ۲۰/۰۰
- انسان اور آدمی محمد حسن عسکری ۱۰/۰۰
- ستارہ یا بادبان 〃 ۱۵/۰۰
- آج کا اردو ادب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۱۶/۰۰
- جدید شاعری ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۵/۰۰
- شاعری اور شاعری کی تنقید ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۵/۰۰
- داستان سے افسانے تک وقار عظیم ۲۰/۰۰
- اکبر کی طنزیہ اور ظریفانہ شاعری محمد زاہد ۱۵/۰۰
- اسلوب سید عابد علی عابد ۲۰/۰۰
- بجنگ آمد کرنل محمد خاں ۳۰/۰۰
- باغ و بہار سلیم اختر ۱۰/۰۰
- آبِ حیات کا تنقیدی تحقیقی مطالعہ سید سجاد ۵/۰۰
- تحقیقی تنقیدی مطالعہ باغ و بہار سلیم اختر ۱۲/۰۰
- امراؤ جان ادا: تنقید و تبصرہ ابواللیث صدیقی ۳/۰۰

کامرس

- ہائر سیکنڈری بک کیپنگ حصہ اول ڈاکٹر محمد عارف خاں ۴۰/۰۰
- 〃 〃 〃 حصہ دوم 〃 ۳۰/۰۰
- ایڈوانسڈ اکاؤنٹس 〃 ۲۵/۰۰
- جدید طریقۂ تنظیمِ تجارت (بزنس میتھڈ اینڈ آرگنائزیشن) 〃 ۲۰/۰۰

سیاسیات و تاریخ

- دنیا کی حکومتیں (ورلڈ کانسٹی ٹیوشن) محمد ہاشم قدوائی ۲۰/۰۰
- جمہوریۂ ہند کا کانسٹی ٹیوشن (آف انڈیا) 〃 ۱۵/۰۰
- مبادیٔ سیاسیات (ایلیمنٹس آف پالٹکس) 〃 ۱۵/۰۰
- مبادیاتِ علم مدنیت (ایلیمنٹس آف سوکس) 〃 ۷/۵۰
- تاریخ و تہذیبِ عالم (ورلڈ ہسٹری) اے۔ اے۔ ہاشمی ۲۰/۰۰
- اسلامی تاریخ 〃 ۵/۰۰

متفرق

- جدید تعلیمی مسائل ڈاکٹر ضیاء الدین علوی ۹/۰۰
- اصولِ تعلیم 〃 ۱۵/۰۰
- ہندوستان کا تہذیبی ورثہ 〃 ۲/۲۵
- عام معلومات 〃 ۶/۰۰
- ایجادات کی کہانی 〃 ۵/۰۰
- تعلیمی نفسیات کے نئے زاویے مسرت زمانی ۱۰/۰۰
- رہبرِ صحت 〃 ۵/۰۰
- علمِ خانہ داری 〃 ۱۵/۰۰
- بچوں کی تربیت 〃 ۸/۰۰
- گلدستۂ مضامین و انشاپردازی ڈاکٹر محمد عارف خاں ۶/۹۵
- فیروز اللغات (جیبی) عکسی ۷/۰۰
- فیروز اللغات اردو جدید (ریگزین) ۲۵/۰۰
- اردو شکشھک (ہندی کے ذریعہ اردو سیکھیے) ۲/۰۰

ایجوکیشنل بُک ہاؤس

مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱